تُوبُوا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوحًا

اللہ کی جناب مین خالص (دل سے) توبہ کرو

توبۃ النصوح

(مرأۃ العروس کا تیسرا حصہ)

مصنفہ شمس العلماء جناب ڈاکٹر مولوی حافظ محمد نذیر احمد خانصاحب بہادر مرحوم
ایل ایل ڈی ڈی-او ایل سابق ڈپٹی کلکٹر و ممبر بورڈ آف ریونیو ریاست حیدر آباد دکن

جسکے صلے مین

پورا ایک ہزار روپیہ بموجب اشتہار نمبری ۷۹۱-الف مورخہ ۲۰-اگست ۱۸۶۹ء
گورنمنٹ عالیہ ممالک مغربی و شمالی نے مصنف کو انعام میں مرحمت فرمایا

مصنف کی نظر ثانی اور ترمیم اور اصلاح اور قرار داد فصول اور تجدید رجسٹری کے بعد
حسب فرمایش جناب مولوی بشیر الدین احمد صاحب تعلقدار خلف مصنف مرحوم

سنہ ۱۹۲۱ء میں

باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ

نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع ہوئی

سلسلۂ طبع جدید مرتبۂ اول دو ہزار جلد

قیمت عہ/ خرچہ وی-پی ۳/

فہرست مضامین توبۃ النصوح

صاحب ڈائرکٹر بہادر سررشتۂ تعلیم ممالک شمالی و مغربی کی چٹھی نمبری ۳۹ ۳۰ سنہ ۱۸۷۴ء بنام صاحب سکرٹری گورنمنٹ ممالک شمالی و مغربی کے نام

توبۃ النصوح کتاب اردو تصنیف مولوی نذیر احمد

یہ کتاب مراۃ العروس کے مصنف کا تصنیف کیا ہوا ایک قصہ ہی۔ مسلمانوں کے خاندانی حالات کا اور اس سے غرض یہ ہی کہ اس ملک کے لوگ اپنے اطفال کو علم اخلاق اور دین کے تعلیم کرنے میں زیادہ شوق کے ساتھ متوجہ ہوں اور بہ خلاف اُس قاعدۂ مروجہ کے کہ لڑکوں کے واسطے تعلیم کے بارے میں اُستاد بجائے والدین کے ہوتا ہی مصنف نے ثابت کیا ہی کہ والدین کی کوشش اور خود اُن کا چال چلن ہی تعلیم کی بڑی بنا ہی اور مصنف نے اس بات کی تمثیل میں صرف اُن ہی نتائج قبیحہ کے بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا جو والدین کی غفلت کا ثمرہ ہیں بلکہ جو نعمتیں اور برکتیں خاندانی حُسن تربیت سے میسر ہوتی ہیں اُن کو بھی بخوبی ظاہر کر دیا ہی اور اُس کا مقصود اصلی یہ ہی کہ تربیتِ خاندانی جو فی الواقع درست اور اصول کے ساتھ ہو گویا عین دینداری اور خدا پرستی ہی لیکن اس بات کے کہنے میں اُس نے یہ احتیاط کی ہی کہ مبادا ایسے ملک میں اُس کی نسبت کوئی غلط فہمی واقع ہو جہاں بقول مصنف ہر شخص کا عقیدہ جُدا گانہ معلوم ہوتا ہی اور تعصبات مذہبی اس درجے بڑھے ہوئے ہیں کہ عادات اور خیالات گو کیسے ہی فی نفسہٖ معقول ہوں جس حال میں کہ غیر مذہب والوں سے پیدا ہوں لوگ اُن کو وہم و وسواس کی نظر سے دیکھتے ہیں اسی لئے مصنف نے لکھا ہی کہ خانگی تعلیم کا مضمون لکھنے میں اگرچہ مذہبی تقریر سے گریز کرنا ممکن نہیں لیکن اس کتاب میں کوئی ایسی بات بھی نہیں ہی کہ جو مسلمان نہ ہوں اُن کے دل کو بُری معلوم ہو اور جہاں مذہب کا ذکر آیا ہی وہاں وہ ذکر اس طور پر ہی کہ سب نیک آدمی اُس کو پسند کریں گے اور مصنف نے یہ بات بے کم و کاست سچی سچی کہی ہی اور میں کہہ سکتا ہوں کہ دین اسلام کی خالص وحدانیت مصنف کے مطلب سے خوب مناسبت رکھتی ہی اس قصے میں جتنے اشخاص کا ذکر ہی یعنی خاندان کا بزرگ نصوح اُس کی زوجہ فہمیدہ اور اُس کے تین بیٹے۔ کلیم علیم سلیم۔ اور دو بیٹیاں نعیمہ اور حمیدہ اور ایک بھانجی صالحہ اور کئی اور اشخاص کے نام بھی قصے کے سلسلے میں آئے ہیں۔ قصے کا آغاز اس بیان سے ہی کہ ایک مرتبہ دلی میں ہیضہ پھیلا

اور نصوح جس کے دل کو اپنے چاروں طرف موت کی دست بُرد دیکھ کر بڑا صدمہ پیدا ہوا تھا اسی بلا میں مبتلا ہوا اُس نے جانا کہ میری موت بھی آپہنچی اسی حالت میں اُس کو ایک غفلت کی نیند آگئی اور انجام کار اُس بیماری سے اُس کو صحت بھی ہو گئی۔ اسی نیند میں یہ خواب دیکھا کہ اُس عالم میں جہاں یہ سب روحیں جاتی ہیں۔ تمام حال اپنی عمر کا اور دین سے جو اُس کو بے پروائی رہتی تھی اور اُس کی خود پرستی اور اہل و عیال کے حقوق ادا کرنے کی غفلت یہ سب باتیں اُس کے روبرو پیش آئیں اور اپنے خالق کے سامنے وہ عاصی و مجرم ٹھہرا بعد صحت کے بھی یہی خیال اُس کے دل پر غالب رہا اور اگلے حال سے بالکل اُس کی طبیعت بدل گئی اسی کے معنی توبۃ النصوح ہیں۔ اور آگے قصے میں بیان کیا ہو کہ اپنے امورات خانگی کی اصلاح اور اُن دشواریوں کے رفع کرنے میں جو اُسکو پیش آئیں اُس نے کیا کیا تدبیریں کیں اور اس کتاب کی بندش میں انواع و اقسام کا بیان اور مکالمہ ہو اور شاید مکالمہ حصے سے زیادہ ہو۔ لیکن یہ بات کچھ قباحت کی نہیں ہو کیونکہ طلاقت اور محاورہ اُردو زبان کا جو بول چال کی زبان ہو اس سے پہلے کسی نے اس خوبی کے ساتھ قلمبند نہیں کیا۔ مشرح بیان اس قصے کے مضامین کا فصلاً فصلاً یہ ہو۔

فصل اوّل میں۔ آغاز اُس ہیضے کے بیان سے کیا ہو جو دہلی میں چند سال* پیشتر ہوا تھا ویرانی شہر کی اور بہت لوگوں کی اور کثرت یاد الٰہی کی جو پہلے سے بھولی ہوئی تھی خوبی کے ساتھ بیان کی ہو جو لوگ کہ اب تک رمضان میں بھی عبادت نہیں کرتے تھے وہ لوگ پانچوں وقت کی نماز کے لئے سب سے پہلے مسجد میں جانے لگے۔ نصوح نے نہایت فکر و تردد میں ہو کر ہر نہج کی احتیاط کی باورچی خانے کے برتنوں پر قلعی کرانی صفائی کا خوب لحاظ رکھا اور ہوا کی اصلاح کی دوائیں ہر طرف رکھیں باورچی کو تاکید کی کہ کھانے میں مصلح ڈالے اور سرکے اور پیاز کی افراط کرے اور جو معمولی دوائیں ہندوستانی اور انگریزی ہیں وہ بھی مہیا کیں اور ایک بنگالی طبیب کی طرف رجوع کی جس کا حال اخبار میں لکھا تھا کہ اُس نے دس ہزار روپے سرکار سے ہیضے کے مریضوں کا معالجہ کرنے کے لیے انعام پائے ہیں مگر باوجود اس کے نصوح کے گھر کو بھی ملک الموت نے نہیں چھوڑا چنانچہ اُسکا باپ اور ماں اور خالہ تینوں مر گئے آخر اُس مرض وبائی میں تخفیف ہوئی۔ لیکن نصوح نے بے احتیاطی سے

*اس کتاب کے حالات سے معلوم ہوتا ہو کہ اس زمانے سے غدر کے بعد کا زمانہ مراد ہو۔

چانول کھائے اور آخر کو وہ بھی بیمار پڑا اور سمجھا کہ میں بھی اب اس جہان سے چلا مگر ڈاکٹر نے ایک قوی دوا منوم دی اور بیماری نے رنگ بدلا اور اُس کو نیند آگئی اسی حالت میں ایک خواب دیکھا یہ خیال بعینہٖ مطابق اس عقیدے کے ہے جس میں کہ خدا کو بصورت انسان ہونا مانتے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی بات لغو اور بے معنی نہیں ہے اور آدمی کا اپنے خالق اور حاکم عادل کے روبرو ہونا اور اپنی عمر گزشتہ کے ہر فعل اور ہر خیال کا ظاہر کرنا اور اُس کا بالکل ناچیز ثابت ہونا نہایت عمدہ اور مودبانہ الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ اس بیان سے مصنف کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہولناک باتوں سے لوگوں کو خوف زدہ کرے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کی علام الغیوبی اور عدل اور رحمت کا اظہار مقصود ہے اور انسان کا ناچیز ہونا بلکہ جو لوگ دنیا میں صفت عبادت اور زہد کے ساتھ مشہور تھے اُن کا بھی وہاں محض بے حقیقت ہونا ظاہر کیا ہے۔ نصوح نے خواب میں دیکھا کہ وہ احکم الحاکمین کی بارگاہِ عدالت میں گیا ہے اور وہاں ہزاروں آدمی منتظر حکم خوف سے سکوت کئے ہوئے کھڑے ہیں اور اُن کی مدد کے لئے نہ وہاں کوئی مختار ہے نہ وکیل نہ ایسا عملہ کہ جس سے کچھ کاربرآری ہو سکے۔ بارگاہ ایسے حاکم کی جس کے حکم کا کہیں اپیل نہیں ہر مقدمہ اپنے وقت معین پر پیش ہوتا ہے اور گواہ ایسے جن پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا اور فیصلہ ایسا کہ جس میں تزلزل اور غلطی کی گنجایش نہیں قیدیوں کی یہ کیفیت کہ بعضے حوالات میں زیر انتظار ہیں اور بعضے اپنی شامت اعمال کی سزا میں بطور تادیب گرفتار محنت و مشقت اور اس سے بڑھ کر ایک جیل خانہ ہے جہاں بڑے بڑے مجرم بھیجے جاتے ہیں۔ نصوح کا باپ بھی حوالاتی قیدیوں میں تھا نصوح کو اُس کا حال دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ ایسا مقبول اور ذی عزت شخص اور یوں گرفتار ہو سکے باپ نے اپنا نامۂ اعمال دکھلایا جس میں ایک فہرست طویل گناہوں کی لکھی ہوئی تھی مثلاً بے دینی۔ نافرمانی۔ ناشکری۔ بیوفائی۔ تکبر۔ حسد۔ طمع وغیرہ اور ہر جرم کے محاذی بجائے دفعات مجموعۂ تعزیرات ہند کے آیات قرآنی لکھی ہیں اور وہ مقر ہے کہ میں مجرم اِن سب کا ہوں اور اُس نے مقدمے کی سماعتِ اول کا حال بھی بیان کیا کہ جب حاکم نے پوچھا کہ دنیا میں تیرا کلی اعتماد اور بھروسا کس پر تھا تو اُس نے جواب دیا کہ صرف خدا پر۔ لیکن خدا کی طرف سے عتابؔ ہوا۔

اس عتاب کا مضمون فصل دوم تک اصل کتاب میں دیکھ لیا جائے۔

فصل دوم ۔ نصوح خواب سے جاگا تو اب اثر عظیم اُس کے دل پر ہوا اُس نے اپنی بے دینی اور اہل و عیال کے ادائے فرائض سے اپنی غفلت اور اُس تاہ انی اور بے پروائی پر جواب تک بال بچوں کی

نسبت ظہور میں آئی تھی نظر کی تو ایک حالت غم اور ناامیدی کی اُس پر طاری ہوگئی اس عرصے میں اُس بیماری سے بھی صحت پائی اور اُس کے بعد اُس نے دین کے کاموں میں پھر غفلت نہ کی ۔ اور یا تو ایسا جابر تھا کہ گھر والے اُس سے لرزاں اور ترساں اور ہر دم اس کی رضاجوئی کی فکر میں رہتے تھے اور یا یکایک ایسا ہوگیا کہ نہ کسی کو بُرا بھلا کہنے سے کچھ کام نہ کسی پر حکم چلانے سے مطلب جو کچھ سامنے آیا کھا پی لیا کچھ کام بگڑ بھی گیا تو فہمیدہ وغیرہ کسی پر کچھ عتاب نہیں آخر کار نصوح نے اپنی بی بی فہمیدہ کو اپنا ہمراز بنایا امورات خانہ داری کی اصلاح کی جو تدبیریں سوچا وہ اُس سے کہہ دیتا اور اُس کو اپنا شریک اور مددگار سمجھا اُس کی زوجہ نے کچھ تعلیم بھی پائی تھی کیونکہ اس وقت تک مرآۃ العروس رواج پا چکی تھی اور اکثر گھرانوں میں اس کتاب کی نصیحت پر اس قدر عمل ہونا شروع ہوگیا تھا کہ لڑکیوں کی تعلیم ہونے لگی تھی ۔ نصوح نے اس خواب کا اور اُس سے اپنی طبیعت بدل جانے کا حال اپنی زوجہ فہمیدہ سے کہا اور اُس کے دل پر بھی اُس کا نہایت اثر ہوا لیکن لڑکوں کی عمر جو بڑی ہوگئی تھی ۔ اُن کی اصلاح سے اُس کو ایک نوع کی مایوسی تھی اس باب میں آگے شوہر و زوجہ کا مباحثہ ہے کہ اُس اصلاح کی کیا تدبیریں کرنی چاہئیں ۔

فصل سوم ۔ فہمیدہ نے اپنے شوہر کے روبرو وہ گفتگو بیان کی جو اُس کی بیٹی حمیدہ کے ساتھ اُسی دن صبح کو ہوئی تھی اور وہ گفتگو یوں شروع ہوئی تھی کہ لڑکی نے اپنی ماں سے پوچھا کہ ابا جان آج کل عبادت کے طور پر سر جھکائے اکثر یوں کھڑے رہتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے درجے والے کے ساتھ جو نظر سے غائب ہے مخاطب ہیں ۔ ماں نے چاہا کہ کچھ ایسے ویسے ہی جواب دے کر ٹال دے لیکن حمیدہ کے بھولے بھولے سوالوں پر خدا کی شفقت جو بندوں پر ہے اور عبادت سے فرائض کے بیان میں جو کچھ بن پڑا بیان کیا لڑکی نے پوچھا کہ تم بھی کبھی عبادت کرتی ہو اور اگر خدا ایسا رحیم و کریم ہے تو مجھے بھی چاہیئے کہ اُس کی عبادت اور بندگی کروں ۔ ماں نے کہا کہ خدا چھوٹے چھوٹے بچوں سے یہ نہیں چاہتا کہ ایسے بڑے فرائض کو ادا کریں جب تم بڑی ہوگی تو وہ اور بات ہے لڑکی نے جواب دیا کہ کیا میں اُس کی عنایت اور شفقت کا شکر بھی نہ ادا کروں شاید وہ خفا ہو جائے اور پھر کوئی چیز کھانے پینے کی ہم کو نہ دے ۔ مصنف نے یہ گفتگو بہت لطف کے ساتھ لکھی ہے ۔ ماں کے دل پر ان باتوں کا اتنا اثر ہوا کہ آنسو ٹپکنے لگے ۔ مشہور ہے کہ بچوں کی زبان بہت پیاری ہوتی ہے

چنانچہ یہ کتاب اُس کے لئے ایک عمدہ نمونہ ہی یہ ذکر سُن کر نصوح کے دل پر بڑا اثر ہوا اور اُس نے کہا خدا نے یہ بچہ ہماری غفلت اور نادانی ظاہر کرنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا ہی دونوں نے عزم بالجزم کیا کہ اب پچھلی بھول چوک کی اصلاح حتی الامکان نہایت ضرور ہی۔

فصل چہارم۔ اس پر نصوح نے موقع پاکر اپنے چھوٹے بیٹے سلیم سے جو دس برس کا تھا ایسی گفتگو کی جس سے اس کی مکتب کی پڑھائی اور شوق اور عادتوں کا حال معلوم ہوا اور اُس کو اِس بات کے دریافت ہونے سے بڑی تسکین ہوئی کہ اگرچہ گھر میں کچھ خبر نہیں بیچاتی تھی لیکن اُس کو صحبت اچھی ملی ہو اور اُن تماشیوں میں سے جو لڑکپن میں ہوا کرتی ہیں اکثروں سے پرہیز کرنا سیکھا ہی سلیم نے ایک نیک بی بی سے جس کا نام حضرت بی تھا اپنا ملنا اور اُس سے نصیحت اور دین کی تعلیم پانا بیان کیا اور اخیر میں اس بات کا افسوس ظاہر کیا کہ میں اب اُس بی بی سے نہیں مل سکتا اُس کے باپ نے پوچھا کہ کیا سبب ہی لڑکے نے جواب دیا کہ میرے بڑے بھائی کلیم نے منع کردیا ہی اور میں نے والدین سے شکایت اس خوف سے نہیں کی کہ وہ تمیز حق و باطل کے باب میں میری سمجھ پر نہیں سمجھے نصوح نے اُس کی تسکین کی اور اپنی پچھلی غفلت کا اقرار کیا اور کہا کہ میں حضرت بی کی شفقت کا شکریہ خود ان کے پاس جاکر ادا کیا چاہتا ہوں۔

فصل پنجم۔ اتنے میں فہمیدہ اور نعیمہ ماں بیٹیوں میں کچھ لڑائی جھگڑا ہو گیا اس نعیمہ کا بیاہ ہو چکا تھا اور دو سال کی بیاہی سُسرال سے لڑکر چلی آئی تھی اور پانچ مہینے کا بچہ اُس کی گود میں تھا ماں بیٹیوں میں لڑائی اس بات پر ہوئی کہ حمیدہ نعیمہ کے بچے کو گود سے نیچے بٹھا کر نماز پڑھنے لگی نعیمہ بچے کو روتا دیکھ کر نماز ہی میں آکر حمیدہ کو مارنے لگی اُس کو بُرا بھلا کہا نعیمہ نے ماں کی دینداری کی بابت کچھ گفتگوئے بے ادبانہ شروع کی فہمیدہ جو نصوح کے خیالات سے بھری ہوئی تھی غصے میں آکر نعیمہ کو مار بیٹھی نعیمہ نے وہ واویلا مچایا کہ پڑوسی تک چونک اُٹھے نصوح نے جب یہ حال سنا نہایت خفا ہوا اور کہا ابھی تو اپنی سُسرال چلی جا فہمیدہ نے درمیان میں آکر قصہ رفت و گزشت کیا اور نعیمہ کی خالہ زاد بہن صالحہ کو اُس کے منانے کے لئے بُلا بھیجا جو نعیمہ کی ہم عمر تھی اور نعیمہ اُس کا کہا بھی بہت مانتی تھی۔

فصل ششم۔ نصوح نے اپنے منجھلے بیٹے علیم کو جو چودہ پندرہ برس کی عمر کا تھا بُلوایا اور پوچھا کہ

تم امتحان دینے کی طیاری کے لئے مکتب میں کیا پڑھتے ہو اُس نے جواب دیا کہ میں خوب محنت کرتا ہوں لیکن گھر میں چونکہ بہت شور و غل ہوتا ہے اس لئے میں اپنے ایک ہم مکتب کے گھر جاکر پڑھا کرتا ہوں تب باپ نے پوچھا کہ تم نے اب تک کچھ بڑے امتحان کی تیاری کی بھی فکر کی ہے لڑکا اُس کی بات نہ سمجھا اور سمجھائی گئی تو اُس نے جواب دیا کہ گھر میں علم دین کے سیکھنے کا کوئی موقع نہیں ہے اگرچہ میں نے قرآن شریف کی کچھ سورتیں یاد کرلی ہیں لیکن اُن کے معنی نہیں سمجھا ہاں پادری صاحب نے ایک کتاب مجھے دی تھی اُس کی کچھ کچھ نصیحتیں یاد ہیں مگر بھائی صاحب نے جو سنا تو شب برات کے دن اُس کتاب کو پھاڑ کر پٹاخے بنا ڈالے اور کہا کہ اس کتاب کا نہ پڑھنا ہی تیرے حق میں بہتر ہو اور نہ تو عیسائی ہو جاتا باپ نے کہا کہ دین اسلام اور دین عیسوی میں اگرچہ فرق ہے لیکن مطابقتیں بھی ایسی ہیں کہ دونوں دین والوں میں اتفاق رہنا چاہیئے اور بے شبہ پادری صاحب کی کتاب سے تجھے فائدہ ہوتا چنانچہ علیم نے لوگوں کے ساتھ سلوک و شفقت وغیرہ کے ساتھ پیش آنے کا جو کچھ حال اس کتاب میں سے یاد کر لیا تھا وہ باپ کو سنایا اور یہ بھی کہا کہ اُس کے مطابق میں نے ایک دن اپنی نئی جوتی اچکن جو [illegible] تیار کی تھی۔ یہ ایک دلچسپ قصہ ہے اور خوب لکھا ہے۔

نصوح کو جب اپنے منجھلے بیٹے کی نیک نیتی کی طرف سے اطمینان ہوا اور جو تدبیریں اپنے خاندان کی اصلاح کی اُس نے سوچی تھیں اُن میں اُس سے مدد چاہی اور کہا کہ اپنے بڑے بھائی کلیم کو بلا لو۔

فصل ہفتم ۔ کلیم کی شادی ابھی ہوئی تھی کہ اپنی بی بی سے لڑ کر جدا ہو گیا تھا اور سوائے شعر و غزل و قصیدہ گوئی اور تاش کھیلنے کے کوئی اور اُس کو مشغلہ نہیں تھا۔ الغرض باپ کے بلانے سے نہیں آیا یہ اپنے بھائیوں کو طعنہ دیا کرتا تھا کہ تم ولی ہو گئے ہو اور اپنے باپ کو کہتا تھا کہ ان کے دماغ میں کچھ خلل آگیا ہے اور اپنے کو بیاہا اور جوان سمجھ کر اطاعت قبول نہ کرتا تھا بھائیوں میں جو طول و طویل گفتگو ہوتی ہے وہ بڑی معقول ہے اور اُس کو خوب نبھایا ہے اور بڑے بھائی نے جن چند اشعار فارسی سے اپنے کلام کو نمک مرچ لگایا ہے وہ برجستہ اور دلچسپ ہیں اُس کی ماں نے بھی اُسے سمجھایا تھا کہ اپنے باپ کے پاس جا لیکن اُس نے کچھ نہ سنا اس عرصے میں اُس کے باپ نے ایک لمبا چوڑا خط اُسکو بھیجا اور اُس میں وہ فرائض مندرج کئے جو بزرگ خاندان پر واجب ہیں اور خاندان کی صلاح کی نسبت بھی اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

فصل ہشتم۔ نعیمہ ایسی روٹھی کہ کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے پاس تک کسی کو آنے نہ دیا بلکہ بچے کی بھی شام تک خبر نہ لی شام کو صالحہ آئی اور ماں بیٹیوں کے حال سے ایسی انجان بن گئی کہ گویا کچھ خبر ہی نہیں اور بتدریج نعیمہ کے غصے کو فرو کر کے اُس سے ایسی باتیں کرنا شروع کیں کہ خود بخود اُس نے سارا حال اپنے منہ سے کہہ دیا پھر تو نعیمہ ایسی راہ پر آئیں کہ کھانا بھی کھایا اور بچے کو دودھ بھی پلایا اُس کے بعد پھر وہی گفتگو شروع ہوئی نعیمہ کی ضد سے جی گھبراتا ہے۔ صبح اُٹھ کر صالحہ نے چند روز کے واسطے نعیمہ کو اپنے گھر لیجانے کی اجازت چاہی ابھی وہ اپنی خالہ سے یہ باتیں کر رہی تھی کہ نعیمہ اس خیال سے کہ شاید اجازت نہ ملے گھر سے باہر چلی گئی۔ اس باب میں ہندوستانی عورتوں کے عادات و خیالات کو خوب ہُو بہُو بیان کیا ہے اُس نیک نہاد خالہ زاد بہن کا شفقت سے اصرار اور غرور اور بدمزاجی سے اِس بہن کی ہٹ یہ دونوں ضدیں اچھی طرح بیان کی ہیں اور چند حالات جو ذکر کئے گئے ہیں اُن سے ہندوستانیوں کے اوضاع و اطوار زیادہ تر روشن ہوتے ہیں۔

فصل نہم۔ اس باب میں آگے کلیم کا ذکر ہے یہاں تو صالحہ سے گفتگو ہو رہی تھی کلیم نے میدان خالی پاکر چپکے سے بازار کی راہ لی نصوح نے دوسرے روز مطلع ہو کر اُس کے شب باشی کے مکان اور حالات کی تفتیش کی تو آثار فضولی اور عیش کے نظر آئے اور فحش آمیز کتابیں اور تصویریں جو وہاں رکھی تھیں اُن سے اُس کا میلان خاطر خرافات کی طرف پایا گیا اس مصنف کے ہمعصر پڑھ لکھ کر نکمے نکلے کہ ان کتابوں میں نام فسانۂ عجائب۔ گل بکاؤلی۔ بہار دانش۔ آرائش محفل وغیرہ اور چند نامی شاعروں کے دیوان کا بھی ہے جن کا خلاف تہذیب ہونا پوشیدہ نہیں ہے چنانچہ نصوح اور اُس کے چھوٹے بیٹوں نے اِس مزخرفات کو آگ میں جلا دیا اور اپنی زوجہ کو سمجھانے میں نصوح نے جو ممالک مشرقی یعنی فارس و ہندو غیرہ شاعروں کی دنارت طبع ظاہر کی ہے وہ خوب برجستہ تقریر ہے۔

فصل دہم۔ گھر سے نکلنے کے وقت کلیم کا ارادہ ایک دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ رہنے کا تھا جس کو اُس نے متمول اور اچھے گھرانے کا سمجھا تھا مگر وہ شخص ان باتوں میں محض وہم باندھ نکلا بڑی مہمانداری اس کی یہ تھی کہ ایک مٹھی بھر چبینا حاضر کیا اور بچھانے کو ایک دری عاریت دی

اور ایک مسجد جو خالی پڑی ہوئی تھی رات کے سونے کو بتا دی اور صبح ہوتے ہی آپ غائب ہو گیا اور
پولیس والوں نے دری کی چوری لگا کر کلیم کو گرفتار کیا کوتوال اُس کے خاندان کا دوست تھا اُسے
پولیس کی حراست میں اُس کے باپ کے پاس بھیج دیا اور وہاں اُس کی رہائی ہو گئی۔ نصوح نے اسکی
نا فرمانی پر ایک نصیحت سنائی مگر بیٹے نے پھر بھی اطاعت میں رہنے سے اِنکار کیا اس کے بعد کلیم اپنے
گھرانے کے ایک قرابتی فطرت نامی سے ملا جس کی نصوح سے اَن بن رہتی تھی اور اُس کے گھر
گیا یہاں آن کر اُس کو معلوم ہوا کہ میری کتابیں جلا دی گئی ہیں تب اُسی دوست کی صلاح سے
انتقام لینے کے لئے اس نے باپ کا ایک گاؤں جو اتفاقاً اس کے نام سے درج رجسٹر تھا اُس اپنے
دوست فطرت کے ہاتھ ہزار روپے پر بیچ کر دیا اور روپیہ لے کر طلبیار باشی میں اُڑا اُڑا دو مہینے
گزرے تھے کہ قرضے کی علت میں گرفتار ہوا جیل خانے میں گیا وہاں اُسنے اپنے باپ کو ایک خط
توبہ آمیز لکھا اور امداد چاہی باپ نے سات سو روپے قرضہ ادا کرنے کے لئے بھیجا کلیم نے اس میں سے
دو سو روپے بچا کر باپ سے بے ملاقات کئے دولت آباد کی راہ لی۔

فصل یازدھم۔ مصنف نے لکھا ہے کہ یہ شہر چھوٹا لکھنؤ ہے اور لوگ مثل فری میسنوں کے رہتے ہیں
اور وہاں جانے سے اُس نے یہ چاہا تھا کہ اپنی شاعری کی لیاقت سے دربار میں رسائی پیدا کروں گا
مگر اتفاق ایسا ہوا کہ اُسی زمانے میں صاحب پولٹیکل ایجنٹ نے انتظام کمیٹی کے سپرد کر دیا تھا اور
بجائے ایک نادان رئیس کے جو غزلوں اور قصیدوں سے دم میں آجاتا تھا۔ کلیم نے دیکھا کہ دربار
میں مولوی بھرے ہوئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم شاعروں کو نہیں چاہتے ہم کو کام کے آدمی
چاہئیں جو مال گذاری کی تحصیل کے وقت اِن لڑاکو ٹھاکروں سے لڑائی بھڑائی کو خیال میں نہ
لادیں سو اہل قلم میں تو اُس کی کچھ پیش نہ گئی مگر کچھ عرصے کے بعد پولیس میں نوکری ہو گئی کلیم نے اپنی
خوش نصیبی اور یاوری طالع کے خطوط اُسی وقت دلی روانہ کئے لیکن ٹھاکروں کے ساتھ پہلی ہی
لڑائی میں زخمی ہوا اور ایک ٹانگ کھو کر آخر اپنے باپ کے پاس دلی میں بھیج دیا گیا تب
اُس کی بہن نعیمہ کے گھر اُسے لے گئے جس کا ذکر اب اِس قصے میں لکھا جاتا ہے نعیمہ کا اپنی خالہ
کے گھر جا کر اصلاح پر آنا اور اپنے گھر میں آکر میل جول کرنا اور خوش و خرم اپنے شوہر کے گھر جانا
بیان کیا گیا ہے

نعیمہ نے کلیم کو اپنے گھر رکھا لیکن کلیم اپنے باپ نصوح سے مصالحت کے بعد اُن زخموں سے مر گیا۔ آخر میں یہ مضمون آکھڑا آکھڑا ہے۔ باپ بیٹے کی ملاقات میں کچھ اور زیادہ کہنا چاہیئے تھا۔ الحاصل ہماری دانست میں یہ کتاب لائق ہر طرح کی تعریف کے ہے۔ مولوی نذیر احمد پر ایسی کتاب کے لکھنے کے لئے آخر میں حسن کو اُس کے مُلک کے لوگ بغیر کسی نوع کی کراہیت دینی کے پڑھ کر خوش ہوں گے اور اُس کے ساتھ ہی اُن کو اس سے صاف ظاہر ہوگا کہ پستی آداب صحبت و اخلاق کا چارہ خود اُن کے ہی اختیار میں ہے اور مصنف نے جو ان دنوں کے شاعروں کی تحقیر لکھی ہے وہ اسی لائق ہیں اور اس قصے کی سنجیدگی کے مقابلے میں ایک نوع کا تفنن اور تفریح طبع اُس ظرافت سے حاصل ہوتی ہے جو ظاہر دار بیگ کی دم بازی اور دولت آباد کے مولویوں کے سامنے کلیم کے حیران اور بے دست و پا رہ جانے کے بیان میں ہے۔ جو نصیحتیں کہ صراحۃً یا ضمناً اس کتاب سے نکلتی ہیں وہ غالباً ہندوستانیوں کے لئے بڑی فائدہ مند ہوں گی اور خاص اُن میں سے یہ ہیں۔

۱۔ بے دینی کی خرابیاں۔

۲۔ لڑکوں کا ابتدائی عمر میں تعلیم پانا اور والدین کا نیک ہونا اچھے چال چلن کی بنیاد ہے۔

۳۔ عورتوں کی تعلیم کی ضرورت صالحہ کی نیکی اور نعیمہ کی جہل سے خوب ظاہر کیگئی ہے۔

۴۔ صحبت نیک اور کتب پسندیدہ کا نتیجہ نوعمر لڑکوں کی اوضاع کی درستی کے باب میں۔

۵۔ اخلاق کی نسبت صحبت بد کی قباحت اور معمولی کتب درسیہ فارسی کی مضرت۔

الغرض اس کتاب کی نسبت یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک شخص تعلیم یافتہ دہلی کی زبان کا ماہر کیونکر اپنی زبان کو فصاحت اور محاورے کے ساتھ نہ لکھے گا۔

کہیں قصد نمائش نہیں کیا گیا ہے اور نہ کہیں نشان علمیت کے اظہار کا پایا جاتا ہے اس مولوی کی عبارت سادگی کی صفت رکھتی ہے عربی اور فارسی الفاظ بول چال میں بلا تکلف مستعمل ہوئے ہیں نہ اسطور پر کہ بے محل معمے کے طور پر رکھ دیئے گئے ہوں اور ہندی الفاظ خانگی روزمرہ کے ایسے موقع موقع پر ہیں کہ ہندو اور مسلمان دونوں اُن پر مساوی ملکیت رکھتے ہیں اور ایسے الفاظ اس کتاب میں تھوڑے نہیں آئے ہیں جو دیسی زبان کی مروجہ لغات میں نہ ملیں۔ پس جو طالب علم جی لگا کر پڑھیگا اُس کو فائدۂ عظیم حاصل ہوگا اور اکثر مقامات میں قصہ بطور مکالمے کے ہے اور یہ ایک ایسا طریق بیان

کا ہی کہ ایک تو اُردو میں کمیاب ہی دوسرے اُس زبان کے طلبہ کے واسطے ایک بڑا فائدہ زبان
صاف و مسلسل کا بخشتا ہی ۔ محاورات ایسے ایسے ہیں جن سے غیر ملک کے لوگ آگاہ نہیں ۔لیکن
اُن سے دیسی زبان میں قوت و بلاغت پیدا ہوتی ہی مثلاً تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہی ۔کوئی اوپر
کوئی سویر ۔ تانت باجی راگ پایا ۔ جی بُرا کیا تھا ۔ بوٹیاں توڑ توڑ کر کھانا اور اسی طرح کے اور بہت
سے محاورے ہیں کہ جن کا لکھنا یہاں فضول ہی ۔ **میں اس کتاب کو مصنف کی مراۃ العروس**
اور بنات النعش سے افضل سمجھتا ہوں اس میں طرز عبارت اور قوت بیان کی خوبی اُن
دونوں کی بہ نسبت زیادہ ہی گو بعض اشخاص نصوح کی نصیحت کے منشا ، اور باب ہشتم کی طول گفتگو
کی نسبت جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اعتراض کریں لیکن خیال کرنا چاہیئے کہ یہ طریقہ اس ملک کے
مصنفوں کا ہی اور کسی وجہ سے دلیل قوت و زور کی کمی کی نہیں ہی کہیں کہیں میری دانست میں ایسا
مضمون ہی جو اہل یورپ کی نظر میں ضعیف معلوم ہوگا مثلاً جس مدعا میں ثبوت کی حاجت نہیں اُس میں
ثبوت پیش کرنا اور جس میں حاجت ہی اسکے لئے ایسی دلیل گزرانی جسکے
تسلیم کئے جانے میں کلام ہی لیکن یہ ایک ایسی خصوصیات ہندوستانیوں
کی ہی کہ ان ہی چند مقالات سے جو اس کتاب میں ہیں اصل حقیقت
اس بات کی ظاہر ہوتی ہی ۔
غرض یہ ایک ایسی کتاب ہی جس سے اُردو پڑھنے والوں کیا مسلمان
کیا ہندو اور کیا عیسائی سب کو فائدہ اور حظ حاصل ہوگا اور مجھکو یقین
ہی کہ ہندوستانی مولوی نذیر احمد کے نہ صرف اس لئے مشکور ہوں گے
کہ ان کے نقص اُس میں عموماً ظاہر کئے گئے ہیں بلکہ اس واسطے بھی کہ اُن
نقصوں کے رفع کرنے کا چارہ کار بھی بتا دیا گیا ہی ۔ میری رائے میں مصنف مستحق انعام اول درجے
یعنی ایک ہزار روپے کا ہی ۔

واضح ہو کہ اصل کتاب کے حاشیہ پر
عندالملاحظہ جناب صاحب ڈائرکٹر بہادر اور
جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے اپنے دست
خاص سے اکثر جگہ کچھ کچھ عبارت خط پنسل
سے لکھدی تھی چنانچہ مصنف نے چھپنے
سے پہلے کتاب پر نظر ثانی کرکے جہانتک
ممکن ہوا ایماء ارشاد کے مطابق کتاب
میں ترمیم کر دی ۔

من مقام نینی تال
۱۱ ستمبر ۱۸۷۳ع

ایم کیمپسن
ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ممالک مغربی و شمالی ۔

چٹھی نمبر ۲ - مورخہ ۱۷ جنوری ۱۸۷۴ء مقام الہ آباد

صاحب سکریٹری گورنمنٹ ممالک شمالی و مغربی کاتب +

صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم ممالک شمالی و مغربی مکتوب الیہ

دفعہ ۱ - حسب ارشاد نواب لفٹنٹ گورنر بہادر جواباً تحریر کیا جاتا ہی کہ آپکی چٹھی نمبر ۳ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۸۷۳ء مع کیفیت انگریزی توبۃ النصوح کتاب بزبان اردو تصنیف مولوی نذیر احمد موصول ہوئی۔

دفعہ ۲ - نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے اس کتاب کو نہایت شوق سے ملاحظہ کیا اور آپنے جو اسکے مضامین کی تصریح کمال تحسین اور صحت کے ساتھ کی اُس سے نواب ممدوح آپکے مشکور ہوئے۔

دفعہ ۳ - نواب لفٹنٹ گورنر بہادر بالاجمال اس کتاب کو ازبس پسند کرنے میں آپکے ساتھ متفق الرائے ہیں۔ البتہ بمقابلہ مراۃ العروس کمتر درجے کی ہی یعنی باعتبار بندش اور حالات کے اسمیں وہ بیساختگی نہیں ہو جو مراۃ العروس میں ہی اور چند اشخاص کا ذکر ایک مرتبہ کیا گیا ہی مگر پھر اُن پر نظر نہیں رکھی گئی مکالمے میں اور نصائح میں بہت طول ہی اور کہیں کہیں بیمحل بھی ہی مگر ساتھ ہی اُسکے یہ بات بھی ہی کہ کتاب کا مقصد اور زبان دونوں نہایت قابل تعریف ہیں واقع میں بیان کی قوت اور جودت اور عبارت کی سادگی اور بیساختگی اور محاورات کی مناسبت اور عمدگی جو اس کتاب میں ہی شاید اردو کی اور کسی کتاب میں نہو۔ اور بڑی صفت یہ ہی کہ ہندی فارسی عربی الفاظ کی آمیزش اُسی بے تکلفی کیساتھ ہی جو دلی کی زبان میں پائی جاتی ہی اور اس ساتھ ہی ضرب المثل باتیں اور خصوص روزمرہ کی گفتگو کے مستعمل فقرے اس کثرت سے ہیں کہ اُن کے سبب سے کتاب مذکور بہت ہی فائدہ مند معلوم ہوتی ہی اور ایک بات نہایت عمدہ یہ ہی کہ مسلمانوں کے خانگی حالات بھی اسمیں مشرح بیان کئے گئے ہیں جسکے سبب سے مثل مراۃ العروس کے اہالیان یورپ کیلئے بھی جو اسکا مطالعہ کریں موجب آگاہی اور واقفیت ہی۔

دفعہ ۴ - اگرچہ اصل مضمون اس کتاب کا حسب بیان آپ کے مذہبی باتوں سے علاقہ رکھتا ہی۔ لیکن مصنف نے شروع کتاب میں صاف اعتراف کیا ہی کہ مذہب سے علحدہ امور خانگی میں اخلاق کی تعلیم کرنا میری طاقت سے باہر ہی اور اس باب میں اُسنے اپنی رائے نہایت مستحکم عبارت میں ظاہر کی ہی۔ چنانچہ لکھا ہی کہ پہلے میرا ارادہ تھا کہ خانہ داری اور بود و باش باہمی کے واسطے نیکی اور خوش خلقی کا ضروری ہونا

بغیر تعلق مذہبی ثابت کروں لیکن جب لکھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ایسا قصد کرنا گویا روح کو قالب سے
شعاع کو آفتاب سے عرض کو جوہر سے۔ ناخن کو گوشت سے جدا کرنا ہی۔
سو اس بیان کے مطابق اس قصے سے یہ نصیحت نکلتی ہی کہ سرگرمی اور صدق دل سے عقائد مذہبی کی
پیروی کرنا ہی خانہ داری میں خوش حالی کی مستحکم بنا ہی اگرچہ اس میں شک نہیں کہ مصنف کے اس قاعدے
پر راویوں کا اختلاف واقع ہوگا مگر مشار الیہ نے حسن عقیدت اور خلوص نیت سے اپنے مطلب کو برعایت
مذہب اسلام ادا کیا ہی اُسکی نسبت کسی کو اشتباہ نہوگا۔ اول نظر میں جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کو
تردد ہوا تھا کہ بہ لحاظ شرائط مندرجہ اشتہار انعامات کے جسمیں بصراحت مذہبی کتابیں مستثنیٰ کی گئی ہیں یہ
کتاب اس اشتہار کے منشا میں داخل ہی یا نہیں لیکن جب جناب ممدوح نے کل کتاب بغور ملاحظہ فرمایا تو
اُن کو اس بات سے تسکین حاصل ہوئی کہ مصنف نے اپنے اس قصد کو کہ کوئی امر متعلق تعصب مذہب یا ایسا
غیر مذہب والونکو ناگوار ہو اُس میں داخل نہ ہونے پائے بہت خوبی کیساتھ پورا کیا ہی اور عموماً ایمان اور
عقائد مذہبی کے ضمن میں جو دقائق حقائق مندرج ہیں .... اُن کو اس قدر استحکام دیا ہی کہ جو نصیحتیں
اُسمیں بیان کی ہیں اُن سے استنباطاً غیر مذہب والے بھی بہ درجہ احسن مستفید ہو سکتے ہیں اس باب میں
جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آپ کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں کہ یہ کتاب نہ صرف اہل اسلام بلکہ ہنود اور
مسیحیوں کو بھی پسند خاطر ہوگی۔ اور آپ نے جو ذکر چھوٹی لڑکی کے مکالمے کا فہمیدہ کے ساتھ در باب
اُن امور کے لکھا ہی جن کا ادا کرنا خالق کی جناب میں اُسپر فرض تھا وہ بالکل مقتضائے طبعی اور رقت قلبی
سے بھرا ہوا ہی اور ممکن نہیں کہ کسی مذہب کا آدمی اُسکو پڑھے اور اُسکے دل پر اثر نہو۔

دفعہ ۵۔ اس صورت میں جناب سر ولیم میور صاحب کو اس امر کے تسلیم کرنے میں کچھ تامل نہوگا کہ اس کتاب
کا داخل منشائے اشتہار مذکور کرنا مناسب ہے۔ پس اُس کو داخل کر کے جناب ممدوح بخوشی تمام پورا انعام
ایک ہزار روپے کا عطا فرماتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ یہ کتاب اُردو زبان کے علم ادب میں ایک عمدہ
تصنیف ہی اور اہل اسلام کو بہت پسندیدہ ہوگی اور دیگر اقوام میں بھی بہت رواج پکڑیگی۔

دفعہ ۶۔ اخیر میں مطلع کیا جاتا ہی کہ آپ کی یادداشت کتاب مذکور کی بابت اور احکام گورنمنٹ جو اسپر
صادر ہوئے ہیں ممالک شمالی و مغربی کے گورنمنٹ گزٹ کے ضمیمے میں اور نیز گورنمنٹ کی تحریرات منتخبہ کی
جلد میں داخل کر کے مشتہر کئے جائیں گے فقط
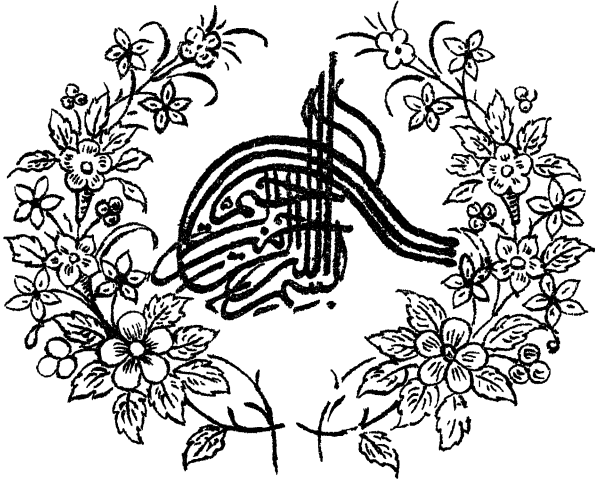
الٰہی خلعت[1] ہفت پارچہ حواس[2] خمسہ و عقل و روح سے سرفرازی دی ہی تو منصب ایمان داری بھی عطا کر کہ خطاب اشرف المخلوقات میری حالت کے مناسب ہو۔ خداوندا اپنے حبیب[3] کا امتی بنانے سے امتیاز بخشا ہی تو تقرب عبادت بھی نصیب کر کہ الطاف کریمانہ شفاعت اور عواطف خسروانہ رحمت کی مجھ کو قابلیت ہو۔ آدمی اگر اپنی حالت میں تامل صحیح[4] کرے تو اس سے زیادہ عاجز[5] و درماندہ[6] و مبتلا[7] کوئی مخلوق نہیں ہے

---

[1] اگلے زمانے میں بادشاہ کسی سے خوش ہوتے تو اسکو اپنا اتارن انعام دیتے۔ یہی ہی اصل خلعت اب اتارن کی قید نہیں رہی تھان و شالے کپڑے تھان خلعت میں دیے جاتے ہیں ہفت پارچہ سات کپڑے۔ سات کپڑوں کا خلعت بھاری اور معزز سمجھا جاتا ہی [2] دیکھنے سننے سونگھنے۔ چکھنے۔ چھونے کی پانچ قوتیں حواس خمسہ کہلاتی ہیں سرفرازی سربلندی۔ عزت۔ خدمت کے درجے کو منصب کہتے تھے اب تنخواہ بے خدمت کو منصب کہنے لگے ہیں بادشاہ جو کسی کا تعریفی نام رکھدے خطاب کہلاتا ہی۔ اشرف المخلوقات یعنی خدا نے جتنی چیزیں دنیا میں پیدا کی ہیں سب میں آدمی عمدہ اور معزز ہی یہ جملہ عائیہ ہی یعنی ای خدا تو نے پانچ حواس چھٹی عقل ساتویں روح کا خلعت ہفت پارچہ دیا ہی تو ایمان داری کا منصب بھی دے کہ میں جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہوں یہ خطاب مجھ کو پھبے ۱۲ [3] حبیب کے معنی دوست۔ یہاں حضرت پیغمبر صاحب مراد ہیں۔ امتیاز۔ عزت۔ تقرب نزدیکی۔ منفعت شفاعت یہ ہی کہ پیغمبر صاحب کی سفارش سے گناہ گاروں کے گناہ معاف ہونگے مطلب یہ ہی کہ اے خدا تو نے یہ خصوصیت تو عنایت کی کہ پیغمبر آخر الزمان کی امت میں پیدا کیا مگر اب ایسا ہو کہ تیری بندگی کر کے تجھ سے نزدیکی حاصل کروں تاکہ پیغمبر صاحب کی شفاعت اور تیری رحمت کا مستحق ہوں ۱۲ [4] فکر درست ۱۲ [5] تھکا ہوا عاجز ۱۲ [6] مصیبتوں میں پھنسا ہوا ۱۲

گرت چشم خدا بینی ببخشند ¹ — نہ بینی ہیچ کس عاجز تر از خویش

کلہم ساٹھ یا ستر برس تو باعث بار اوسط ² اُس کی میعاد حیات اور مدت قیام و ثبات ہی وہ بھی شروع سے آخر تک ہر لحظہ عرضہ ³ خطر ہر لمحہ ہدف ⁴ آفت۔ آدھی عمر تو وہ سونے اور کاہل اور بے کار پڑے رہنے میں ضائع کر دیتا ہی باقی بچے ۳۰ یا ۳۵ برس اسی میں اُس کی طفولیت ہی اور اسی میں اُس کی جوانی اور پیری کم سے کم دس برس طفلی اور درماندگی علالت و پیری کے بھی سمجھ لینے چاہئیں غرض ساری زندگی میں ۲۰ یا ۲۵ برس کام کاج کے دن ہیں۔ مگر کتنے کام۔ کتنی ضرورتیں۔ کسقدر بکھیڑے۔ کیسے جھگڑے۔ خدا کی پرستش مذہب کی تلاش۔ کسب کمال۔ فکر معاش۔ بزرگوں کی خدمت۔ اولاد کی تربیت۔ بیماروں کی عیادت۔ احباب کی زیارت۔ تقریبات کی شرکت۔ شہروں کی سیر۔ ملکوں کی سیاحت۔ مُردوں کا رونا۔ جدائی کا ماتم۔ مولود ⁵ کی خوشی۔ ملاقات کی فرحت۔ دفع مضرت ⁶۔ جلب ⁷ منفعت۔ گزشتہ ⁸ کا احتساب۔ آئندہ کا انتظام۔ مسرت بہبود۔ ہوس نام و نمود۔ تاسف نقصان۔ حسرت زیان۔ تلافی مافات ⁹۔ پیش بینی ¹⁰ مستقبلات۔ دوستوں سے ارتباط۔ دشمنوں سے احتیاط۔ آبرو کا حفظ ¹¹۔ ناموس کا پاس۔ ناک کی نگہداشت۔ محاصل کا احراز ¹²۔

زندگی ہی یا کوئی طوفان ہی ¹³ — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

اس ضیق ¹⁴ فرصت پر کاموں کا اتنا ہجوم یعنی فراغ دل مفقود ¹⁵۔ اطمینان خاطر معدوم

فکر معاش و ذکر خدا یاد رفتگاں — دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

---

¹ اگر تجھ کو ایسی آنکھیں دی جائیں کہ خدا نظر آنے لگے تو تو جانے کہ تو ہی سب سے زیادہ عاجز ہی ۱۲ ² بیچ کے راس کی یعنی مثلاً کسی کی ستر کی کسی کی پچاس کی کسی کی چھیاسٹھ تو اوسط ہوا ساٹھ ۱۲ ³ عرضہ اور ہدف مرادف یعنی ہم معنی ہیں نشانہ عرضہ خطر یعنی خوف کے تیروں کا نشانہ ۱۲ ⁵ مولود یعنی کسی کے پیدا ہونے کی ۱۲ ⁶ نقصان کا دور کرنا ۱۲ ⁷ فائدے کا کھینچنا کر جانے نہ پائے ۱۲ ⁸ یعنی عمر جو گزر گئی ہی اُس کا حساب کہ کاہے میں صرف ہوئی ۱۲ ⁹ جو چیز فوت ہو گئی مثلاً نماز اسکا معاوضہ ¹⁰ جو اتفاقات پیش آنے والے ہیں اُن کو پہلے سے دیکھ لینا ۱۲ ¹¹ حفاظت ۱۲ ¹² لفظی معنی گھیرنا کہ کہیں نکل نہ جائے ۱۲ ¹³ خواجہ میر درد کی مشہور غزل کا شعر ہی یعنی زندگی ہی یا آفت ہی ہم کو تو اس زندگی نے گویا مار ڈالا ۱۲ ¹⁴ تنگی ۱۲ ¹⁵ گم۔ ندارد ۱۲

ایک عقل اور دنیا بھر کی ذمہ داری سچ کہا ہی مصرع۔ یک[1] عشق و ہزار گونہ خواری۔
اِنَّا عَرَضْنَا[2] الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ اس کتاب میں انسان کے اُس فرض کا مذکور ہی جو تربیت اولاد کے نام سے مشہور ہی اس کتاب کے تصنیف کرنے سے مقصود اصلی یہ ہی کہ اس فرض کے بارے میں جو غلط فہمی عموماً عام لوگوں سے واقع ہو رہی ہی اُس کی اصلاح ہو اور اُن کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ تربیت اولاد صرف اسی کا نام نہیں ہی کہ پال پوس کر اولاد کو بڑا کر دیا روٹی کما کھانے کا کوئی ہنر اُن کو سکھا دیا اُنہ کا بیاہ برات کر دیا بلکہ اُن کے اخلاق کی تہذیب اُن کے مزاج کی اصلاح۔ اُن کی عادات کی درستی اُن کے خیالات اور معتقدات کی تصحیح بھی ماں باپ پر فرض ہی۔ افسوس ہی کہ کتنے لوگ اس فرض سے غافل ہیں۔ کوئی شخص تربیت اولاد کے فرض کو پورا پورا ادا نہیں کر سکتا تا وقتیکہ وہ خود اپنی شایستگی کا نمونہ اُن کو نہیں دکھاتا اور اولاد کے ساتھ اپنا برتاؤ محتسبانہ[3] طور کا نہیں رکھتا۔ پرلے سرے کی بیوقوفی ہی اولاد کو اپنی کردار ناسزا کی بُری مثالیں دکھانا اور اُن سے یہ توقع رکھنا کہ یہ لوگ بڑے ہو کر زبانی پند یا کتابی نصیحت پر کاربند ہو کر صالح اور نیک وضع ہوں گے۔ بہت لوگ اولاد کے ساتھ غایت درجے کی شیفتگی[4] پیدا کر لیتے ہیں اور بمصداق حُبُّكَ[5] الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ[6] اُن کو اولاد کے عیوب پر آگہی نہیں ہوتی اور ہوتی بھی ہی تو عیب کو عیب سمجھ کر نہیں بمقتضاے عمر یا نتیجۂ ذہانت یا دوسرے طور پر اُس کی تاویل کر کے ان کی خرابیوں سے درگزر اور چشم پوشی کیا کرتے ہیں۔ اس کتاب میں یہ خاص اہتمام کیا گیا ہی کہ اس طرح کی غلطیوں پر لوگوں کو تنبیہ[7] ہو۔ یہ کتاب لوگوں کو اس بات کا اچھی طرح یقین کرائے گی کہ تربیت اولاد ایک فرض موقت ہے

---

[1] ایک عشق اور ہزاروں طرح کی ذلت ۱۲ [2] ہم نے امانت یعنی عقل کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو سب نے اس کے لینے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اُس کو لے لیا سنے تھکر۔ اُس نے اپنے اوپر بڑا ہی ظلم کیا اور بڑا ہی نادان تھا ۱۲ [3] محتسب اُس کو کہتے ہیں جو لوگوں کے قول و فعل کی نگرانی کرے مسلمان بادشاہوں کے عہد میں محتسب ایک سرکاری خدمت تھی ۱۲ [4] بیقراری کی محبت ۱۲ [5] کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا کر دیتی ہی بمصداق کے یہ معنی کہ عربی کی کہاوت کے مطابق ۱۲ [7] آگہی ۱۲

یعنی لڑکے جب تک کم سن اور صغیر ہیں تربیت پذیر ہیں اور بڑے ہوئے پیچھے اُن کی اصلاح مشکل یا متعذر بلکہ محال ہو جاتی ہی۔ ارادہ یہی تھا کہ بلا تخصیص مذہب تلقین[۱] حسن معاشرت اور تعلیم نیک کرداری و اخلاق کی ضرورت لوگوں پر ثابت کی جائے لیکن نیکی کو مذہب سے جدا کرنا ایسا ہی جیسے کوئی شخص روح کو جسد[۲] سے یا بو کو گل سے یا نور کو آفتاب سے یا عرض[۳] کو جوہر سے یا ناخن کو گوشت سے علیحدہ اور منفک[۴] کرنے کا قصد کرے۔ ادھر تو انضمام مذہب ایک امر ناگزیر[۵] اور اُدھر اختلاف مذہب جو اس ملک میں اس کثرت سے پھیلا ہوا ہی کہ گویا ہر کوڑی[۶] آدمی ایک جدا مذہب رکھتے ہیں آنکھیں دکھا رہا ہی۔ لوگوں میں بھی اس بلا کا تعصب آگیا ہی کہ کیسی ہی اچھی بات کیوں نہ کہی جائے دوسرے مذہب والے اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جَعَلُوٓا[۷] اَصَابِعَهُمْ فِیٓ اٰذَانِهِمْ مضمون جس کو میں نے ایک فرضی قصے اور بات چیت کے طرز پر لکھا ہی مذہبی پیرائے سے تو خالی نہیں اور خالی ہونا ممکن نہ تھا لیکن تمام کتاب میں کوئی بات ایسی بھی نہیں ہی جو دوسرے مذہب والوں کی دل شکنی یا نفرت کا موجب ہو بلکہ جہاں جہاں ضرورۃً مذہبی تذکرہ آگیا ہی وہ ایسے طور کا ہی کہ دوسرے مذہب والے بھی اُس طرح کے عقیدے رکھتے ہیں صرف اصطلاح[۸] و عبارت کا تفرقہ ہی لا مشاحۃ[۹] فی الاصطلاح۔ مثلاً مسلمانوں کی نماز وہی ہندوؤں کی پوجا پاٹھ ہی۔ مسلمانوں کا روزہ ہندوؤں کا برت مسلمانوں کی زکوٰۃ ہندوؤں کا دان پُن وقس علیٰ ہذا[۱۰]۔ پس یہ قصہ اگرچہ ایک مسلمان خاندان کا ہی مگر بتغیر الفاظ[۱۱] ہندو خاندان بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ خاندان جو فرض کیا گیا ہی اُس میں

---

۱ لوگوں کے ساتھ اچھی طرح مل جل کر رہنے کی تعلیم ۱۲ ۲ بدن ۱۲ ۳ جو چیز اپنی ذات سے قائم ہو جوہر ہی جیسے کپڑا جوہر کے مقابل عرض ہی جیسے کپڑے کا رنگ ۱۲ ۴ جدا ۱۲ ۵ ضروری۔ لابد ۱۲ ۶ جس طرح بارہ کا ایک درجن بیس کی ایک کوڑی ۱۲ ۷ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں ۱۲ ۸ ایک لفظ کے جو ایک معنی ٹھہرا لیے جائیں اصطلاحی معنی کہلائیں گے جیسے ضرب کے معنی مارنا لیکن علم حساب میں ایک عدد کو دوسرے عدد کی قدر گن کر جوڑ لینا مثلاً دو کو پانچ دفعہ گن کر جوڑ لینے سے دس حاصل ہوئے اس کو کہتے ہیں دو کو پانچ میں ضرب دینا ۱۲ ۹ اصطلاح ٹھہرا لینے کا ہر ایک کو اختیار ہی پس اس میں کسی کو کیوں عذر ہونے لگا ۱۲ ۱۰ اسی پر اور چیزوں کو بھی قیاس کر لو ۱۲ ۱۱ لفظوں کے بدل دینے سے ۱۲

دو میاں بی بی ہیں۔ تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی تو پکی عمر کے ہیں اور بیاہے جا چکے ہیں اور لاجرم[1] اُن کی عادتیں راسخ[2]۔ ان کی خصلتیں کالطبیعۃ[3] ہیں۔ منجھلا بیٹا اگرچہ عمر اس کی بھی کم نہیں لیکن اُس نے مدرسے میں تعلیم پائی ہے اور وہ صرف صرفِ[4] توجہ کا محتاج ہے جیسے گھوڑا کہ بے راہ چلا جا رہا ہے اُس میں رفتار پیدا کرنے کی ضرورت نہیں باگ کا موڑ دینا کافی ہے۔ منجھلی لڑکی کم سن ہے وہ عمر کے اُس درجے میں ہے جب بچوں کی قوت تفتیش[5] و تلاش تیز اور نقل کرنے کی اُمنگ بر سر ترقی ہوتی ہے۔ وہ بھولے پن سے اس طرح کے سوالات کرتی اور سادہ دلی سے ایسی ایسی باتیں پوچھتی ہے کہ ماں قائل ہو ہو جاتی ہے جس طرح پر اس خاندان کے لوگ زندگی کرتے ہوئے فرض کئے گئے ہیں وہ ایک سچا بلا تصنع[6] نمونہ ہے اس زمانے کے ہر ایک خاندان مدعی[7] شرافت کے طرز ماند و بود[8] کا ایسا فرض کیا گیا ہے کہ رئیس البیت یعنی خاندان کا سرگروہ جس کا نام **نصوح** ہے ایک وبائی ہیضے میں مبتلا ہوا اور اُس کی حالت ردی[9] اس قدر ہوتی گئی کہ اُس کو اپنے مرنے کا تیقن کرنا پڑا اور چونکہ اُسی وبا میں چند روز پہلے اُسی گھر کے تین آدمی مر چکے تھے اور شہر میں موت کی گرم بازاری تھی تو ایسی حالت میں نصوح کا اپنی نسبت موت کا تیقن ایک معمولی بلکہ ضروری بات ہے۔ نصوح کو ڈاکٹر نے جو اُس کا معالج تھا خواب آور[10] دوا دی تھی وہ سو گیا اور اُس کے اگلے پچھلے خیالات ایک خواب بن کر اُس کے سامنے آ موجود ہوئے خواب جو نصوح نے دیکھا تمام قصے کی جان ہے حشر[11] اور اعمال نامہ اور حساب قبر کی تکلیف اور دوزخ کا عذاب یعنی قیامت کے حالات جن کا اپنے مذہب اسلام کے مطابق معتقد تھا خواب میں اُس کو واقعات نفس الامری[12] دکھائی دیئے۔ جاگا تو خائف[13] و ہراساں۔ بیدار ہوا تو ترساں و لرزاں خوف کا نتیجہ اور ہراس کا اثر جو نصوح پر مترتب ہوا قصے کے پڑھنے سے ظاہر ہوگا۔ اُس نے نہ صرف اپنے نفس کی اصلاح کی بلکہ سارے خاندان کی اصلاح کو اپنے ذمے فرض و واجب سمجھا چونکہ

---

[1] ضرور۔ البتہ ۱۲ [2] پکی جمی ہوئی ۱۲ [3] بے اختیاری باتوں کی طرح جیسے سوانس لینا ۱۲ [4] توجہ سے پھیر دینے ۱۲ [5] پوچھنے اور دریافت کرنے ۱۲ [6] بے بناوٹ ۱۲ [7] شرافت کا دعوے دار ۱۲ [8] رہنے سہنے ۱۲ [9] خراب ۱۲ [10] نیند لانیوالی ۱۲ [11] لوگوں کا مرے پیچھے زندہ کیا جانا تاکہ جو کچھ دنیا میں کر گئے ہیں خدا کو اسکا حساب دیں ۱۲ [12] یعنی ایسی باتیں جو سچ مچ ہو رہی ہیں ۱۲ [13] خوف زدہ ۱۲

خاندان کے چھوٹے بڑے سب اس طرز جدید سے نا آشنا تھے لِنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ[1] نصوح کے مقابلے پر کمربستہ ہوگئے اور اُس کو بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں لیکن چونکہ نصوح کے ارادے میں استحکام[2] اور اُس کے دل کو خدا کا بھروسا تھا وہ غالب آیا مگر مشکل سے۔ اُس کو ظفر[3] ہوا مگر دشواری سے کیونکہ اولاد میں جو جتنا عمر رسیدہ تھا اسی قدر عَسِیْرُ الْاِنْقِیَاد[4] تھا۔ تربیتِ اولاد جس پر یہ کتاب لکھی گئی ہی ایک شعبہ[5] ہی اس عام انسانی ہمدردی اور نفع رسانی کا جو ہر فرد بشر پر اس کی استطاعت[6] کے قدر واجب ہی اس خصوص میں جتنی غفلت اور بے پروائی ہمارے ہموطنوں سے ہوتی ہی اصلی باعث اس ملک کے تنزل کا ہی لوگ مضمون ہمدردی سے اس قدر ناواقف ہیں کہ اس خصوص میں اُن کو بچوں کی طرح تعلیم کی حاجت ہی یہ کتاب اِس تعلیم کی ابجد[7] ہی کیونکہ اگر اولاد اور خاندان کی اصلاح انسان کے ذمے واجب ہی تو ضرور ان لوگوں کی اصلاح کا بھی وہ ذمہ دار ہی جو متعلق خدمت اُس کی نگرانی اور حکومت میں ہیں پھر خدم[8] و عبید[9] کے بعد اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ[10] کے لحاظ سے ہمسائے پھر اہل محلہ پھر اہل شہر پھر ہموطن اور ہم ملک پھر مطلق ابنائے جنس[11] ؎

بنی آدم[12] اعضائے یکدیگر اند　　　کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

غرض ہمدردی کا ایک بڑا وسیع مضمون ہی مگر بالفعل اُس کے ابتدائی اور ضروری حصے سے آغاز کیا گیا ہی وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ[13] نذیر احمد وَفَّقَہُ اللّٰہُ[14] التَّزَوَّدُ لِغَدٍ۔

۱؎ سب کے سب ایسے مل گئے کہ گویا ایک ہی شخص ہیں ۱۲ ۲؎ مضبوطی ۱۲ ۳؎ فتح ۱۲ ۴؎ مشکل سے دبنے والا ۱۲ ۵؎ شاخ ۱۲ ۶؎ طاقت مقدور ۱۲ ۷؎ الف بے تے ۱۲ ۸؎ خادم کی جمع۔ خدمت گار ۱۲ ۹؎ عبد کی جمع غلام یہ لفظ مسلمانوں کے خیال کے مطابق آگیا ہی ورنہ انگریزی عملداری میں غلاموں کا بیج مارا گیا کوئی کسی کو غلام بنائے تو سرکار کا گنہگار ٹھہرایا جائے ۱۲ ۱۰؎ پہلے قریب ترین پھر قریب تر پھر قریب یعنی قرابت داروں میں بھی ترتیب ہی جس کا رشتہ زیادہ پاس کا ہی اُس کا حق بھی زیادہ ہی ۱۲ ۱۱؎ لفظی معنی اپنی جنس کے بیٹے یعنی مطلق انسان کسی ملک کسی مذہب کسی رنگ کے ہوں ۱۲ ۱۲؎ آدم کے بیٹے یعنی سارے جہان کے آدمی ایک بدن کے جوڑ بند ہیں کیونکہ سب کی پیدائش ایک ہی اصل سے ہی ۱۲ ۱۳؎ اللہ توفیق کا مالک ہی یعنی توفیق کا دینا اسی کے اختیار میں ہی ۱۲ ۱۴؎ خدا اُس کو ایسی توفیق دے کہ فردائے قیامت کے لئے کچھ زاد راہ جمع کرے ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک برس دلی میں ہیضے کی بڑی سخت وبا آئی نصوح نے ہیضہ کیا اور سمجھا کہ مرا چاہتا ہی یاس[1] کے عالم میں اسکو مواخذۂ عاقبت[2] کا تصور بندھا[4] اگر[3] اس کو خواب آور دوا دی تھی سوگیا تو وہی تصور اسکو خواب میں وحشت[3] بنکر نظر آیا۔

اب سے دورا ایک سال دلی میں ہیضے کا آنا زور رہا کہ ایک حکیم بقا[5] کے کوچے سے ہر روز تیس[۳۰] تیس چالیس[۴۰] چالیس آدمی چھیجنے[6] لگے ایک بازار موت تو البتہ گرم[7] تھا ورنہ جدھر جاؤ سناٹا اور ویرانی۔ جس طرف نگاہ کرو وحشت و پریشانی۔ جن بازاروں میں آدھی آدھی رات تک کھوے[8] سے کھوا چھلتا تھا ایسے اُجڑے پڑے تھے کہ دن دوپہر جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ کٹوروں کی جھنکار[9] موقوف۔ سودے والوں کی

سلہ ناامیدی ۱۲ سلہ آخرت یعنی روز قیامت کی پکڑ اور بازپرس ۱۲ سلہ ڈراؤنا خواب ۱۲ سلہ یہ دعائیہ ہے یعنی خدا کرے کہ پھر نہ آئے ۱۲ شہ دلی میں قاضی کے حوض کے پاس اب بھی حکیم بقا کا کوچہ موجود ہے اس میں حکیم بقاء اللہ خاں کے پوتے پڑوتے رہتے اور مطب کرتے ہیں ۱۲ ستہ گھٹنے کم ہونے ۱۲ شہ بازار میں رونق اور چہل پہل ہونے کو بازار کا گرم ہونا کہتے ہیں ۱۲ شہ کھوے سے کھوا چھلنا بھیڑ کی دلیل ہے ۱۲ شہ کٹوروں کے بجنے کی آواز دلی میں سقے کٹورے بجاتے ہوئے پانی پلاتے پھرتے ہیں ۱۲

پکار بند۔ ملنا جلنا۔ اختلاط[1] و ملاقات۔ آمد و شد[2]۔ بیمار پرسی و عیادت[3]۔ بازدید و زیارت[4][5]۔ مہمان نوازی و ضیافت[6]۔ کل رسمیں لوگوں نے اٹھا دیں۔ ہر شخص اپنی حالت میں مبتلا۔ مصیبت میں گرفتار زندگی سے مایوس[7] کہنے کو زندہ پر مُردے سے بدتر۔ نہ دل میں ہمت۔ نہ ہاتھ پاؤں میں سکت[8]۔ یا تو گھر میں اٹوائی[9] کھٹوائی لے کر پڑ رہا یا کسی بیمار کی تیمارداری[10] کی یا کسی عزیز آشنا کا مرنا یاد کر کے پچھوڑ دیپٹ لیا۔ مرگ مفاجات[11] حقیقت میں اُن ہی دنوں کی موت تھی نہ نشان نہ گمان اچھے خاصے چلتے پھرتے یکایک طبیعت نے ماش[12] کی پہلی ہی کلی[13] میں حواس[14] خمسہ مختل ہو گئے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ[15] کوئی جزئی[16] بچ گیا تو بچ گیا ورنہ جی کا متلانا اور قضائے[17] مبرم کا آجانا۔ پھر وصیت[18] کرنے تک کی مہلت نہ تھی ایک یا دو گھنٹے میں تو بیماری دوا دعا جان کنی اور مرنا سب کچھ ہو چکتا تھا غرض کچھ اس طرح کی عالمگیر[19] وبا تھی کہ گھر گھر اس کا رونا پڑا تھا۔ دو پونے دو مہینے کے قریب وہ آفت شہر میں رہی مگر اتنے ہی دنوں میں شہر کچھ ادھیا سا[20] گیا صدہا عورتیں بیوہ ہو گئیں ہزاروں بچے یتیم بن گئے۔ جس سے پوچھو شکایت جس سے سنو فریاد مگر ایک نصوح جس کا قصہ ہم اس کتاب میں لکھنے والے ہیں کہ عالم شاکی تھا اور وہ اکیلا شکرگزار دنیا فریادی تھی اور وہ تنہا مداح نہ اس سبب سے کہ اس کو اس آفت سے گزند نہیں پہنچا خود اس کے گھر میں بھی اکٹھے تین آدمی اسی وبا میں تلف ہوئے۔ اچھی خاصی طرح گھر بھر رات کو سو کر اٹھے نصوح نماز صبح کی نیت باندھ چکا تھا باپ بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ مسواک کرتے کرتے ابکائی آئی ابھی نصوح دوگانہ[21] فرض

---

[1] ملنا ۱۲ [2] آنا جانا ۱۲ [3] عیادت اور بیمار پرسی ہم معنی ہیں ۱۲ [4] و [5] اگر زید خالد سے ملنے جائے تو عرب کے محاورے میں کہتے ہیں کہ زید نے خالد کی زیارت کی پھر خالد زید سے ملنے آئے تو خالد کا آنا بازدید ہے ۱۲ [6] دعوت ۱۲ [7] ناامید ۱۲ [8] قوت۔ طاقت ۱۲ [9] مونھ لپیٹ کر ۱۲ [10] علاج۔ دوا۔ درمن ۱۲ [11] ناگہانی موت ۱۲ [12] متلی ۱۲ [13] مراد ہر ایک دفعہ جو منہ بھر کرتے ہو ایک کلی علم منطق میں ہوتی ہے۔ جنس۔ نوع۔ فصل۔ عرض عام۔ خاصہ جن کو کلیات خمسہ کہتے ہیں۔ کلی کے مقابل جزئی ہے جیسے انسان نوع کلی ہے اور ایک خاص آدمی مثلاً زید جزئی۔ پس کلی اور خمسہ اور جزئی کے الفاظ میں ایک لطف خاص ہے گویا منطق کا ضلع جو گیا ۱۲ [14] اس کی صراحت دیباچے میں ہو چکی ہے ۱۲ [15] مگر جس کو خدا نے چاہا ۱۲ [16] فرد خاص ۱۲ [17] جو قضا کسی تدبیر سے ٹالے نہ ٹلے ۱۲ [18] مردہ جو کہہ مرے ۱۲ [19] عام۔ سارے جہان میں پھیلی ہوئی ۱۲ [20] آدھا سا رہ گیا ۱۲ [21] دو رکعت ۱۲

ادا[1] نہیں کر چکا تھا سلام پھیر کر دیکھتا ہے کہ باپ نے قضا[2] کی آن کو مٹی دے کر آیا تو رشتے کی ایک خالہ تھیں اُنکو جان بحق[3] پایا تیسرے دن گھر کی ماما رخصت ہوئیں مگر نصوح کی شکر گزاری کا کچھ اور ہی سبب تھا اس کا مقولہ[4] یہ تھا کہ ان دنوں لوگوں کی طبیعتیں بہت کچھ راستی پر آ گئی تھیں دلوں میں رقت[5] و انکسار کی وہ کیفیت تھی کہ عمر بھر کی ریاضت[6] سے پیدا ہونی دشوار ہے۔ غفلت کو ایسا کاری تازیانہ[7] لگا تھا کہ ہر شخص اپنے فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں سرگرم تھا۔ جن لوگوں نے رمضان میں بھی نماز نہیں پڑھی تھی وہ بھی پانچوں وقت سب سے پہلے مسجد میں آموجود ہوتے تھے جنھوں نے بھول کر بھی سجدہ نہیں کیا تھا ان کے اشراق[8] و تہجد[9] تک قضا نہیں ہونے پاتے تھے۔ دنیا کی بے ثباتی تعلقات زندگی کی ناپائداری سب کے دل پر منقش تھی۔ لوگوں کے سینے صلح کاری کے نور سے معمور تھے۔ غرض ان دنوں کی زندگی اُس پاکیزہ اور مقدس اور بے لوث[10] زندگی کا نمونہ تھی جو مذہب تعلیم کرتا ہے۔ نصوح یونہی دل کا کچا تھا جب اس نے اوّل اوّل تنانوے[11] کی گرم بازاری سُنی سرد[12] ہو گیا اور رنگت زرد پڑ گئی۔ باسباب ظاہر جو تدبیریں انسداد[13] کی تھیں سب کیں۔ مکان میں نئی قلعی پھروا دی۔ پاس پڑوس والوں کو صفائی کی تاکید کی۔ گھر کے کونوں میں لوبان کی دھونی دے دی۔ طاقوں میں کافور رکھوا دیا۔ جا بجا کو ٹلہ ڈلوا دیا۔ باورچی سے کہہ دیا کہ کھانے میں نمک ذرا تیز رہا کرے۔ پیاز اور سرکہ دونوں وقت دسترخوان پر آیا کرے۔ گلاب۔ ناریل دریائی[14]۔ جدوار۔ ثمر ہندی[15]۔ سکنجبین وغیرہ جو دوائیں یونانی طبیب اس مرض میں استعمال کراتے ہیں تھوڑی تھوڑی سب بہم پہنچا لیں تاکہ خدانخواستہ ضرورت کے وقت کوئی چیز ڈھونڈنی نہ پڑے۔ نصوح نے یہاں تک اہتمام کیا کہ انگریزی دوائیاں بھی فراہم کیں۔ کالرا پل کی گولیاں تو وہیں کوتوالی سے لے لیں۔ کالرا ٹنکچر الہ آباد میڈیکل ہال سے روپیہ بھیجکر منگوا رکھا۔ آگرے سے ایک دوست کی معرفت کلورو ڈائن کی دو شیشیاں خرید لیں۔ ایک اخبار میں لکھا دیکھا

---

[1] مر گئے۔ ادا اور قضا ایک دوسرے کی ضد ہیں اس میں بھی لطف ہے ۱۲ [3] خدا کو جان سونپ دی ۱۲ [4] اسکا کہنا یہ تھا ۱۲ [5] نرم دلی ۱۲ [6] جسمانی محنت جیسے روزے رکھنا ۱۲ [7] اثر کرنے والا کوڑا ۱۲ [8] آفتاب نکلے پیچھے کی نماز [9] آدھی رات کے بعد کی نماز ۱۲ [10] بے آمیزش۔ خالص ۱۲ [11] ہیضے کو عورتیں تنانوے کہتی ہیں یعنی بے نام کی بیماری ۱۲ [12] ڈر کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے گرم اور سرد ضعف نظام ہے ۱۲ [13] روک ۱۲ [14] ناریل ۱۲ [15] املی ۱۲

کہ بنارس میں ایک بنگالی اس بیماری کا حکمی علاج کرتا ہے اور سرکار سے جو دس ہزار روپے کا انعام موعود ہے اس کا دعویدار ہوا ہے چٹھی لکھ کر اس کی دوا بھی طلب کی۔ نصوح کو ایک وجہ تسلی یہ بھی تھی کہ ایک طبیب حاذق[1] اسی کے ہمسائے میں رہتا تھا۔ گورِ وسیاہ ہیضے کے توڑ کے واسطے اتنا سامان وافر موجود تھا مگر آخر نصوح کا گھر بھی فرشتوں کی نظر سے نہ بچا پر نہ بچا۔ باپ کی اجل آئی تو دوائیں رکھی ہی رہیں دینے اور پلانے کی نوبت[2] بھی نہ پہنچی کہ بڑے میاں سسکیاں[3] لینے لگے۔ وہ رشتے کی خالہ تھوڑی دیر سنبھلی تھیں لیکن وہ کچھ ایسی زندگی سے سیر[4] تھیں کہ انھوں نے خود خبر کرنے میں دیر کی غرض دوا ان کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ ماما نے البتہ انگریزی یونانی سب طرح کی دوائیں ڈکوسیں مگر اس کی عمر ہو چکی تھی۔ اوّل اوّل نصوح کو اپنی احتیاط پر کچھ یوں ہی سا تکیہ[5] ہوا تھا مگر جب وبا کا بہت زور ہوا اور خود اسی کے گھر میں تابڑ توڑ[6] ایک چھوڑ تین تین موتیں ہو گئیں ناچار تن بہ تقدیر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہا۔ غرض پورا ایک چلّہ[7] شہر پر سختی و مصیبت کا گزرا نہیں معلوم کتنے گھر غارت ہوئے کس قدر خاندان تباہی میں آ گئے یہاں تک کہ نواب عمدۃ الملک نے ہیضہ کیا کوئی ڈیڑھ تین گھڑی دن چڑھتے چڑھتے شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی اور نماز جمعہ کے بعد دیکھتے کیا ہیں کہ جنازہ جامع مسجد[8] کے صحن میں رکھا ہے۔ یوں تو ہزارہا آدمی شہر میں تلف ہوئے مگر عمدۃ الملک کی موت سب پر بھاری تھی اوّل تو ان کی ٹکر کا[9] شہر میں کوئی رئیس نہ تھا دوسرے ان کی ذات سے غریبوں کو بہت کچھ فائدہ پہنچتا تھا گو ان کے مرنے کا گھر گھر ماتم تھا لیکن لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ بس اب خدا نے ٹھنڈک[10] ڈالی کیونکہ معتقدات[11] عوام میں یہ بھی ہے کہ وبا بے کسی بڑے رئیس کی بھینٹ[12] لئے نہیں جاتی۔ خیر لوگوں نے جو کچھ سمجھا ہو یوں بھی شورش بہت کچھ فرو[13] ہو چلی تھی اور امن و امان ہوتا جاتا تھا لوگوں نے دکانیں بھی کھولنی شروع کر دیں اور دنیا کا کاروبار پھر جاری ہو چلا ان ہی دنوں نصوح نے اپنی بیوی سے کہا کہ دو دو مہینے سے چاولوں کو ترس گئے اب خدا نے اپنا فضل کیا آج زردہ پکواؤ مگر تاکید کرنا کہ چاول کھرّے نہ رہیں شام کو زردہ پکا اور گھر کے چھوٹے بڑے

---

۱ ہوشیار۔ ۲ تجربہ کار ۳ ہچکیاں ۴ لفظی معنی پیٹ بھری مراد یہ کہ زندگی سے اکتائی تھیں ۵ بھروسا ۶ اوپر تلے ۷ چالیس دن ۸ دلی کی بڑی مسجد جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے لوگ اس دن مُردوں کے جنازے جامع مسجد میں لے آتے ہیں تاکہ بہت سے نمازی جنازے کی نماز پڑھیں ۹ برابر کا۔ مقابلے کا ۱۰ یعنی بیماری کا زور دبا ۱۱ عام لوگوں کے عقائد ۱۲ قربانی ۱۳ دب چلی تھی۔

سب نے کھایا اور حسب عادت سو رہے۔ کوئی پہر رات باقی رہی ہوگی کہ دفعتاً نصوح کی آنکھ کھل گئی۔
جاگا تو پیٹ میں آگ چنکی ہوئی تھی۔ اُٹھتے اُٹھتے کئی مرتبہ طبیعت نے مالش کی اس نے ننگے سر جلدی
سے صحن میں نکل کر ٹہلنا شروع کیا خوب کس کر دونوں بازو باندھے گلے میں توے کی سیاہی تھوپی عطر کا
پھویا ناک میں رکھا اور طبیعت کو دوسری طرف مصروف کیا مگر معلوم ہوتا تھا کہ حلق تک کوئی چیز بھری ہوئی ہے
بہتیرا ضبط کیا بہتیرا ٹالا آخر بڑے زور سے استفراغ[1] ہوا۔ گھر والے سب جاگ اُٹھے۔ نصوح کو اس
حالت میں باہر بیٹھا ہوا دیکھ سب کے کلیجے دھک[2] سے رہ گئے۔ کوئی پانی اور بیسن لے کر دوڑا کوئی الائچی
ڈال پان بنا کر پاس آ کھڑا ہوا۔ کوئی پنکھا جھلنے لگا۔ نصوح کو تو لا کر چارپائی پر لٹایا اور اب سب لوگ
لگے اپنی اپنی تجویزیں کرنے۔ کسی نے کہا خیریت ہے غذا تھی۔ کوئی بولا زردے میں گھی بُرا تھا۔ کوئی
کہنے لگا کھرچن کا فساد ہے غرض یہ صلاح ہوئی کہ ہیضہ وبائی نہیں ہے گلاب اور سونف کا عرق دیا جائے
اور گھبرانے کی بات نہیں صبح تک طبیعت صاف ہو جائے گی خیر یہ تو تیمارداروں کا حال تھا نصوح اگرچہ
تکان کی وجہ سے مضمحل[3] ہو گیا تھا مگر ہوش و حواس سب خدا کے فضل سے برجا تھے۔ سب کی صلاحیں
اور تجویزیں سنتا تھا اور دوا جو لوگ پلاتے تھے پی لیتا تھا۔ لیکن استفراغ ہونے کے ساتھ ہی اس نے
کہہ دیا تھا کہ لو صاحب خدا حافظ ہم بھی رخصت ہوتے ہیں۔ استفراغ امتلائی[4] مجھ کو بارہا ہوئے ہیں۔
مگر کچھ میرا جی اندر سے بیٹھا جاتا ہے اور ہاتھ پاؤں میں سنسنی سی چلی آ رہی ہے اتنا کہنے کے بعد تو نصوح
دوسری ہی اُدھیڑ بُن میں لگ گیا اور سمجھا کہ بس دنیا سے چلا۔ صبح ہوتے ہوتے ردائت[5] کے کل آثار
پیدا ہو گئے۔ برد اطراف[6] تشنج[7]۔ ضعف۔ متلی۔ اسہال[8]۔ تشنگی۔ ہر ایک کیفیت اشتداد[9] پر تھی منہ اندھیرے
آدمی حکیم کے پاس دوڑا گیا۔ حکیم جی خود خفقانی المزاج ہیضے کے نام سے کوسوں بھاگتے تھے مگر ہمسائگی مدت
کی ملاقات رسم طوعاً و کرہاً[10] آئے اور کھڑے کھڑے چھدا[11] سا اتار کر چلے گئے بیمار میں تو بولنے اور بات کرنے کی بھی
طاقت نہ تھی ایک پہر ہی بھر کی بیماری میں چارپائی سے لگ گیا تھا۔ عورتوں نے پردے میں سے جھانک

۱؎ قے ۱۲ ۲؎ جیسے دفعتاً آگے سے دھکا لگ جائے ۱۲ ۳؎ ڈھال ۱۲ ۴؎ بہت کھا جانے کی وجہ سے
جو قے ہو ۱۲ ۵؎ بگاڑ ۱۲ ۶؎ ہاتھ پاؤں کا ٹھنڈا پڑ جانا ۱۲ ۷؎ اینٹھن ۱۲ ۸؎ دست ۱۲ ۹؎ سختی۔ ترقی ۱۲
۱۰؎ چاہا نا چاہا ۱۲ ۱۱؎ اَن چھنا ۱۲

اس گھبراہٹ میں زبان نے یاری دی کہا لیکن حکیم صاحب یہی کہے چلے گئے کہ برف کے پانی میں تابچل ریائی گھس گھس کر پلائے جاؤ۔ تیمارداروں کو ایسی سرسری[1] تشخیص اور ایسی رواروی[2] کی تجویز سے کیا خاک تسلی ہوتی فوراً آدمی کو شفاخانے دوڑایا اور ڈاکٹر دوا لے صدا[3] کی طرح آموجود ہوا۔ اوپر تلے چار پڑیاں تو اس نے اپنے سامنے پلائیں چلتے ہوئے ایک عرق دیا گیا کہ پاؤ گھنٹے بعد پلا کر مریض کو علٰحدہ مکان میں اکیلا ڈال دینا کوئی آدمی اس کے پاس نہ رہے تاکہ اس کو نیند آجائے۔ اگر سو گیا تو جاننا کہ بچ گیا۔ فوراً ہم کو خبر دینا۔ ڈاکٹر کے حکم کے مطابق نصوح کو اکیلے دالان میں سلا کر لوگ ادھر ادھر ٹل گئے۔ مگر دبے[4] پاؤں آ آکر دیکھ دیکھ جاتے تھے۔ نصوح کے دل کی جو کیفیت تھی وہ البتہ عبرت[5] انگیز تھی۔ یہ کچھ تو بیماری کا اشتداد ہوا مگر ہوش و حواس سب بدستور تھے وہ اپنے خیال میں ڈوبا ہوا تھا لوگ جانتے تھے کہ غش میں پڑا ہے۔ ابتدا میں تو نصوح بھی اپنی نسبت مرنے کا تصور کرنے سے گریز[6] کرتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اپنے تئیں مرنے والا سمجھے بلکہ جو لوگ اس کی علالت کو سوء ہضم[7] اور امتلاء کی وجہ سے تجویز کرتے تھے دل میں ان کی رائے کی تحسین[8] کرتا تھا لیکن افسوس یہ مسرت[9] نصوح کو بہت ہی ذرا سی دیر تک نصیب ہوئی دم بدم اس کی حالت ایسی ردی ہوتی جاتی تھی کہ زندگی کے تمام تر احتمالات ضعیف تھے آخر چار و ناچار اس کو سمجھنا پڑا کہ اب میں دنیا میں چند ساعت کا مہمان اور ہوں اذعان[10] مرگ کے ساتھ پہلا تعلق[11] اس کو دنیا کی مفارقت[12] کا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مرنا وہ سفر ہے جس کا انقطاع[13] نہیں۔ وہ جدائی ہے جس کے بعد وصال[14] نہیں۔ وہ گم شدگی ہے جس کی کبھی بازیافت[15] نہیں وہ غشی ہے جس سے افاقہ نہیں وہ بیگانگی ہے جس کے پیچھے کچھ تعلق نہیں۔ کبھی وہ بیوی بچوں کو دیکھ کر روتا اور کبھی ساز و سامان دنیا پر نظر کر کے سر کو دھنتا اور کہتا ؎

حیف[16] در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم[17] و بہار آخر شد

---

۱ یوں ہی بے سوچے سمجھے کی ۱۲ ۲ چل چلاؤ کی ۱۲ ۳ گونج کی آواز جو لوٹ کر آتی ہے ۱۲ ۴ آہستہ کہ پاؤں کی آہٹ نہ ہو ۱۲ ۵ یعنی اس کے سننے سے ڈر لگتا ہے ۱۲ ۶ بھاگتا تھا۔ بچتا تھا ۱۲ ۷ بدہضمی ۱۲ ۸ اچھا کہتا تھا انھوں نے ٹھیک سمجھا ۱۲ ۹ خوشی ۱۲ ۱۰ موت کا یقین ۱۲ ۱۱ رنج ۱۲ ۱۲ جدائی ۱۲ ۱۳ ہو چکنا ۱۲ ۱۴ ملنا ۱۲ ۱۵ کھو کر پا جانا ۱۲ ۱۶ افسوس پلک جھپکنے میں یار کی صحبت ختم ہوگئی ۔ ۱۷ پھول کے منہ کو اچھی طرح دیکھنے بھی نہیں پائے کہ بہار کا موسم بیت گیا ۱۲

جس جس پہلو سے غور کرتا تھا اپنا مرنا اس کو بے وقت معلوم ہوتا تھا بیوی کو دیکھ کر اپنے جی میں سوچتا تھا کہ بھلا کوئی اس کی عمر بیوہ ہونے کی ہے۔ نہ تو اس کے میکے میں کوئی اتنا ہے کہ اس کا متکفل[1] ہو نہ بیٹوں میں کوئی اس قابل کہ گھر کو سنبھالے اندوختہ[2] جو ہے سو وہی ہے جب تک اکتفا[3] کرے گا دو ناکتخدا[4] بیٹیاں اس کے آگے ہیں کچا ساتھ[5] خالی ہاتھ بچوں کی پرورش کہیں سے کوڑی کی آمد کا آسرا نہیں کیا ہوگا اور کیونکر یہ پہاڑ سی[6] زندگی اس کے کاٹے کٹے گی۔ بڑا لڑکا تو پہلے ہی گویا ہاتھ سے جا چکا ہے[7]۔ رہا منجھلا امسال انٹرنس پاس[8] کرنے کو تھا اور امید تھی کہ یہ کچھ ہوگا مگر اب وہ تمام منصوبہ ہی غلط ہوا چاہتا ہے۔ میری آنکھ بند ہوئی تو کیسا پڑھنا اور کس کا امتحان یہ دو لڑکیوں کا فرض کیسا میں اپنی گردن پر لے چلا۔ بڑی لڑکی کی نسبت کن کن مصیبتوں سے ٹھہری تھی اور جب میرے رہتے یہ وقت تھی تو اب ان دو بچیوں کا دیکھیے کیا ہو۔ پیش بینی[9] اور مآل اندیشی[10] کر کے پارسال گانوں لیا تھا ابھی تک پٹی داروں[11] نے اس میں اچھی طرح تسلط[12] نہیں بیٹھنے دیا۔ حال میں جو چالیس پچاس جیتھے[13] سیر کر کے غلہ پر لیا تھا وہ سب گیا گزرا ہوا۔ گودام پر جو روپیہ لگا دیا تھا وہ بھی ڈوبا۔ رہنے کے مکان میں کس تنگی سے بسر ہوتی ہے کوئی مہمان آنکلتا ہے تو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ شمال رویہ دالان در دالان بنوانے کا ارادہ تھا۔ ڈیڑھ سو من[14] لکڑی کا روپیہ بیج چکا ہوں وہ نہیں آئی۔ پڑاوے والوں کو اینٹوں کی دادنی[15] دی تھی وہ نہیں پہنچی[16]۔ افسوس کہ موت نے مجھ کو مہلت نہ دی۔ لوگوں کا لینا دینا حساب کتاب بڑے بڑے بکھیڑے ہیں۔ آج سمجھانے بیٹھوں تو مہینوں میں جا کر طے[17] ہوں تو ہوں۔ اجل سر پر آ پہنچی تمام لینا لانا مارا پڑا۔ اسی کاوش میں کچھ نہیں تو دس بارہ برس ہی اور جی جاتا تو یہ سب انتظام اپنی خواہش کے مطابق درست کر لیتا۔ بال بچے بھی ذرا اور سیانے ہو جاتے کمانے کھانے لگتے۔ ادھر ان کی شادی بیاہ کر چکتا گانوں کا معاملہ بھی رو براہ ہو جاتا۔ مکان کو اپنے طور پر بنا لیتا۔ لوگوں کا حساب کتاب سب صاف کر دیتا۔ گھر

---

[1] خرچ بات کی ذمہ داری کرنے والا ۱۲ [2] جوڑا ہوا پس انداز ۱۲ [3] کفایت۔ بس ۱۲ [4] کنواری ۱۲ [5] چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ۱۲ [6] بڑی لمبی بھاری ۱۲ [7] بس میں نہیں رہا۔ آوارہ ہو گیا ۱۲ [8] فضیلت کے درجے میں داخل ہونے کا امتحان ۱۲ [9] آئندہ کے واقعات کو پہلے سے دیکھ لینا ۱۲ [10] انجام کار کو سوچنا ۱۲ [11] زمین داری کے حصے دار ۱۲ [12] قبضہ ۱۲ [13] بیوپار کی خود کاشت ۱۲ [14] کوہستان میں ایک ضلع ہے۔ وہاں لکڑی کا بڑا بھاری جنگل ہے ۱۲ [15] پیشگی۔ قیمت ۱۲ [16] واپس نہیں ہوئی ۱۲ [17] چکیں ۱۲ یعنی گانوں کے معاملے بھی ٹھیک رستہ پر آ جاتے ۱۲

والی کے واسطے کچھ ذخیرہ[1] وافی[2] فراہم[3] کر جاتا تب فراغت سے مرتا۔ کیا مرنے میں مجھ کو کچھ عذر یا خدا نخواستہ کسی طرح کا انکار تھا یا ہے اتنی ذرا سی بات نہیں سمجھتا کہ دنیا میں آکر مرنا ضرور ہے۔ مگر ہر چیز ایک وقت مناسب پر ٹھیک ہوتی ہے۔ بھی کوئی مرنا ہے کہ ہر ایک کام کو ادھورا ہر ایک انتظام کو ناقص دنا تمام چھوڑ کر چلا جاؤں ایسا بے ہنگام[4] مرنا نہ صرف میرے لیے بلکہ تمام متعلقین اور وابستگان[5] کے لیے موجب زیاں[6] و باعث نقصان ہے۔ اگرچہ نصوح بہ نظر ظاہر ایک آزاد اور بیگانہ[7] وار زندگی بسر کرتا تھا نہ تو ہر وقت گھر میں گھسے رہنے کی اس کی خو تھی نہ بال بچوں ہی سے کچھ بہت اختلاط کرنے کی عادت انتظام خانہ داری میں بھی بی بی کے تقاضے اور اصرار[8] سے بقدر ضرورت کچھ دخل دیا تو دیا ورنہ اس کی بھی چنداں پروا نہ تھی اور یہی سبب تھا کہ جب کبھی سننے کا اتفاق ہوتا کہ فلاں شخص نے بڑی حسرت[9] کے ساتھ جان دی تو نصوح کو تعجب ہوتا اور کہتا کہ خدا کی شان ہے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ دنیا سے نکلنے کو ان کا جی ہی نہیں چاہتا نہیں معلوم دنیا کی کون سی ادا ان کو پسند ہوتی ہے ورنہ استغفر اللہ[10][11] یہ دار المحن[12] انسان کے رہنے کے لائق ہے۔ صدہا بکھیڑے۔ ہزارہا محصے روز کے جھگڑے آئے دن کی مصیبت۔ سچ ہے خدائے تعالےٰ کا کوئی فعل حکمت[13] اور بندوں کی مصلحت سے خالی نہیں۔ ظاہر میں تو موت سب کو بری معلوم ہوتی ہے اور اس سے لوگ ایسا ڈرتے ہیں جیسے مجرم سزا سے لیکن غور کر کے دیکھو تو مرنا بھی ایک نعمت ہے۔ انسان کی طبیعت تازگی پسند واقع ہوئی ہے جہاں ایک حالت سالہا سال رہی گو وہ کیسی ہی عمدہ اور پسندیدہ کیوں نہ ہو خواہ مخواہ آدمی اس سے ملول[14] ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہی من وسلویٰ[15] کھاتے کھاتے ایسے اکتائے کہ آخر کو ان کے دل لہسن اور پیاز پر للچائے۔ اگر دنیا میں موت نہ ہوتی تو آدمی کنووں میں کود کود اور درختوں سے گر گر کر جان دیتے اور حیات درازی[16] کو عذاب مقیم[17] سمجھتے۔ میرے دل کی تو یہ کیفیت ہے کہ مجھ کو یہاں سے چلے جانے کی مطلق پروا نہیں ورنہ کسی

---

[1] اندوختہ ۱۲ [2] کافی ۱۲ [3] جمع ۱۲ [4] بے وقت ۱۲ [5] جو آدمی کے پلے بندھے ہوں یعنی اہل وعیال ۱۲ [6] نقصان کا سبب ۱۲ [7] ان لوگوں کی سی زندگی جن کو گھر سے لگاؤ نہیں ۱۲ [8] ضد ۱۲ [9] افسوس ۱۲ [10] خدا سے معافی چاہتا ہوں نفرت کی جگہ بولتے ہیں ۱۲ [12] مختنوں کا گھر ۱۲ [13] کام ۱۲ [14] اکتا جاتا ہے ۱۲ [15] من ایک طرح کی اوس جو جم کر ترنجبین سی ہو جاتی تھی اور سلویٰ بٹیر کی قسم کا ایک جانور من سلویٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو بے زحمت ملتے تھے ۱۲ [16] لمبی زندگی ۱۲ [17] ٹھہرا ہوا عذاب جو ٹلے نہیں ۱۲

چیز کو میں نہیں سمجھتا کہ مجھ کو اُس کی مفارقت[1] کا قلق[2] ہو۔ لیکن بڑا فرق ہے فرض[3] اور واقعات میں۔ یہ بھی نصوح
کے نفس کا مکر تھا کہ وہ اپنے تئیں دنیا سے بے تعلق اور اپنی زندگی کو بے ہمہ و با ہمہ[4] سمجھتا تھا۔ جب تک وہ
دوسروں کو مرتا دیکھتا تھا اپنے تئیں مرنے پر دلیر پاتا تھا۔ لیکن جب خود اپنے سر پر آن بنی تو سب سے زیادہ
بودا نکلا۔ وہ اپنے تعلقات سے واقع میں اب تک بے خبر تھا جب موت سامنے آموجود ہوئی اور چلنا ٹھہرا
تو حقیقت کھلی کہ ادھر زن و فرزند کا فریفتہ[5] ہے ادھر مال و متاع[6] کا دلدادہ[7]۔ اتنا بڑا سفر تو اُس کو درپیش
مگر بار علائق[8] کی وجہ سے پہلے ہی قدم پر اُس کے پاؤں ہزار ہزار من[9] کے ہو رہے تھے ریل کی سیٹی بج چکی تھی
مگر یہ ابھی اسٹیشن کے باہر اسباب کے سنبھالنے میں مصروف تھا۔ اگر اسی حالت میں کہ اس کی روح تعلقات
دنیوی میں ڈانواں ڈول بھٹکی ہوئی پھر رہی تھی کہیں خدانخواستہ اس کی جان نکل جاتی تو بس دونوں جہان
سے گیا گزرا ہوا تھا خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ[10]۔ ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ۔ مگر خدا نے بڑا ہی فضل
کیا کہ ناامیدی نے اس کی ہمت بندھائی اور اپنے دل میں سوچا کہ چلنا تو اب ٹلتا نہیں پھر قلق سے فائدہ
اور اضطراب[11] سے حاصل۔ مرتا ہوں تو مردانہ وار کیوں نہ مروں اور استقلال کے ساتھ جان کیوں نہ دوں
اس بات کا ذہن میں آنا تھا کہ دنیا کی تمام چیزوں پر ایک اُداسی سی چھا گئی اب جس چیز کو دیکھتا ہے ہیچ[12] اور
بے وقعت نظر آتی ہے یہ وہ وقت تھا کہ ڈاکٹر نے اُس کو دوا پلا کر تنہا لٹوا دیا استغنا[13] سے ایک طرح کا
اطمینان جو دل کو پہنچا اور ادھر علالت کی اشتداد کا تکان تھا ہی اوپر سے پہنچی دوا جو بالخاصہ[14] خواب آور
تھی اور تیمارداروں[15] کا ہجوم ہوا کم۔ لیٹا تو نیند کی ایک جھپکی سی آگئی آنکھ کا بند ہونا تھا کہ نصوح ایک دوسری
دنیا میں تھا۔ جو خیالات ابھی تھوڑی دیر ہوئی اُس کے پیش نظر تھے۔ سب اس کے دماغ میں بھرے ہوئے
تھے۔ اب متخیلہ[16] نے اُن کو اگلے پچھلے تصورات سے گڈمڈ[17] کر کے ایک نئے پیرائے[18] میں لا سامنے کھڑا کیا۔ کیا

---

[1] جُدائی ۱۲ [2] رنج ۱۲ [3] یعنی دل میں ایک بات کا مان لینا اور چیز ہے اور کر کے دکھانا دوسری چیز ۱۲ [4] سب سے الگ اور سب میں شامل ۱۲ [5] ریجھا ہوا ۱۲ [6] سامان۔ اسباب ۱۲ [7] فریفتہ کا مرادف ہے ۱۲ [8] تعلقات کا بوجھ ۱۲ [9] پاؤں ہزار ہزار من کے ہوں تو کیا ہلا جائے ۱۲ [10] دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا ۱۲ [11] بے قراری ۱۲ [12] ذلیل ۱۲ [13] بے پروائی ۱۲ [14] یعنی اس دوا میں خدا نے خاصیت ہی یہی رکھی تھی ۱۲ [15] بیمار کے خبرگیر ۱۲ [16] خیال باندھنے کی قوت ۱۲ [17] ملا جلا کر ۱۲ [18] شکل، صورت ۱۲

دیکھتا ہے کہ ایک بڑی عمدہ اور عالیشان عمارت ہے اور چونکہ نصوح خود کبھی ڈپٹی مجسٹریٹ حاکم فوجداری رہ چکا تھا تو اُس کو یہ تصور بندھا کہ یہ گویا ہائی کورٹ کی کچہری ہے۔ لیکن حاکم کچہری کچھ اس طرح کا رعب دار ہے کہ باوجودیکہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہے مگر ہر شخص سکوت کے عالم میں ایسا دم بخود بیٹھا ہے کہ گویا کسی کے منہ میں زبان نہیں اور جو کوئی بضرورت بولتا اور بات بھی کرتا ہے تو اس قدر آہستہ کہ کانوں کان خبر نہ ہو۔ اتنی بڑی تو کچہری ہے مگر مختار اور وکیل کسی طرف دیکھنے میں نہیں آتے۔ کچہری کے عملے اس طرح کے کھڑے اور اپنے حاکم سے اتنا ڈرتے ہیں کہ کسی اہل معاملہ اور مقدمے والے کو اپنے پاس تک آنے کے روادار نہیں۔ غرض کیا مجال کہ کوئی اپنے بارے میں ناجائز پیروی کر کے یا روپے پیسے کا لالچ دکھا کر یا سعی سفارش بہم پہنچا کر کاربرآری کر سکے۔ اگرچہ انصاف اور معاملہ فہمی اور ہمہ دانی کی وجہ سے حاکم کی ہیبت ادنیٰ اعلیٰ سب پر چھائی ہوئی ہے مگر جتنے مجرم ہیں کیا خفیف کیا سنگین کوئی اُس کے رحم سے ناامید نہیں۔ اختیارات اُس کے اس قدر وسیع ہیں کہ نہ اُس کے فیصلے کی اپیل ہے نہ اُس کے حکم کا مرافعہ۔ کام کرنے کا ایسا اچھا ڈھنگ ہے کہ کام روزکار روز صاف کتنے ہی مقدمے پیشی میں کیوں نہوں ممکن نہیں کہ تاریخ مقررہ پر فیصل نہ ہو جائیں۔ پھر یہ نہیں کہ کسی مقدمے کو روا روی اور سرسری طور پر بے تجویز کر کے ٹال دیا جائے۔ نہیں، جو حکم صادر کیا جاتا ہے ہر عذر کو رفع ہر حجت کو قطع بلکہ خود مجرم کو قائل معقول کر کے اور گنہگار کے منہ سے اُس کی خطا تسلیم کرانے کے بعد۔ غرض جو تجویز ہے موجّہ جو فیصلہ ہے مدلّل جو رائے ہے صحیح و اذعانی جو حکم ہے دودھ کا دودھ پانی کا پانی۔ گواہوں کے باب میں ایسی احتیاط ملحوظ ہے کہ صرف عادل ثقہ اور راست گو کی گواہی لی جاتی ہے اور وہ بھی ایسے کہ واقف الحال چشم دید بلکہ مجرم کے رفیق اور ہمنشیں کہ اُس کے رازدار اور معین و مددگار رہوں۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ ہر مجرم کو فرداً فرداً فرد قرارداد جرم کی

۱؎ خاموشی ۱۲ ۲؎ سانس تک روکے ہوئے ۱۲ ۳؎ کھڑے یعنی قرینے سے لگے ۱۲ ۴؎ مقدمے کا فریق ۱۲ ۵؎ ہر ایک بات جاننا ۱۲ ۶؎ ہلکے ۱۲ ۷؎ بھاری ۱۲ ۸؎ ٹال کر یا اٹھا کر ۱۲ ۹؎ دلیل ۱۲ ۱۰؎ دور کر ۱۲ ۱۱؎ جواب دے کر ۱۲ ۱۲؎ وجہ کے ساتھ ۱۲ ۱۳؎ دلیل کے ساتھ ۱۲ ۱۴؎ یقینی ۱۲ ۱۵؎ یقینی ۱۲ ۱۶؎ نیکوکار ۱۲ ۱۷؎ معتبر ۱۲ ۱۸؎ سچ بولنے والے ۱۲ ۱۹؎ حال سے واقف ۱۲ ۲۰؎ جنہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ۱۲ ۲۱؎ بھیدی ۱۲ ۲۲؎ ہر ایک کو الگ الگ ۱۲ ۲۳؎ فوجداری کی مثل کا ایک کاغذ ہوتا ہے جس میں جرم کا تعین لکھا رہتا ہے ۱۲

ایک نقل ہی گئی ہو کہ وہ اُس کو پڑھ رہا ہو اور جتنے الزام اُس پر لگائے گئے ہیں سب کو سمجھتا اور اپنی براءت[1] کے وجوہات کو سوچتا ہو۔ کچہری کا خیال نصوح کو حوالات کی طرف لے گیا تو دیکھا ہر شخص ایک علیحدہ جگہ میں نظربند ہو۔ جو جیسا مجرم ہو مناسب حالت حوالات میں سختی یا سہولت[2] کے ساتھ رکھا گیا ہو۔ حوالات کے برابر جیل خانہ ہو مگر بہت ہی براٹھکانہ[3] ہو۔ محنت کڑی مشقت سخت۔ جو اس میں گرفتار ہیں سولی کے متمنی[4] اور پھانسی کے خواستگار رہیں۔ نصوح یہ مقام ہولناک[5] دیکھتے ہی اُلٹے[6] پاؤں پھرا۔ باہر آیا تو پھر حوالاتیوں اور زیر تجویزوں میں تھا۔ اِن لوگوں میں ہزارہا آدمی تو اجنبی[7] تھے لیکن جا بجا شہر اور محلے کے آدمی بھی نظر آتے تھے مگر وہ جو مر چکے تھے۔ نصوح کو یہ سب سامان دیکھ کر اُسی خواب کی حالت میں ایک حیرت تھی کہ الٰہی یہ کونسا شہر ہو۔ کس کی کچہری ہو۔ یہ اتنے مجرم کہاں سے پکڑے ہوئے آئے ہیں میرے ہموطنوں نے کیا جرم کیا ہو کہ ماخوذ[8] ہیں اور یہ کیسے مرے تھے کہ میں ان کو یہاں جوابدہی میں دیکھتا ہوں اسی حیرت میں لوگوں کو دیکھتا بھالتا چلا جاتا تھا کہ دور سے اس کو اپنے والد بزرگوار حوالاتیوں میں بیٹھے نظر پڑے۔ پہلے تو سمجھا کہ نظر غلطی کرتی ہو مگر غور کیا تو پہچانا کہ نہیں واقع میں وہی ہیں۔ دوڑ کر قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ یا حضرت ہم سب آپ کی مفارقت میں تباہ ہیں آپ یہاں کہاں۔ باپ۔ میں اپنے گناہوں کی جوابدہی میں ماخوذ ہوں۔ یہ مقام جو تم دیکھتے ہو دار الجزا[9] ہو اور خداوند تعالیٰ جل وعلا شانہ[10] اس محکمے کا حاکم۔ بیٹا۔ یا حضرت آپ تو بڑے متقی پرہیزگار خداپرست نیکوکار تھے آپ پر اور گناہوں کا الزام۔ باپ۔ گناہ بھی ایک دو نہیں سیکڑوں ہزاروں۔ دیکھو یہ میرا نامۂ اعمال کیسی رسوائی اور فضیحت سے بھرا ہوا ہو اور میں اس کو دیکھ دیکھ کر سخت پریشان ہوں کہ کیا جواب دوں گا اور کون سی وجہ اپنی براءت کی پیش کروں گا یہ وہی کاغذ تھا جو نصوح نے ہر شخص کے ہاتھ میں دیکھا تھا اور اس کو دنیا کے خیالات کے مطابق فرد قرارداد جرم سمجھا تھا۔ باپ کا نامۂ اعمال دیکھا تو تھرا اُٹھا۔ شرک اور کفر اور نافرمانی۔ ناشکری اور بغاوت[11] اور بے ایمانی کبر و نخوت[12]۔ دروغ[13] و غیبت[14]۔ طمع[15] و حسد[16] مردم آزاری[17]

---

[1] صفائی ۱۲ [2] آسانی ۱۲ [3] بئس المصیر کا ترجمہ ہے ۱۲ [4] آرزومند ۱۲ [5] خوفناک ۱۲ [6] ادبری۔ [7] ان جان ۱۲ [8] پکڑا ہوا ۱۲ [9] بدلا پانیکا گھر ۱۲ [10] اسکی شان بڑی اور اونچی ہو ۱۲ [11] سرکشی ۱۲ [12] غرور ۱۲ [13] جھوٹ ۱۲ [14] کسی کو پیٹھ پیچھے برا کہنا ۱۲ [15] لالچ ۱۲ [16] دوسرے کو دیکھ کر جلنا ۱۲ [17] لوگوں کو ستانا ۱۲

نفاق[1] وریا[2] حب[3] دنیا کوئی الزام نہ تھا کہ اُس میں نہ ہو۔ چونکہ نصوح کے دماغ میں خیالات دُنیوی گونج رہے تھے لگا باپ کے نامۂ اعمال میں تعزیرات ہند کا دفعہ اور ضمن ڈھونڈھنے۔ سو تعزیرات ہند کے دفعات کی عوض قرآن کی سورتوں اور آیتوں کا حوالہ تھا۔ متعجب ہو کر باپ سے پوچھا کہ یا حضرت پھر کیا آپ ان تمام جرموں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ باپ۔ سب کا۔ بیٹا۔ کیا آپ خود حاکم اقرار کر چکے ہیں۔ باپ۔ انکار کی گنجایش ہی نہیں میری مخالفت میں گواہی اتنی وافر[4] ہے کہ اگر میں انکار کروں بھی تو پذیرا[5] نہیں ہو سکتا۔ بیٹا۔ جناب وہ کون لوگ ہیں جو آپ کی مخالفت پر آمادہ ہیں۔ باپ۔ اول تو دو شخص کراماً کاتبین[6] اِس بلا کے ہیں کہ میرا کوئی فعل اُن سے مخفی[7] نہیں۔ جتنی باتیں کہتے ہیں سچی کی۔ اور کہتے کیا ہیں میرا روزنامچہ عمری لکھتے گئے ہیں۔ اب جو میں اُس کو دیکھتا ہوں حرف بحرف صحیح اور درست پاتا ہوں دوسرے یہی میرے اعضا ہاتھ پاؤں آنکھ کان وغیرہ کوئی میرے کہنے کا نہیں۔ سب کے سب مجھ سے منحرف[8] سب کے سب مجھ سے برگشتہ[9] میری مخالفت پر آمادہ میری تذلیل[10] پر کمر بستہ[11] ہو رہے ہیں۔ بیٹا۔ آخر آپ کچھ اس کی وجہ بھی سمجھتے ہیں۔ باپ۔ میں ان کو غلطی سے اعوان[12] و انصار بھیدی اور رازدار سمجھتا تھا۔ مگر واقع میں یہ سب جاسوس[13] ایزدی تھے انھوں نے وہ وہ سلوک میرے ساتھ کیے کہ تسمہ[14] لگا نہیں رکھا۔ بیٹا۔ پھر آپ کا کیا حال ہے۔ باپ۔ جب سے دُنیا کو چھوڑا قبر کی حوالات میں ہوں تنہائی سے جی گھبراتا ہے انجام کار معلوم نہیں شبانہ[15] روز اسی اندیشے میں پڑا گھلتا ہوں۔ حوالات میں مجھ کو اس قدر ایذا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ مگر صبح و شام ہر روز آتے جاتے جیل خانے کے پاس سے ہو کر گزرنا ہوتا ہے۔ دوزخ وہی ہے۔ وہاں کی تکلیفات دیکھ کر اور سُن کر ہوش اُڑے جاتے ہیں اور غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ کاش ہمیشہ کے واسطے اسی حوالات میں رہنے کا حکم ہو جاتا۔ بیٹا۔ پھر ہنوز آپ کا مقدمہ پیش نہیں ہوا۔ باپ۔ خدا نہ کرے کہ پیش ہو۔ جو دن حوالات میں گزرتا ہے غنیمت ہے اوّل اوّل جب میں

---

[1] منھ پر کچھ دل میں کچھ ۱۲ [2] دکھاوا ۱۲ [3] دنیا کو دوست رکھنا ۱۲ [4] بہت ۱۲ [5] قبول ۱۲ [6] نیکی و بدی لکھنے والے دو فرشتے جو ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتے ہیں ۱۲ [7] پوشیدہ ۱۲ [8] پھرے ہوئے ۱۲ [9] پھرے ہوئے ۱۲ [10] ذلیل کرنا ۱۲ [11] کمر باندھے ہوئے یعنی مستعد ۱۲ [12] مددگار ۱۲ [13] خدا کی طرف سے ٹوہ لینے والا ۱۲ [14] گویا گردن چمڑے سے کاٹ کر چھوڑ دی ۱۲ [15] رات دن ۱۲

حوالات میں آیا تو اعمال نامہ مجھ کو حوالے کر دیا گیا بس اُسی کو دیکھا اور انجام کار سے ڈرا کرتا ہوں نجات کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ بیٹا۔ بھلا کسی طرح ہم لوگ آپ کی اس مصیبت میں کام آسکتے ہیں۔ باپ۔ اگر میرے لئے عاجزی اور خلوص[1] کے ساتھ دُعا کرو تو کیا عجب ہے کہ مفید ہو۔ ابھی میرے ہمسائے میں ایک شخص کی رہائی ہوئی ہے اُس پر بھی بہت سے الزام تھے مگر یہاں اللہ تعالیٰ میں کامل درجے کا انصاف ہی رحم بھی پرلے ہی سرے کا ہے اُس شخص کے پس ماندوں[2] نے اُس کے واسطے بہت زاری[3] کی تو پرسوں یا اترسوں اُس کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ تیرے افعال جیسے تھے وہ اب تجھ پر مخفی نہیں رہے مگر ہمارے کئی بندے تیری معافی کے واسطے ہمارے حضور میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ تیرے ہی زن و فرزند ہیں ہم کو تیری یہی ایک بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ تو نے اپنے خاندان میں نیکی اور دینداری کا بیج بویا تھا ہم نے تیری خطا معاف کی۔ بیٹا۔ سچ کہنا تم لوگوں نے بھی کبھی میرے حق میں دعائے خیر کی ہے۔ بیٹا۔ جناب آپ کے انتقال کے بعد رونا پیٹنا تو بہت کچھ ہوا اور اب تک اس شدومد[4] کے ساتھ ہوتا ہے کہ گویا آپ نے ابھی انتقال فرمایا ہے اور یہ رونا تو ہم لوگوں کے دم کے ساتھ ہے آپ کی عنایتیں آپ کی شفقتیں جب تک جئیں گے یاد کریں گے۔ رسم دنیا کے مطابق آپ کا کھانا بھی برادری میں تقسیم کر دیا ہے۔ لوگ شاید میرے منہ پر خوشامد سے کہتے ہوں مگر کہتے تھے کہ اس شہر میں باپ کا کھانا اچھا کیا۔ دعا کے بارے میں غلط بات کیوں کر عرض کروں اہتمام نہیں ہوا۔ آپ کے بعد ترکہ و میراث کے ایسے جھگڑے پڑ گئے کہ آج تک نہیں سلجھے۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ تو صوم[5] و صلوٰۃ[6] کے بڑے پابند تھے کیا اعمال و افعال کچھ بھی کام نہ آئے۔ باپ۔ کیوں نہیں یہ اُن ہی اعمال کا طفیل ہے کہ تم مجھ کو اس حالت میں دیکھتے ہو ورنہ بہتیرے مجھ سے بھی زیادہ تکلیف میں ہیں حوالات میں جیل خانے کی سی ایذا ہے۔ مگر یہاں اعمال میں خلوص نیت شرط ہے میں نے اپنے اعمال کو جا کر دیکھا تو اکثر جیسے [illegible] کھوٹے روپے۔ نمازیں بے حضور قلب[7] اکارت گئیں اور روزے چونکہ پابندی رسم کے طور پر رکھنے کا اتفاق ہوتا تھا خالی فاقے کے شمار میں در آئے۔ بیٹا۔ پھر اس دربار میں کچھ سعی سفارش کا دخل نہیں۔ باپ۔ استغفر اللہ کوئی کسی کی بات

---

[1] صدق دل ۱۲ [2] پیچھے رہ جانے والے یعنی وارثوں ۱۲ [3] گڑگڑا کر رونا ۱۲ [4] زور و شور ۱۲ [5] روزہ ۱۲
[6] نماز ۱۲ [7] یعنی دل [illegible] ۱۲

تو پوچھنا ہی نہیں نفسی[1] نفسی پڑی ہی ہر شخص اپنی بلا میں مبتلا اور اپنی مصیبت میں گرفتار ہی۔ دوسرے کی نجات تو کوئی کیا کرائے گا پہلے آپ تو سُرخ رو ہو لے۔ بیٹا۔ کیوں جناب معاذ اللہ[2] یہ شرک و کفر کا الزام آپ پر کیسا ہم لوگ تو خیر سارا[3] شہر آپ کے اتقا[4] کا معتقد تھا کیا آپ خدا کے قائل نہ تھے۔ باپ۔ قائل تو تھا دل سے معتقد نہ تھا۔ بیٹا۔ جناب آپ کے تمام اعمال ظاہر سے مستنبط[5] ہوتا تھا کہ آپکو خدائے کریم کے ساتھ بڑی راسخ[6] عقیدت ہی۔ باپ۔ وہ تمام عقیدت معلوم ہوا کہ اوپری دل سے تھی۔ جب اوّل اوّل میرا اظہار لیا گیا تو پہلا سوال مجھ سے یہی پوچھا گیا کہ تیرا ربّ[7] کون ہی چونکہ مرتے وقت مجھ کو ایمان کی تلقین[8] کی گئی تھی میں نے جواب دیا کہ اللہ وحدہٗ[9] لا شریک لہ۔ تب اُس پر جرح[10] کیا گیا کہ بھلا جب تو نوکری سے برخاست ہو کر گھر آیا اور مدت تک خانہ نشین رہا اور جو کچھ کما کر لایا تھا سب صرف ہو گیا اور نان شبینہ[11] کو محتاج ہو کر نوکری کی جستجو[12] میں اِدھر اُدھر پھرتا اور مضطر[13] ہو ہو کر ہم سے دعائیں مانگتا تھا مگر ہم تیرا صبر و استقلال آزمانے کے لئے تیرے مدعا کو خیر التوا[14] میں ڈالے ہوئے تھے اور ایک انگریز حاکم ضلع نے کہ وہ بھی مثل تیرے ہمارا بندہ تھا ہمارے ایما[15] سے تیری پرورش[16] کا وعدہ کیا مگر ہم نے تجھ پر اپنے ایما کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور تو یہی سمجھا کہ خود تیری ہی کوشش کا نتیجہ تھا سچ بتا کہ تجھ کو اُس انگریز کے وعدۂ زبانی کا زیادہ آسرا تھا یا ہمارے تحریری تمسک[17] وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ[18] فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کا اگر تو ہم کو صمیم قلب سے حاضر[19] و ناظر[20] سمیع[21] و بصیر[22] و قادر[23] جانتا تھا تو گناہ پر تجھ کو کیونکر جرأت[24] ہوتی تھی

---

۱ اپنی اپنی جان ۱۲ ۲ خدا کی پناہ جب کسی نالائق بیہودہ اور بُری چیز کا مذکور کریں تو یہ کلمہ کہہ لیا کرتے ہیں۔ یہاں شرک و کفر کی وجہ سے معاذ اللہ کہا ۱۲ ۳ یعنی خیر ہم لوگوں نے سمجھا تو ہم پر آپ کا حق تھا آپ ہمارے بزرگ تھے ۱۲ ۴ پرہیزگاری کا ۵ ظاہر ہوتا تھا نکلتا تھا ۱۲ ۶ پکا جما ہوا عقیدہ ۱۲ ۷ پروردگار ۱۲ ۸ تعلیم جب کوئی آدمی مرنے کو ہوتا ہی تو پاس والے اوس کو دین کی باتیں یاد دلاتے ہیں ۱۲ ۹ اللہ تعالےٰ اکیلا جس کا کوئی ساجھی نہیں ۱۲ ۱۰ توڑ۔ اعتراض ۱۲ ۱۱ اتنی روٹی کہ رات کو کھا کر سو رہے ۱۲ ۱۲ تلاش ۱۲ ۱۳ بے قرار ۱۲ ۱۴ یعنی تیرے مطلب کو ڈھیل میں ڈال دیا تھا ۱۲ ۱۵ اشارہ ۱۲ ۱۶ نوکری دینے سے مراد ہی ۱۲ ۱۷ لکھی ہوئی دستاویز ۱۲ ۱۸ جتنے جاندار زمین پر ہیں اللہ سب کی روزی کا ذمہ دار ہی ۱۲ ۱۹ ہر جگہ موجود ۱۲ ۲۰ سب چیزوں کو دیکھنے والا ۱۲ ۲۱ سب کی سننے والا ۱۲ ۲۲ سب چیزوں کو سمجھنے والا ۱۲ ۲۳ ہر بات پر قدرت رکھنے والا ۱۲ ۲۴ دلیری ۱۲

جو تجھ پر ہر طرح کا اختیار رکھتے تھے یعنی تیرے ماں باپ تیری خدمت گزاری کو مقرر کیے اور اُن کے دلوں
میں تیری محبت ڈال دی کہ انھوں نے ہمارے حکم سے تجھ کو پالا پوسا اور تو روز بروز چونچال اور خوشحال
ہوتا گیا پھر ہم نے عقل کو تیرا اصلاح کار بنایا کہ تو اُس کی مدد سے اپنی آسایش جائز کے واسطے ہر طرح کا
سامان بہم پہنچا سکے۔ دنیا کے چرند۔ پرند۔ حیوانات۔ نباتات۔ جمادات سب کو تیرا مطیع فرمان بنا دیا کہ تو
اُن پر حکمرانی کرے اور اُن میں متصرف رہے کیا اس لئے کہ تو بہک کر بھی کبھی ہماری طرف رخ نہ کرے اور
سدا ہم سے بھاگا بھاگا پھرے۔ تیری زندگی محض ایک ہستی بے بود تھی دو لمحے تجھ کو تنفس کے لئے ہوا نہ ملتی
تو تیرا دم نکل جاتا۔ ایک رات دن بے آب و دانہ تجھ کو جینا دشوار ہوتا۔ ممنون ہوا تو سونگھ گیا اور کبھی نہ
سوچا کہ ہمارے طفیل سے غلہ انبار کے انبار مخصوص کیا اور کبھی نہ سمجھا کہ ہماری بدولت زندگی بھر کے کنوئیں
تو نے خالی کئے ہوں گے مگر کبھی دھیان نہ کیا کہ ہمارے صدقے میں اور ایک پانی اور ہوا اور غلہ و غذا کیا
ضرورت کی کل چیزیں تو کہاں سے لاتا اور کہاں سے بہم پہنچاتا تھا۔ ہمارے توشہ خانۂ عام سے۔ مگر اس پر تیری
یہ ہکڑی تھی کہ گویا ہم تیرے قرض دار ہیں یا ہم پر کچھ تیرا وعدہ آتا ہے۔ تو کھاتا تھا اور ہگتا تھا لیتا تھا اور
بھول جاتا تھا۔ دنیا کی باتوں میں تو تیری عقل بڑی رسا تھی مگر تو جان بوجھ کر ہمارے ہی ساتھ
تجاہل کرتا تھا۔ منھ پر آنکھیں تھیں اور اندھا۔ ایک جا چھوڑ دو دو کان رکھتے اور بہرا۔ زمین آسمان
چاند سورج ستارے۔ جنگل۔ دریا۔ میدان۔ انواع و اقسام کے درخت۔ پھل پھول کھانے کو
الوان نعمت۔ پہننے کو رنگارنگ خلعت۔ جوہر بیش بہا۔ نقرہ و طلا۔ دنیا بھر کا سامان ہم نے تیرے واسطے
مہیا کیا اور ایک تیرے دم کے لئے اس قدر لوازمہ بہم پہنچایا ہم کو یہاں تک تیری خاطر عزیز اور تو ہم سے
منحرف۔ ہم کو اس قدر تیری بزرگ داشت منظور اور تو ہم سے برگشتہ۔ ہم چاہتے تو ایک ادنیٰ سی چھینکی تیرے

۔ پرورش کیا ۱۲ ۔ ہوشیار ۱۲ ۔ بہم پہنچانے والا ۱۲ ۔ پھل پھول درخت ۱۲ ۔ بے جان چیزیں جیسے
مٹی پتھر وغیرہ ۱۲ ۔ حکم کا تابع ۱۲ ۔ اپنے کام میں لائے ۱۲ ۔ بے حقیقت زندگی ۱۲ ۔ سانس لینے
کے لئے ۱۲ ۔ ڈھیر کے ڈھیر ۱۲ ۔ کھا گیا۔ نگل گیا ۱۲ ۔ مراد ہی کو دام ۱۲ ۔ مطالب کو پہنچنے والی ۱۲ ۔
جان بوجھ کر اپنے تئیں بے خبر بنانا ۱۲ ۔ رنگ برنگ کے کھانے ۱۲ ۔ بیش قیمت موتی ۱۲ ۔ چاندی سونا ۱۲ ۔
سامان ۱۲ ۔ برگشتہ پھرا ہوا ۱۲ ۔ خاطرداری ۱۲

ہلاک کرنے کو کافی تھی ہم حفاظت نہ کرتے تو خود تیرے جسم میں فساد کا مادہ ایسا تھا کہ ایک ذرا سا روگ تیرے
فنا کر دینے کو بہت تھا مگر ہم تجھ سے دوستی کرتے تھے اور تو ہم سے عداوت۔ ہم عنایت کرتے تھے اور تو بغاوت[1]
کیا یہی تھا بدلہ جو تو نے ہم کو دیا۔ کیا یہی تھا صلہ[2] جو تجھ سے ہم کو ملا۔ ہم نے تجھ کو دنیا میں بھیجتے وقت
کیا تاکید کی تھی کہ دیکھ روح ایک جوہر لطیف[3] ہے اور مجھ کو بہت ہی عزیز ہے ایسا نہ ہو کہ اس کو دنیا میں جا کر
بگاڑ لائے۔ یہ میری عمدہ امانت اور نفیس ودیعت[4] ہے دیکھ اس کی احتیاط کما ینبغی[5] اور حفاظت کما حقہ[6]
کیجیو جیسا اُجلا شفاف براق روشن یہاں سے لئے جاتا ہے ایسا ہی پھر لوں گا۔ آج تو اسے روسیاہ
اُس کو لایا ہے تو تجھ سے بدتر اور ٹھیکری سے کمتر ناکارہ۔ نجس۔ ناپاک۔ تیرہ۔ بے آب۔ بدرونق۔ خراب
ہم نے تو تجھ سے چلتے چلتے کہہ دیا تھا کہ تو دنیا میں دل مت لگائیو اور اس کو ایسا سمجھیو جیسے سرائے مسافر
تو وہاں گیا تو بس وہیں کا ہو رہا اور ایسی لمبی تان کر سویا[7] کہ قبر میں آ کر جاگا۔ تھا تو مسافر اور بن بیٹھا مقیم۔ تھا
تو سیاح[8] اور ہو گیا متوطن۔ کیا تو تمام عمر دنیا میں مال نہیں جمع کرتا رہا اور کیا تو نے پکی پکی عمارتیں اس خیال
سے نہیں بنوائیں کہ مدتوں اُن میں رہے گا۔ مسافر کا یہی کام ہے سیاح کا یہی شیوہ ہے۔ تو تو جانتا تھا کہ تجھ کو
یہاں لوٹ کر آنا ہے پھر میرے نام سے تجھ کو موت کیوں آتی تھی اور چلنے کی خبر سن کر تو گھبراتا کیوں تھا۔ اول
تو تجھ کو ہماری عبادت کا اتفاق ہی نہیں ہوا لیکن جب کبھی تو لوگوں کی شرم حضوری یا دکھاوے سے یا اتباع رسم[9]
کی وجہ سے مصروف عبادت ہوا بھی تو کس طرح کہ دل کہیں تھا اور تو کہیں۔ کوئی نماز بھی تیری سجدۂ سہو[10] سے
خالی تھی۔ دنیا کی برسوں کی بھولی بسری باتیں تجھ کو نماز میں یاد آتی تھیں اور نماز تو کیا پڑھتا تھا گھاس
کاٹتا تھا۔ نہ تعدیل ارکان[11] ٹھیک۔ نہ قومہ[12] درست نہ قعدہ[13] صحیح۔ برس بھر تو دوزخ شکم کو اناپ شناپ سے
بھرتا رہتا تھا برس دن میں صرف ایک مہینے کے روزے رکھنے کا ہم نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ تجھ کو ہماری نعمتوں کی قدر

---

[1] سرکشی ۱۲ [2] انعام ۱۲ [3] پاکیزہ جوہر ۱۲ [4] امانت ۱۲ [5] جیسی چاہیئے ۱۲ [6] جیسا حفاظت کا حق ہے ۱۲ [7] مزیدار نیند خوب پاؤں پھیلا کر سویا ۱۲ [8] لفظی معنی بہت سیر کرنے والا یہاں مراد ہے کہ دنیا میں سیر کرنے کو آیا تھا اور اس طرح جم کر بیٹھا کہ گویا کبھی یہاں سے چلنا ہی نہیں ۱۲ [9] رسم و رواج کی پابندی ۱۲ [10] اہل اسلام کے نزدیک نماز میں بعض ارکان کی کمی یا زیادتی سے نماز کے بعد دو سجدے کئے جاتے ہیں جن سے نماز پوری ہوتی ہے ۱۲ [11] نماز میں رکوع و سجدہ وغیرہ کو آہستگی و اطمینان کے ساتھ ادا کرنا ۱۲ [12] کھڑا ہونا ۱۲ [13] بیٹھنا ۱۲

تجھ کو اپنے ابنائے جنس[1] پر جو مبتلائے مصیبت ہیں رحم آئے اور تیری صحت بدنی کو بھی نفع پہنچے تیرے مزاج میں فروتنی[2] اور انکسار کی صفت محمود کہ یہ ادا ہم کو بہت بھاتی ہے پیدا ہو لیکن یوں دنیا کے کام دھندے میں تو تو دن دن بھر بے آب و دانہ مصروف رہا نہ شکوہ نہ گلہ تازہ دم ہشاش بشاش[3] - پھر کھانا تھوڑے کو موجود مگر روزہ چونکہ ہمارے حکم سے تھا دن میں سیکڑوں مرتبہ تو پیاس کی شکایت اور جب آیا اُس سے ضعف و ناتوانی کی حکایت العطش[4] اور الجوع[5] ہی تیرے دو وظیفے تھے[6] روزہ افطار کیا اور تو بدحواس ہو کر چارپائی پر ایسا گرا کہ گویا جان نہیں باوجودیکہ تو دو دن کا کھانا ایک ہی رات میں کھا لیتا تھا پھر بھی اس تصور سے کہ کل پھر روزہ رکھنا ہے تیری بھوک جاتی رہتی تھی [illegible] نیند نہیں آتی تھی - تو مہینے کا اس طرح منتظر رہتا تھا جیسے کوئی قیدی تاریخ رہائی کا تیرا بس چلتا تو ۲۹ کیا ۱۹ کی عید کرتا - کیا ایسے ہی روزوں کے ثواب کا تو امیدوار اور اجر کا متوقع ہے میں نے تجھ کو انسان بنا کر بھیجا تاکہ مصیبت زدوں کی ہمدردی کرے مگر تو نے ایسی تن آسانی اختیار کی کہ راحت پہنچانا تو درکنار دوسروں کو تکلیف دے کر بھی اپنی آسایش حاصل کرنے میں تجھ کو باک[7] نہ تھا - تیرے ہمسائے ہمارے بندے رات کو فاقے سے سوتے تھے اور تجھ کو سوء ہضم[8] کے علاج سے اُن کی پرداخت[9] کی پروا نہ تھی - تیرے پڑوس میں [illegible] جاڑے کی لمبی راتیں آگ تاپ تاپ کر سحر کرتے اور تو دوہرے دوہرے لحاف اور بھاری بھاری توشکوں میں چین سے پاؤں پھیلا کر سوتا - نعمت مال و دولت جو ہم نے تجھ کو عطا کی تھی تو نے [illegible] اور نمود و نمایش کی غیر ضروری چیزوں میں بہت کچھ تلف کی اور جو لوگ اس کے مستحق جو حاجت مند تھے ترستے کے ترستے رہ گئے - تیری سب نمایشیں مجھ کو معلوم ہیں تو نے درماندگی کا نام شمار کر چھوڑا تھا - جب تک سعی و تدبیر سے تجھ کو کار برآری کی امید ہوتی تھی تجھ کو ہرگز پروا نہیں ہوتی تھی کہ خدا بھی کوئی چیز ہے اور انتظام دنیا میں اُس کو بھی کچھ دخل ہے - مگر ہاں جب تو عاجز اور درماندہ ہوتا تھا

---

[1] تجھ جیسے لوگ - بنی آدم ۱۲ [2] عاجزی ۱۲ [3] خوش و خرم ۱۲ [4] پیاس ۱۲ [5] بھوک ۱۲ [6] یعنی یہی دو شکایتیں ہر وقت تیری زبان پر جاری تھیں ۱۲ [illegible] ہی بھوک جو کبھی کھانے سے سیر نہیں ہوتے ۱۲ [illegible] مسلمان [illegible] ہوتے ہیں ۱۲ [7] خوف ۱۲ [8] بدہضمی ۱۲ [9] پرورش ۱۲ [illegible] ۱۲ [illegible] جب [illegible] سے کام نہ چلتا تھا اور تو عاجز ہو جاتا تھا تو اس وقت تجھ کو خدا یاد آ جاتا تھا

تب تو خدا کو یاد کرتا تھا۔ اگر ہماری خدائی اور سلطنت تیری فرمانبرداری کی محتاج ہوتی تو تو نے اس کے اٹھا دینے میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ تو نے ہمارے فرمان واجب الاذعان کی بے حرمتی اور احکام لازم الاحترام کی بے توقیری کی اور تو نے اپنا برا نمونہ دکھا کر میرے دوسرے بندوں یعنی اپنے فرزندوں کو بھی گمراہ کیا۔ ہر روز تو لوگوں کو مرتے دیکھتا اور سنتا تھا کیا تجھ کو نہیں سمجھنا چاہیے تھا کہ ایک دن تو بھی مرے گا۔ خود تیری حالت میں کتنے کتنے انقلاب واقع ہوئے لڑکے سے جوان ہوا جوان سے بڈھا ناتوان بال تیرے سفید ہوئے۔ دانت تیرے ٹوٹے۔ کمر تیری جھکی۔ قوتوں میں تیری فتور آیا۔ غرض ہم نے تجھ کو سوتا دیکھ کر بہتیرا جھنجھوڑا۔ بہتیرے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دئے۔ کئی بار اٹھا اٹھا کر بٹھا بٹھا دیا مگر تیرے نصیب کچھ ایسے سوتے تھے کہ تو نے ہی کروٹ نہ لی ؎

تمامی عمر تو غفلت میں سویا ہمارا کیا کیا اپنا ہی کھویا

سخت گیری خود ہماری عادت نہیں اور سخت گیری ہم کریں بھی تو کس پر اپنے بندوں پر جن کا مارنا اور جلانا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہے مگر جب بندہ بندہ ہو اور ہم کو اپنا مالک سمجھے نہ خرناشخص کہ ہم تو دیں نون اور وہ کہے کہ میری آنکھیں پھوٹیں۔ ہم سے زیادہ بھی کوئی درگزر کرنیوالا ہوگا کہ ایک معذرت پر عمر بھر کے گناہوں کو ہم نے قاطبۃً بھلا بھلا دیا ہے۔ لیکن توبہ و استغفار ندامت و حسرت کا اظہار بھی تو کوئی کرے۔ ہماری رحمت حیلہ جو ہماری رافت بہانہ طلب کتنی کتنی بار جوش میں آئی مگر ہم نے اُس کو صرف کرنے کا موقع نہ پایا۔ اگر بندہ ہمارے ساتھ نسبت عبودیت صحیح رکھتا تو ہم اُس کی لاکھ برائیوں پر خاک ڈالتے ہم کو تو بڑی شکایت یہی ہے کہ اُس نے ہمکو معبود ہی نہ گردانا عالم اسباب میں رہ کر اسباب پرست ہو گیا۔ پھر ہم جو دیکھتے ہیں تو ہمارے احکام بھی کچھ سخت نہ تھے سکھانے کو ہم نے نہیں روکا سونے کو ہم نے منع نہیں کیا۔ تمتعات دنیوی

۱؎ حکم جسکا تعمیل کرنا ضروری ہو ۱۲ ۲؎ ہمارے احکام جن کی عزت کرنی لازم تھی ۱۲ ۳؎ بے عزتی ۱۲ ۴؎ ضعف آیا ۱۲ ۵؎ سختی کرنا ۱۲ ۶؎ خر۔ گدھا۔ ناشخص بے ٹھکانے ۱۲ ۷؎ عذر اہل اسلام کے ہاں لکھا ہے کہ اگر تمام عمر کوئی شخص برے کام کرے اور پھر خدا کے سامنے سچائی کے ساتھ عذر کرے تو اُسکے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ گویا گناہوں کا معاف کرنا اپنے اختیار میں ہے ذرا ندامت کا اظہار ہوا اور گناہ معاف ۱۲ ۸؎ بالکل ۱۲ ۹؎ معافی مانگنا ۱۲ ۱۰؎ یعنی خدا کی رحمت حیلے اور بہانے ڈھونڈا کرتی ہے ۱۲ ۱۱؎ شفقت یہ کسی قدر رحمت سے بڑھی ہوئی ہے یہ بھی موقع اور محل کی منتظر رہتی ہے ۱۲ ۱۲؎ بندگی ۱۲ ۱۳؎ دنیا کے فائدے ۱۲

ہم نے باز نہیں رکھا پھر جو تو نے ان کی بجا آوری نہ کی تو سوائے تیری بد نفسی[1] کے اور تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی - ای شخص نجات جس کا ثواب نہایت آرزومندی کے ساتھ خواہاں ہے اے کاش زندگی میں تجھ کو اس کی اتنی ہی پروا ہوتی جیسے اردیٔ[2] پر سفیدی - دنیا کے چھوٹے چھوٹے نقصان اور ذرا ذرا سے زیان تجھ کو مضطر[3] اور بے چین کر دیا کرتے تھے اگرچہ کیا دنیا اور کیا دنیا کا خسارہ[4] کیا بدی اور کیا بدی کا شور بالیکن تباہی دین کی تجھ کو خبر تک بھی تو نہیں ہوئی ای کاش تجھ کو نماز کے قضا ہونے کا اتنا ہی رنج ہوتا جتنا ایک مٹی کے پرانے آبخورے کے ٹوٹ جانے کا ہوتا تھا - ہم جانتے ہیں کہ اب تجھ کو بہت ہی بڑی ندامت ہے - لیکن اس ندامت کا کچھ ماحصل[5] نہیں اس واسطے کہ یہ دار الجزا[6] ہے دار العمل[7] نہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ تو ایک بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا لیکن حجت تمام کرنے کی نظر سے ہم تجھ کو مہلت دیتے ہیں جا اپنے نامۂ اعمال[8] کو دیکھ اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر کوئی بات ہم سے بیان کر بشرطیکہ معقول اور قابل قبول ہو -

خواب سے بیدار ہو کر نصوح کو اپنی اور اپنے خاندان کی لاعینی زندگی پر سخت تاسف ہوا اور اُسنے تلافی مافات[9] کا عہد کر کے فہمیدہ اپنی بی بی سے ماجرائے خواب بیان کیا اور اصلاحِ خاندان کیلئے اُسکو اپنا مددگار بنایا

باپ نے جو یہ رام کہانی سنائی بیٹے پر اس طرح کی ہیبت چھائی کہ جھنک پڑا - جاگا تو پھر وہی دالان تھا اور

[1] بدذاتی ۱۲ [2] محاورہ ہے مراد اس سے مقدار قلیل ہے یعنی ذرا سی بھی پروا ہوتی ۱۲ [3] بے قرار ۱۲ [4] گھاٹا نقصان ۱۲ [5] کچھ فائدہ نہیں ۱۲ [6] بدلے کا گھر یعنی جو کچھ دنیا میں کیا ہے یہ وقت اس کے بدلے کا ہے ۱۲ [7] کام کرنے کا گھر مراد اس سے دنیا ہے ۱۲ [8] وہ کاغذ جس میں انسان کے تمام برے بھلے کام جو اس نے دنیا میں کئے ہیں لکھے ہوں گے ۱۲ [9] جو کام کرنے سے رہ گیا تھا اس کا عوض یعنی اس نے اپنے دل میں عہد کیا کہ میں نے جو غفلت سے اپنا نقصان کیا ہے کسی طرح اس کی کسر نکالوں ۱۲

وہی تیمارداریوں کا سامان۔ بی بی پاس بیٹھی ہوئی آہستہ آہستہ پنکھا جھل رہی تھی۔ میاں کی آنکھ کھلی ہوئی دیکھ اُس کی جان میں بھی جان آئی ورنہ جس گھڑی سے میاں نے جی[1] بُرا کیا تھا سموں کے مارے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں تھا۔ نصوح آٹھ بجے ڈاکٹر کی دوا پی کر جو پڑا تھا تو اُس وقت کا سویا سویا اب کہیں دو بجے جاکر ہوشیار ہوا چونکہ ڈاکٹر کہہ گیا تھا کہ نیند آگئی تو جانتا کہ بیمار بچ گیا اس کے سونے سے سب کو تسلی سی ہوگئی تھی مگر جب زیادہ دیر ہوئی تو عورتیں پھر گھبرانے لگیں کہ نہیں معلوم کمبخت ڈاکٹر کیسی دوا پلا گیا ہے کہ دوپہر پڑے پڑے گزر گئے کروٹ تک نہیں بدلی۔ خدا جانے اندر سے جی کیسا ہے اور دل پر ایسی کیا آن بنی ہے کیونکر ہوش آئے گا دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ نصوح بیدار ہوا تو بی بی نے پوچھا کیسی طبیعت ہے اچھے سوئے کہ گھر میں رونا پیٹنا ہوا کیا اور تم کو خبر نہیں۔ بولو بات کرو کہ اوپر والوں[2] کو تسلی ہو۔ کسی بچے کے منہ میں دانہ تک گیا ہو تو حرام۔ چھوٹے بڑے سب کل کا کھائے ہوئے ہیں روتے روتے لڑکیوں کی آنکھیں سوج گئی ہیں۔ لڑکے ہیں کہ مضطر اور پریشان پھرتے ہیں۔ بی بی نے ہر چند دل جوئی کی باتیں کیں مگر نصوح کو خواب کا سارا ماجرا پیش نظر تھا مطلق جواب نہ دیا۔ بی بی سمجھی کہ بیماری کی وجہ سے بولنے کو جی نہ چاہتا ہوگا مگر وہ خدشہ[3] سب کے دل سے دفع ہوگیا۔ مبارک سلامت ہونے لگی اور گھر بھر نے بے رمضان کے عید منائی گو دیر ہوگئی تھی مگر لوگ بھوکے تھے بازار سے حلوا پوری منگوا کر سب نے تھوڑا بہت کھایا پیا کھانے ہی میں کسی نے یہ بات بھی چھیڑی کہ مریض کا غسل صحت ہو تو ایک رت جگا[4] بڑی دھوم سے کیا جائے اور اچھے ہونے کی شادی کریں۔ یہ لوگ تو شادی اور رت جگے کے ارادے کر رہے تھے اور نصوح اپنے خواب کے تصور میں غلطاں پیچاں[5] تھا۔ اُس کا دل مان گیا تھا کہ یہ خواب میرے وہم و خیال کا بنایا ہوا تو ہرگز نہیں ہے۔ ہو نہ ہو یہ ایک امر من جانب اللہ ہے خواب کیا ہے رویائے[6] صادقہ اور الہام[7] الٰہی ہے۔ باپ کا اظہار اس نے ایسی توجہ سے سُنا تھا کہ حرف بحرف نوک زبان یاد تھا جتنے الزام باپ پر لگائے گئے تھے غور کرتا تھا تو سب اپنے میں پاتا تھا بلکہ باپ کی حالت سے اپنی حالت کو مقابلہ کرتا تھا

[1] عورتوں کا محاورہ ہے قے کرنے کو کہتے ہیں ۱۲ [2] یعنی تیمارداروں کو اور گھر کے لوگوں کو تسلی ہو ۱۲ [3] اندیشہ ۱۲ [4] جب کوئی خوشی ہوتی ہے تو عورتیں رات بھر جاگتی اور گیت گاتیاں ہیں ۱۲ [5] حیران پریشان ۱۲ [6] سچا خواب ۱۲ [7] خدا کی طرف کا اشارہ ۱۲

تو کچھ نسبت نہ تھی۔ اُن مرحوم[1] کا یہ حال تھا کہ نماز روزے کے پابند۔ ورد و وظائف کے مقیّد۔ معاملے کے صاف بیوہار کے کھرے۔ لوگوں کے دیکھنے میں محتاط[2]۔ پرہیزگار۔ متّقی۔ دیندار۔ اور یہاں نماز بھی تھی تو کنڈے[3] دار۔ عیدین[4] تو ضرور اس واسطے کہ عید سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی تیوہار نہیں اس سے بھاری کوئی میلہ نہیں برس روز میں یہی دو دن تو ساز و سامان کی نمائش کے ہوتے ہیں۔ کوئی اپنے نئے شان دار کپڑوں میں اکڑ رہا ہے۔ کوئی گھوڑے کو چھیڑ چھیڑ کر کُداتا ہوا قصداً لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا چلا جا رہا ہے۔ کوئی نوکروں کی ہٹو بڑھو سن کر پھولا ہوا ہے۔ کوئی کرائے یا مانگے کے تانگے پر سوار گاڑی بان سے کہتا ہے چودہری کیسا سٹرل تانگہ بنا رکھا ہے گدا ہے تو میلا۔ پوشش[5] ہے تو پھٹی ہوئی نہ بیلوں کے گلے میں گھونگھرو۔ نہ پہیوں میں جھانجھ۔ خیر اب نماز کا وقت قریب ہے اتنا تو کر کہ وہ آگے اِکہ جا رہا ہے اُس کے برابر لگائے چل۔ مرد آدمی تجھ کو انعام لینے کا بھی سلیقہ نہیں رہا۔ جمعہ اگر کپڑے خوب صاف ہوئے اور دھوپ بھی ایسی سخت نہ ہوئی یا ابر و باد سے پاک ہوا دوست آشناؤں سے ملنے کو جی چاہا تو گئے ورنہ محلے ہی کی مسجد میں ٹرخالی[6] یا دل میں تاویل کرلی کہ شرائط جمعہ میں اختلاف ہے۔ پنج وقتی کو تو فرض و واجب کیا مستحب بھی نہیں سمجھا صبح اور ظہر اور عشا تو عمر بھر پڑھی ہی نہیں کیونکہ عین سونے کے وقت تھی۔ رہی عصر سو ہوا خوری اور سیر بازار و۔ خرید و فروخت دوست آشناؤں کی ملاقات دنیا بھر کی ضرورتوں کو بالائے طاق رکھتے تو ایک نماز پڑھتے۔ مغرب کے واسطے تو عذر ظاہر تھا وقت کی تنگی جب تک پھر پھرا کر گھر آئے حمرت[7] شفق زائل ہو جاتی تھی۔ یہ تو اُس عبادت کا حال تھا جس کو ثواب بے زحمت اور اجر بے تکان کہنا چاہیے اور جس عبادت میں ذرا سی تکلیف بھی تھی جیسے روزہ یا زکوٰۃ حتی الوسع[8] کوئی نہ کوئی حیلۂ شرعی اُس سے معاف رہنے کا سوچ لیا جاتا تھا۔ رجب کا مہینا آیا اور روزوں کے ڈر کے مارے ایک عجب طرح کا سہم چڑھا۔ سب سے آسان نسخہ[9] یہ کہ کسی طبیب کے یہاں

---

[1] رحم کیا گیا۔ مسلمانوں میں جب کوئی مر جاتا ہے تو اُس کی طرف اس لفظ سے اشارہ کیا کرتے ہیں ۱۲ [2] احتیاط والے ۱۲ [3] یعنی کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی ۱۲ [4] دونوں عیدیں یعنی عید بقرعید ۱۲ [5] اوپر ڈالنے کا کپڑا ۱۲ [6] یعنی بے دلی سے ادا کی ۱۲ [7] شفق کی سرخی۔ نماز مغرب کا وقت حمرت شفق کے زائل ہونے کے بعد نہیں رہتا ۱۲ [8] جہاں تک ہو سکتا تھا ۱۲ [9] تدبیر ۱۲

آنا جانا شروع کیا اُنھوں نے چند روزہ زندگی کے واسطے وہ وہ بکھیڑے کھڑے کر رکھے ہیں کہ روئے زمین پر اُن کے نزدیک کوئی تن درست ہی نہیں۔ یوں ملنے ملاقات کرنے جاؤ تو پان کی عوض نسخہ حوالے کر دیتے ہیں اور یہاں ایک دفعہ دوا پی اور روگ لگا۔ رمضان کے آتے آتے تو طبیعت خاص مخلوق مسہل[۱] ہو گئی اور حکیم صاحب کی بدولت روزوں سے بچ گئے۔ زکوٰۃ[۲] کا مال دینا تو کچھ بڑی بات نہ تھی نصاب[۳] پر حول[۴] کامل کیوں گزرنے دیں کہ زکوٰۃ دینی پڑے۔ جب دیکھا کہ برس پورا ہونے آیا بی بی کے نام زبانی ہبہ[۵] کر دیا۔ کہی کہاں گیا کچہری میں۔ جب بی بی پر وجوب زکوٰۃ کا وقت آیا پھر اپنے نام ہبہ کرا لیا اور ٹھیر[۶] آبدلائی کر کے خدا کو بالا بتایا[۷] یا مال کو ایسے پیرائے میں رکھا کہ زکوٰۃ سے بری رہے خاصی طرح دو کانیں مول لیں۔ مکان بنوائے اُن میں کرایہ دار بسائے کہ مال نامی[۸] آپ نامی زکوٰۃ ندارد غرض جہاں تک نصوح احتساب کرتا تھا اپنے تئیں دین سے بے بہرہ۔ ایمان سے بے نصیب۔ نجات سے دور۔ ہلاکت وتباہی سے قریب پاتا تھا جس عمل نیک پر نظر کرتا یا تو سرے سے اُس کے اعمال نامے میں تھا ہی نہیں اور تھا بھی تو ایک عمل اور سینکڑوں رخنے[۹]۔ ہزاروں فساد۔ دو چار نمازیں ہیں تو کاہلی و بے دلی و ریا[۱۰] سے خالی نہیں۔ کبھی جاڑے کے دنوں میں یا افطار و سحور[۱۱] میں شریک ہونے کی نظر سے جو روزے رکھنے کا اتفاق ہوا تھا تو ان میں دکھاوے اور ظاہرداری کا نقص تو تھا ہی تکلیف کی شکایت سے نیکی برباد گناہ لازم۔ کبھی کسی بھوکے ننگے کو وہ چیز جو اپنے مصرف کی نہ تھی دی تو اُس کو یوں اکارت[۱۲] کیا کہ ایک دفعہ دے کر سو سو بار احسان جتایا اور یہ سمجھے کہ بیچارے محتاج کو عمر بھر کو مول لے لیا

---

۱ جلاب ۱۲ ۲ مال کا چالیسواں حصہ جو برس پیچھے خدا کی راہ میں دیا جاتا ہے ۱۲ ۳ مال کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اقل درجہ چاندی کا دو سو درہم کے برابر ہے اور سونے کا بیس دینار کے برابر۔ درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے اور دینار ساڑھے چار ماشے کا ۱۲ ۴ پورا سال ۱۲ ۵ بخشش بلا عوض ۱۲ ۶ ٹھیر سے نئے پرانے باشندوں کا بہت ردوبدل کرتے رہتے ہیں ۱۲ ۷ ٹال دیا ۱۲ ۸ نامی کے دو معنی ہیں اول متعارف یعنی نامور مشہور اور دوسرا اسم فاعل نمو سے یعنی بالندہ اور روز افزوں۔ مال نامی میں دوسرے معنی مراد ہیں اور آپ نامی میں پہلے ۱۲ ۹ لفظی معنی سوراخ یعنی خلل ۱۲ ۱۰ دکھاوا ۱۲ ۱۱ افطار روزہ کھولنے کو کہتے ہیں اور سحور آخر شب کے اُٹھنے کو کہ اس وقت مسلمان کھانا پی کر روزہ شروع کر دیتے ہیں ۱۲ ۱۲ ضائع کر دیا ۱۲

بھول لے لیا۔ خلاصہ یہ کہ کوئی عمل نیک نہ تھا جو خالصۃً للہ ہو اور انصافاً اس کے ثواب کی توقع اس سے
کی امید کی جائے۔ ان خیالات سے نصوح کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ بے اختیار ہو کر رو دیا اور کہنے لگا
الٰہی مجھ سے زیادہ نالائق، بکار، ناکس، ناہنجار بھی کوئی شخص ہوگا کہ میں نے اپنی ساری عمر تیری نافرمانی میں
گنوائی۔ کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا یا پیدا ہوا تھا تو معصیت پر قدرت نہ رکھتا۔ کوئی ایسی سخت مصیبت
مجھ پر پڑتی کہ سر کھجانے کی فرصت نہ دیتی۔ مجھ پر بجلی نہ گری، آسمان نہ ٹوٹ پڑا۔ مجھ کو سانپ نہ سونگھ گیا۔
ہیضہ کر کرا کے میں جیتا پھر اُٹھ بیٹھا۔ لعنت ہے مجھ پر اگر اب مدت العمر گناہ کے پاس پھٹکوں۔ تف
ہے میری زندگی پر اگر پھر معصیت پر اقدام کروں۔ یہ عہد اپنے جی میں استوار کر کے اُس کو پھر اپنی عمرِ تلف شدہ
کا خیال آ گیا اور دل میں کہنے لگا کہ میں نے ساری عمر جو اس تباہ حالت میں غارت کی اُس کی تلافی کچھ بھی
میرے اختیار میں نہیں اور بڑی بے انصافی ہے کہ میں جرم کروں اور سزا نہ پاؤں۔ گناہ کروں اور اُس کا پاداش
نہ بھگتوں۔ نصوح کو اپنے گناہوں پر اُس وقت اتنی ندامت تھی کہ مرنے کو وہ اپنی ایک ادنیٰ سی سزا سمجھتا
تھا۔ مگر پھر اُس کے جانبر ہونے کی خوشی منا رہا تھا اور اس کو افسوس تھا کہ میں مر کیوں نہیں گیا۔ علالت
کی وجہ سے اُٹھنے سے معذور تھا مگر تکیے پر اوندھا سر کیے ہوئے پڑا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خدایا میں تو اسی قابل
ہوں کہ دوزخ میں جھونک دیا جاؤں مگر جو تو نے اپنے فضل سے پھر چند روز کے واسطے دنیا میں رکھ لیا ہے تو ایسی
توفیق عطا کر کہ نکوکاری اور تیری اطاعت و فرمانبرداری میں رہوں اور میری زندگیِ چند روزہ زندگی کا نمونہ ہو
اپنے نفس کے احتساب سے فارغ ہوا تو نصوح کو خاندان کا خیال آیا۔ دیکھا تو بی بی بچے سب ایک رنگ میں
ہیں۔ دنیا میں منہمک۔ دین سے بے خبر۔ تب یہ دوسرا صدمہ نصوح کے دل پر ہوا کہ واحسرتا میں تو تباہ ہوا
ہی تھا میں نے ان تمام بندگان خدا کی بھی باٹ ماری۔ اپنی شامت اعمال کیا کم تھی کہ میں نے ان سب کا
وبال سمیٹا۔ مجھ کو خدا نے اس گھر کا مالک اور سردار بنایا تھا اور اتنی روحیں مجھ کو سپرد کی تھیں افسوس میں نے
ودیعتِ ایزدی کو تلف کیا اور امانت الٰہی کی نگہداشت میں مجھ سے اس قدر سخت غفلت ہوئی یہ سب لوگ

---

۱ خالص خدا کے لئے ۱۲ ۲ نالائق۔ بیہودہ ۱۲ ۳ گناہ ۱۲ ۴ جب تک جیتا رہوں ۱۲ ۵ سبقت
کروں ۱۲ ۶ مضبوط ۱۲ ۷ جو عمر کہ بے کار کھو چکا تھا ۱۲ ۸ سزا ۱۲ ۹ زندہ بچ جانے ۱۲ ۱۰ مصروف ۱۲
۱۱ وا افسوس ۱۲ ۱۲ رستہ کھوٹا کیا ۱۲

میرے بچے میرے طبع اور میری [illegible] تابع تھے میں نے اپنا برا نمونہ دکھا کر اُن سب کو گمراہ کیا اگر میں قدغن رکھتا تو یہ کیوں بگڑتے اور یہ بگڑے ہیں تو [illegible] ان سے جو نسل چلے گی وہ بھی بگڑے گی غرض میں دنیا میں بدی کا بیج بو چلا جو لوگ خدا کے اچھے بندے ہوتے ہیں باقیات الصالحات اور یادگار نیک دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں میں ایسا بدبخت ہوا کہ مجھ سے یادگار بھی رہی تو بدی جب تک میری نسل رہے گی بڑھتی اور پھیلتی جائے گی جب یہ لوگ خدا کے روبرو جواب دہی کے واسطے حاضر ہوں گے تو آخر کہیں گے کہ ہم کو کسی نے راہ نیک بتلائی نہیں تو میں کیا جواب دوں گا یہ خیال کر کے نصوح پھر ایک مرتبہ پکار کر رو دیا اور دوسرا عہد اُس نے یہ کیا کہ جتنے لوگ میرے خاندان میں ہیں سب کی اصلاح وضع کروں گا اور پھر اُس نے خدا سے دعا کی کہ اے الٰہ العالمین تو اس ارادے میں میری مدد کر جو مشکل پیش آئے آسان ہو جائے میری بات میں اثر دے اور میرے عزم میں استحکام۔ نصوح کو ایسی ٹھوکر نہیں لگی تھی کہ وہ اُس کو بھول جاتا متنبہ ہوئے پیچھے اُس کو اپنی اصلاح دشوار نہ تھی مگر اصلاح خاندان ایک بڑا مشکل کام تھا وہ بخوبی واقف تھا کہ دینداری اور خداپرستی میرے خاندان کے لیے بالکل نئے الفاظ ہیں جن سے چھوٹے بڑے کسی کے کان آشنا نہیں وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ گھر بھر ایک طرف ہوگا اور میں اکیلا ایک طرف نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنے گا اور میں ایک سور ما چنا بن کر کیوں کر معصیت کے بھاڑ کو پھوڑ ڈالوں گا پس وہ غور کرنے لگا کہ کس کو اپنا مددگار بنائے کس کو صلاح کار قرار دے آخر یہی دل میں آیا کہ اصلاح خاندان کے لئے بی بی سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں اور خدا کو کچھ اس خاندان کی فلاح ہی منظور تھی۔ نصوح نے بی بی کو پڑھا لکھا بھی لیا تھا۔ جب نصوح کا نیا نیا بیاہ ہوا اُن ہی دنوں تعلیم نسواں کا چرچا شروع تھا نئی نئی کتابیں جو عورتوں کے واسطے جاری ہوئی تھیں نصوح نے سب کو بہت شوق سے دیکھا تھا اور اُس کا دل اس بات کو مان گیا تھا کہ عورتوں کے لکھانے پڑھانے میں چند در چند فوائد دینی و دنیوی مضمر ہیں چنانچہ اُس نے بعض کتابوں میں سے بعض مقامات دل چسپ بی بی کو پڑھ کر سنائے لکھائی کی بات سبھی کو بھلی معلوم ہوتی ہے بی بی نے بھی اُس کو تسلیم کیا کہ عورتوں کے لئے پڑھنا بہت مفید ہے بال بچوں کا کچھ بکھیڑا نہ تھا میاں سے پڑھنے

---

۱ ہم ترکی لفظ ہے اُسکے معنی تاکید و تنبیہ کے ہیں ۱۲ ۲ اچھے یادگار نیک کام ۱۲ ۳ اے تمام جہانوں کے معبود ۱۲ ۴ ارادہ ۱۲ ۵ جڑ ۱۲ ۶ عورتوں کے پڑھانے ۱۲ ۷ پوشیدہ ۱۲ ۸ دل کو لگتے ہوئے ۱۲

شروع کیا تو چار پانچ مہینے میں اُردو لکھنے پڑھنے لگی تب سے اب تک تھوڑا بہت شغل[1] چلا ہی جاتا تھا نصوح کو اس وقت بی بی کا پڑھا ہونا بہت ہی غنیمت معلوم ہوا اور سمجھا کہ بی بی یوں بھی خدا کے فضل سے اسم با مسمیٰ فہمیدہ[2] ہے۔ اس کو سمجھا لینا تو چنداں دشوار نہیں رہے بچے جن کی عمر چھوٹی ہے وہ بھی اصلاح پذیر ہیں۔ بڑی دقت بڑی عمر والوں کی ہے ایک بیٹا ایک بیٹی بیاہے جا چکے تھے سمجھا کہ دونوں اپنے اپنے گھر کے ہیں کسی پر میرا اختیار باقی نہیں اور ہو بھی تو جوان بیٹا جوان بیٹی مار میں نہیں سکتا گھرک میں نہیں سکتا۔ نرا سمجھانا اور وہ بھی اس عمر میں بڑھے طوطوں[3] کا پڑھانا ہے۔ آخر وہ کہیں گے نہیں کہ بُرے ہیں تو بدین ہیں تو تم ہی نے ہم کو ایسا اُٹھایا اور جب ہماری عادتیں راسخ[4] اور خصلتیں طبیعت ہو گئیں تو اب ہم کو ان کا ترک کرنا تعلیم کرتے اور ہم کو ناحق ملزم بناتے ہو۔ یہ سوچنا تھا کہ نصوح کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور سمجھا کہ ان دو کی اصلاح محال ہے۔ اس کو زیادہ تر افسوس اس بات کا تھا کہ خدا کے فضل سے دونوں کے آگے اولاد ہے جس طرح میری بدی نے میری اولاد میں اثر کیا کیا اُنکی بدی اُنکی اولاد میں سرایت نہ کرے گی مگر پھر بھی نصوح نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ان شاء اللہ اپنے مقدور بھر تو کوشش کروں گا یا تو راہ راست ہی پر آئیں گے یا جیتے جی چھوڑ دوں گا۔ جو خدا کا نہیں وہ میرا پہلے نہیں۔ منجھلے[5] بیٹے اور منجھلی بیٹی کی طرف سے بھی نصوح کو خوب اطمینان نہ تھا اور جانتا تھا کہ ان کے ساتھ بھی دقت کرنی پڑے گی۔ لیکن اُس کا ارادہ ایسا مستحکم تھا کہ کوئی مشکل اس کو روک نہیں سکتی تھی اور وہ مضطرب[6] اور مستعجل[7] اس قدر تھا کہ چاہتا تھا ہتھیلی پر سرسوں[8] جما لوں۔ ابھی اچھی طرح بدن میں اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہیں آئی تھی کہ اس نے بی بی سے کہا تھوڑا سا پانی گرم کرا دو تو میں نہا لوں۔ بیوی۔ کیا غضب کرتے ہو ہاتھ پاؤں میں ذرا دم تو آنے دو نہانے کی ایسی کونسی ساعت[9] ٹلی جاتی ہے جب

---

[1] شغل ۱۲ [2] فہمیدہ کے معنی سمجھدار کے ہیں مراد یہ ہے کہ صرف نام ہی فہمیدہ نہ تھا بلکہ تھی بھی سمجھدار ۱۲ [3] قاعدہ ہے کہ طوطے کا بچہ جو باتیں سکھاؤ سیکھ جاتا ہے اور بڑا ہو کر وحشی کا وحشی رہتا ہے یہاں یہ معنی ہیں کہ یہ بڑے ہو گئے ہیں ان کی اصلاح مشکل ہے ۱۲ [4] پکی۔ مضبوط ۱۲ [5] بڑے سے چھوٹا اور چھوٹے سے بڑا۔ بیچلا ۱۲ [6] بے چین ۱۲ [7] جلدباز ۱۲ [8] محاورہ ہے کام میں بے موقع جلدی کرنے سے مراد لی جاتی ہے ۱۲ [9] گھڑی۔ مگر یہاں مراد ہے وہ گھڑی جو نجومی نے یا مذہب نے ٹھہرا دی ہو ۱۲

اصل خیر[1] سے چلنے پھرنے لگو گے خاصی طرح حمام میں جا کر غسل کرنا۔ میاں۔ میں نماز پڑھنی چاہتا ہوں علالت میں طرح طرح کی بے احتیاطی ہوئی ہے جی قبول نہیں کرتا کہ اسی حالت سے نیت[2] باندھ لوں۔ بیوی۔ کیا اچھے ہو بیٹے نفل[3] مانے تھے۔ بی بی نے جو نماز کی سُن کر ایسا تعجب ظاہر کیا نصوح پر گھڑوں[4] پانی پڑگیا اور جی میں کہنے لگا کہ اللہ اللہ مجھ میں اور نماز میں اتنی دوری ہے کہ گھر والی بی بی سنکر تعجب کرتی ہے ؎

وائے[5] بر من وائے بر انجام من — عار دارد کفر از اسلام من

اور ایک آہ سرد کھینچ کر بی بی سے کہا کہ اگر میں نفلیں پڑھنے والا ہوتا تو بھلے ہی دن نہ ہوتے۔ بی بی۔ منت[6] نہیں۔ نیاز[7] نہیں تو پھر کیا جلدی ہے نماز کہیں بھاگی نہیں جاتی اچھی طرح تندرست ہو جاؤ گے تو بہتیری نمازیں پڑھ لینا۔ اب نصوح وہ نصوح نہیں رہا تھا کہ بی بی کو ایسی بے وقعتی[8] کے ساتھ نماز کا تذکرہ کرتے ہوئے سنتا اور اسکو ناگوار نہ ہوتا۔ غصّہ تو آیا مگر پھر اپنے جی میں سمجھا کہ بی بی کا کچھ قصور نہیں جس کا شوہر بے دین ہو اُس کے ایسے ہی خیالات ہونے چاہئیں۔ تمام تر میری ہی خطا ہے اور ایک میری بے دینی نے سارے گھر کو تباہ کر رکھا ہے۔ بی بی سے اُس وقت رد و کد کرنا مناسب نہ سمجھ کر اتنا ہی کہا کہ افسوس میری ناکارہ صحبت نے تم کو کس قدر گمراہ کر دیا کہ فرض خدا کو تم نے ایک سرسری[9] سا کام سمجھا۔ غرض بی بی کے منع کرتے کرتے نصوح نے غسل کر کپڑے بدل نماز پڑھی۔ آج نصوح کی یہ پہلی نماز تھی کہ اُس کو داخل عبادت کر سکتے ہیں وہ اس طرح ہاتھ باندھے ہوئے مودب کھڑا تھا جیسے کسی بادشاہ عالی جاہ کے روبرو کوئی خونی کھڑا ہوتا ہے آنکھیں زمین میں سی ہوئی تھیں ہیبت[10] سلطانی اُس پر ایسی چھا رہی تھی کہ نہ ہلتا تھا نہ ہلتا تھا بس ایک بت کی طرح بے حس[11] و حرکت کھڑا ہوا تھا۔ عاجزی اور فروتنی اس کے چہرے سے ظاہر تھی حکم کے مطابق کھڑا تھا لیکن[12] جھک جھک جاتا تھا اور گر گر پڑتا تھا غرض ایسی ایسی حرکتیں اس سے سرزد ہوتی تھیں کہ خواہ مخواہ دیکھنے والے کو رحم آئے۔ ہفتے عشرے تک علالت کا کسل[13] رہا۔ پھر تو خدا کے فضل سے نصوح بدستور توانا

---

[1] خیر و خوبی سے۔ عورتوں کی بولی ہے ۱۲ [2] نماز پڑھنے لگوں ۱۲ [3] نماز جو فرض کے علاوہ پڑھی جائے ۱۲ [4] محاورہ ہے یعنی مارے شرمندگی کے اتنا پسینہ آیا کہ جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا ہو ۱۲ [5] افسوس میرے انجام پر میرے اسلام سے کفر بھی شرماتا ہے ۱۲ [6] نذر ۱۲ [7] نذر ۱۲ [8] بے قدری ۱۲ [9] آسان ۱۲ غیر ضروری ۱۲ [10] بادشاہ کا خوف ۱۲ [11] نہ ہلتا تھا نہ جلتا تھا ۱۲ [12] عاجزی ۱۲ [13] یہ نماز کا رکوع ۱۲ یہ نماز کا سجدہ ۱۲ تکان ۱۲

تندرست ہوگیا مگر بیماری کے بعد اُسکی عادتیں اکثر بدل گئی تھیں۔ ہر وقت تو وہ کچھ سوچ میں رہتا تھا بے ضرورت بکنا بے تمیزی کے ساتھ ہنسنا لایعنی[1] باتوں میں شریک ہونا اُس نے مطلقاً چھوڑ دیا تھا لیکن اس کے ساتھ لینت[2]۔ تواضع[3]۔ وسعتِ[4] اخلاق۔ انکسار[5] یہ صفتیں بھی اس میں آگئی تھیں بیماری سے پہلے اسکی بدمزاجی اس درجے کی تھی کہ گھر والے اسکو ہوّا[6] سمجھتے تھے۔ دروازے کے اندر اُس نے قدم رکھا اور کیا چھوٹے کیا بڑے سب پر ایک سہم چڑھا۔ اگر بھولے سے کوئی چیز بے موقع پڑی رہ گئی اور اُس نے دیکھ پائی سب پر ایک آفت توڑ ماری۔ کھانے میں (اٹکل ہی تو ہے) ذرا نمک زیادہ ہوگیا یا مٹھلونا[7] رہ گیا بس اُسی روز جانو کہ گھر میں فاقہ ہوا کتنے تو پیالے شہید ہوئے کتنی رکابیوں کا خون ہوا۔ سارے محلے میں خبر ہوئی کہ آج کھانا بگڑا۔ بچوں کو بات بات میں جھڑکی بات بات میں گھُرکی یا اب نصوح کے سر پر ڈھول[8] بجاؤ کچھ خبر نہیں۔ بلکہ فہمیدہ بچوں کو شوخی کرتے دیکھ خفا ہوتی اور کہتی کیسے ناہموار بچے ہیں باپ کا تو یہ حال ہے اور یہ اُنھیں کے کان میں جاکر شور کرتے ہیں ذرا ڈر نہیں دیکھو اکٹھی ہی کسر نکلے گی۔ شروع میں نصوح کا یہ انداز دیکھ کر گھر والوں کو بڑا کھٹکا[9] تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بیماری سے اُٹھے ہیں ضرور ہے کہ پہلے سے زیادہ نازک مزاج ہوگئے ہوں گے اس بلا کا غصہ بڑھا ہے کہ کسی سے بولتے ہی نہیں دیکھئے یہ قہر کسپر[10] ٹوٹتا ہے کس کی شامت آتی ہے۔ مگر نصوح نے ایسا جلاب نہیں لیا تھا کہ اس نے خون میں ذرا سی گرمی بھی لگی رہنے دی ہو۔ لوگ بیماری سے اُٹھ کر چڑچڑے اور بدمزاج ہوجاتے ہیں اور نصوح حلیم[11] و بُردبار[12] نرم دل و خاکسار ہو کر اُٹھا تھا۔ معاملات روزمرہ[13] میں اُسکی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ جو رکھ دیا چاؤ سے کھا لیا جو دے دیا خوشی سے پہن لیا۔ نہ حجت نہ تکرار نہ غل نہ غپاڑا نصوح کی عادت بدلی تو لوگوں کی مدارت[14] بھی اُس کے ساتھ بدل چلی۔ جو پہلے ڈرتے تھے اب اسکا ادب ملحوظ رکھتے جن کو وحشت و نفرت تھی اب اُسکے ساتھ انس و محبت کرتے۔ تھوڑے ہی دنوں میں گھر شور و شغب[15] سے پاک اور لڑائی جھگڑے سے صاف ہوگیا۔ ابتداءً نصوح کو نماز وغیرہ کا اہتمام کرتے دیکھ کر گھر والوں نے

---

[1] بے مطلب کی ۱۲ [2] نرمی ۱۲ [3] خاکساری ۱۲ [4] ہر ایک سے خاطرداری کے ساتھ پیش آنا ۱۲ [5] عاجزی ۱۲ [6] ڈرنے کی چیز ۱۲ [7] پھیکا ۱۲ [8] مطلب یہ ہے کہ کتنا ہی غل کرو ۱۲ [9] خدشہ ۱۲ [10] غصہ ۱۲ [11] برداشت کرنیوالا ۱۲ [12] لفظی معنی ہیں بوجھ اٹھانیوالا مراد ہے سخت بات کا سہار جانیوالا ۱۲ [13] ہر روزہ ۱۲ [14] برتاؤ ۱۲ [15] غل غپاڑا ۱۲

اچھا کیا تھا لیکن پھر تو بے کہے دوسروں پر خود بخود ایک اثر سا ہونے لگا اور نصوح اسی کا منتظر تھا کہ لوگ
اس طرز اجنبی سے کسی قدر مانوس[1] اور خوگر ہو لیں تو اپنا انتظام شروع کروں۔ نصوح کی جہاں اور عادتیں بدلی
تھیں وہاں ایک یہ بھی تھی کہ وہ خلوت[2] پسند ہو گیا تھا۔ تمام تمام دن اکیلا بالاخانے پر بیٹھا رہتا۔ بے بلائے
اگر کوئی جاتا تو یہ بھی نہ تھا کہ اس سے بات چیت نہ کرے بعض کو یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید نیند بڑھ گئی ہے کوئی
یہ سمجھتا تھا کہ اترنے چڑھنے کی توانائی نہیں آئی۔ مگر فہمیدہ کو اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا کبھی نماز پڑھتے
دیکھا کبھی چپ بیٹھے ہوئے آخر ایک روز پوچھا کہ اکیلے تنہا چپ چاپ بیٹھے ہوئے تمہارا جی نہیں گھبراتا
تھوڑی دیر کو نیچے ہی اتر آیا کرو بال بچوں کی باتوں میں دل بہلے۔ مجھ کو گھر کے کام دھندے سے
فرصت نہیں ملتی۔ نصوح۔ میں تم سے اس بات کی شکایت کرنے والا تھا کہ جب سے میں بیمار ہو کر
اٹھا ہوں. مصرع تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیوں زرد ہوا۔
کیا تم کو میرے عادات میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ فہمیدہ۔ رات دن کا تفاوت زمین آسمان کا فرق۔
اور پوچھنے کو تمہارے سر کی قسم کئی بار منھ تک بات آئی مگر تمہارا ڈھنگ دیکھ کر جرأت[3] نہ ہوئی کہ پوچھوں
نصوح۔ ڈھنگ کیسا۔ فہمیدہ۔ برا ماننے کی بات نہیں مزاج تمہارا سدا کا تیز ہے یوں ہی ہم سب لوگ
تم سے ڈرتے رہتے ہیں جب سے بیمار ہو کر اٹھے ہو سب کو خوف تھا کہ ایک تو کریلا دوسرے نیم چڑھا[4] پہلے ہی
سے بلا کا غصہ ہے اب بیماری کے بعد کیا ٹھکانا ہے۔ ادھر تم کو دیکھا تو کسی کی طرف ملتفت[5] نہ پایا سمجھے کہ ضرور
طبیعت برہم اور مزاج نادرست ہے پھر کس کی جرأت۔ کس کو اتنی ہمت کہ پوچھے اور دریافت کرے نصوح
کیوں صاحب کبھی تم نے مجھ کو میرے مزاج کی خرابی پر متنبہ[6] نہ کیا۔ فہمیدہ۔ تنبیہ کرنا تو درکنار بات
کرنے کا تو یارا[7] ہی نہ تھا۔ نصوح۔ لیکن ان دنوں تو میں کسی پر ناخوش نہیں ہوا۔ فہمیدہ۔ گھر بھر کو اس کا
تعجب ہے۔ نصوح۔ آخر لوگ اس کا سبب کیا قرار دیتے ہیں۔ فہمیدہ۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وبا میں
کثرت سے لوگوں کو مرتے دیکھا اپنے گھر میں تین موتیں ہو گئیں خود بیمار پڑے اور خدا کے گھر سے
پھر کر آئے دل میں ڈر بیٹھ گیا ہے۔ تمہارے بڑے صاحب زادے یہ تجویز کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نے

---

[1] ہل مل جائیں ۱۲ [2] تنہائی کا پسند کرنے والا ۱۲ [3] ہمت۔ دلیری ۱۲ [4] یہ کہاوت ہے کہ کریلا اپنی ذات سے کڑوا دوسرے چڑھا نیم پر اور بھی کڑواہٹ آگئی ۱۲ [5] متوجہ ۱۲ [6] آگاہ ۱۲ [7] مجال ۱۲

جو اسہال[1] بند کرنے کی دوا دی دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے۔ بہر کیف سب کی یہی رائے ہے کہ علاج کرنا چاہیئے۔ نصوح۔ نہ گرمی ہے نہ خلل دماغ ہے خوف البتہ ہے۔ فہمیدہ۔ مرد ہو کر تم اتنے ڈر گئے آخر ہم سب بھی تو اسی آفت میں تھے۔ نصوح۔ تم ہرگز اس آفت میں نہ تھیں۔ فہمیدہ۔ یعنی یہ کہ میں نے ہیضہ نہیں کیا لیکن تمہارا ہیضہ کرنا مجھ کو اپنے مرنے سے زیادہ شاق[2] تھا۔ نصوح۔ نہیں ہیضہ کرنے کی بات نہیں۔ بیماری اگرچہ ظاہر میں سخت تھی مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ شروع سے آخر تک میرے ہوش و حواس سب درست تھے تمہاری ساری باتیں میں سنتا اور سمجھتا تھا۔ ابتدائے علالت میں جو تم لوگوں نے ہیضۂ امتلائی تجویز کیا پھر صبح کو حکیم صاحب تشریف لائے اور میری کیفیت تم نے ان سے بیان کی پھر ڈاکٹر آئے اور انھوں نے دوا پلائی مجھ کو سب خبر ہے۔ جب تم لوگوں نے ڈاکٹر کے کہنے سے مجھ کو علیحدہ دالان میں لٹایا تو مجھ کو غنودگی[3] سی آگئی اور میں نے اپنے تئیں دوسرے جہان میں دیکھا۔

اس کے بعد نصوح نے خواب کا سارا ماجرا حرف بحرف بی بی سے بیان کیا۔ مردوں کی نسبت عورتوں کے دلوں میں نرمی اور رقت[4] زیادہ ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مذہبی تعلیم عورتوں میں جلد اثر کرتی ہے۔ فہمیدہ نے جو میاں کا خواب سنا اس قدر خوف اس پر طاری[5] ہوا کہ قریب تھا کہ غش آجائے۔

نصوح۔ اگرچہ تنہائی میں اپنے گناہوں پر تاسف[6] کر کے ہر روز دو چار مرتبہ رو لیا کرتا تھا اور ظاہر میں نہیں بھی روتا تھا تو اندر سے اس کا دل ہر وقت رونا رہتا تھا اب بی بی کی ہمدردی اور ہمدمی کا سہارا پا کر تو اتنا رویا اتنا رویا کہ گھگھی بندھ گئی۔ فہمیدہ پہلے ہی خوف زدہ ہو رہی تھی میاں کا رونا اسکے حق میں اونگھتے کو ٹھیلتے[7] کا بہانہ ہوا اس نے بھی بلبلا کر رونا شروع کیا۔ پھر تو دونوں میاں بی بی ایسا روئے کہ ساون[8] بھادوں کا سماں بندھ گیا۔ آخر نصوح نے اپنے تئیں سنبھالا اور بی بی سے کہا کہ دنیا میں اگر کوئی چیز رونے کے قابل ہے تو میرے نزدیک گناہ اور خدا کی نافرمانی ہے اور بس کیونکہ کوئی مصیبت کوئی آفت گناہ سے بڑھ کر نہیں۔ دنیا کے نقصانوں پر رونا بے فائدہ دیدے کھونا ہے

---

[1] دست ۱۲ [2] ناگوار ۱۲ [3] اونگھ ۱۲ [4] گداز پن ۱۲ [5] چھا گیا ۱۲ [6] افسوس ۱۲ [7] کہاوت ہے کہ اونگھتے کو ذرا جھکا دو تو وہ نہ لیٹتا بھی ہو تو لیٹ جائے ۱۲ [8] ساون بھادوں دو برسات کے مہینے ہیں جن میں اکثر پانی بہت برستا ہے ۱۲

مگر گناہ پر رونا گویا داغ الزام کو دھونا ہے۔ رونا کفارۂ[1] معصیت ہے۔ رونا گناہ گار کے لیئے بہترین معذرت ہے۔ رونا رحمت کی دلیل اور مغفرت کا کفیل[2] ہے۔ لیکن ہم کو اپنی آئندہ زندگی کا انتظام بھی کرنا ضرور ہے۔ ندامت[3] وہی سند ہے کہ افعال[4] مابعد میں اس کا اثر ظاہر ہو۔ تو بہ وہی پکی ہے کہ آدمی جو دل میں سوچے یا منھ سے کہے ویسا ہی کر دکھائے۔ فہمیدہ۔ لیکن اتنی عمر اس خرابی میں بسر[5] کی اب نجات و مغفرت کی کیا امید ہے میں تو جانتی ہوں کہ ہمارا مرض علاج سے درگزرا۔ نصوح۔ خدا کی رحمت سے مایوس[6] ہونا بھی کفر ہے۔ وہ بے نیاز[7] بڑا غفور[8] رحیم[9] ہے۔ کچھ اُس کو ہماری عبادت کی پروا نہیں۔ اگر روئے زمین کے تمام آدمی اُس کی نافرمانی کریں تو اُس کی ابدی[10] اور دائمی[11] سلطنت میں ایک سر مو[12] برابر بھی فرق نہیں آئے گا اور اسی طرح اگر تمام زمانہ فرشتہ سیرت[13] ہو جائے اور سارے آدمی شبانہ روز[14] مصروف[15] عبادت رہیں تو اس کی عظمت[16] اور کبریائی[17] میں ایک رائی کے دانے کی قدر بھی زیادتی اور افزونی نہ ہوگی۔ اگر خدا کو اپنی پرستش اور عبادت ہی کرانی منظور ہوتی تو وہ نافرمان گنہگار سرکش متمرد[18] انسان کی جگہ فرشتے پیدا کر سکتا تھا۔ پھر یہ باتیں جو ہم پر فرض و واجب کی گئی ہیں ہماری ہی اصلاح ہماری ہی بہبود[19] کے لیئے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس میں پرلے سرے کا رحم اور غایت درجے کا حلم ہے۔ لاکھ گناہ کرو جہاں عجز و الحاح[20] کیا منت و زاری سے پیش آئے بس پھر کچھ نہیں ؎

اگر خشم[21] گیرد بکردار زشت ۔ چو باز آمدی ماجرا در نوشت

وہ معبود جابر نہیں سخت گیر نہیں کینہ ور نہیں مگر ہے کیا کہ غیور[22] بڑا ہے اس کی مطلق برداشت نہیں کہ کسی کو اُس کا شریک خدائی گردانا جائے۔ فہمیدہ۔ کتنا ہی درگزر کیوں نہ ہو مگر اپنے گناہوں کی بھی

---

[1] جس سے گناہ جھڑ جائیں ۱۲ [2] ضامن ۱۲ [3] شرمندگی ۱۲ [4] توبہ کے بعد کے کام ۱۲ [5] گزاری ۱۲ [6] ناامید ۱۲ [7] جو کسی کی پروا نہ کرے کسی کا محتاج نہ ہو ۱۲ [8] معاف کرنے والا ۱۲ [9] رحم کرنے والا ۱۲ [10] سدا سدا کو رہنے والی ۱۲ [11] ہمیشہ ٹھہرنے والی ۱۲ [12] بال برابر ۱۲ [13] فرشتوں کی سی خصلت ۱۲ [14] رات دن ۱۲ [15] مشغول ۱۲ [16] شان ۱۲ [17] بڑائی ۱۲ [18] اونچا درجہ ۱۲ [18] خودسر ۱۲ [19] بہتری ۱۲ [20] گڑگڑانا ۱۲ [21] اگر کسی برے کام پر ناراض ہو جائے جب اس کی طرف رجوع کرو بات گئی گزری ہوئی ۱۲ [22] غیرت مند ۱۲

کچھ انتہا ہی ۔ ماں باپ کو جیسی اولاد کی ماتا ہوتی ہی ظاہر ۔ مگر دیکھو کلیم کی حرکتوں سے میرا تمھارا دونوں کا جی آخر کھٹا ہو ہی گیا ۔ کتنی برداشت کہاں تک چشم پوشی ۔ نصوح ۔ خدا کی پاکیزہ اور کامل صفتوں کو آدمی کی ناقص و ناتمام عادتوں پر قیاس کرنا بڑی غلطی ہی ۔ تمام دنیا کے ماں باپوں کو جو اولاد کی محبت ہی وہ ایک شمہ[1] ہی اُس عنایت بے غایت[2] اور لطف و شفقت بے منت[3] کا جو خداوند کریم ہر حال میں اپنے بندوں پر فرماتا ہی ۔ گناہ اور نافرمانی انسان کے خمیر میں ہی ۔ اگر بندوں کے گناہ پر اُسکو نظر ہوتی تو ہر ہر متنفس[4] کشتنی[5] اور گردن زدنی[6] تھا ۔ دنیا کا ہے کو بستی ۔ لیکن اللہ رے درگزر ۔ گناہ بھی ہو رہے ہیں اور رزق کا راتب[7] جو سرکار سے بندھا ہی موقوف ہونا کیسا کبھی ناغہ بھی تو نہیں ہوتا ۔ سانس لینے کو ہوا تیار ۔ پینے کو پانی موجود ۔ آرام کرنے کو رات کام کرنے کو دن ۔ رہنے کو مکان ۔ وہی چاند ۔ وہی سورج ۔ وہی سامان ۔ وہی زمین وہی آسمان ۔ وہی برسات ۔ وہی فواکہ[8] و نباتات[9] جملہ اعضا[10] ۔ ہاتھ پاؤں آنکھ کان ۔ اپنی اپنی خدمت پر مستعد ۔ نہ ماندگی نہ کسل نہ تکان ۔ پس جب کہ خدا ایسے ایسے گناہ اور ایسی ایسی نافرمانیوں پر نیکی سے نہیں چوکتا تو یہ بات اُس کی ذات ستودہ[11] صفات سے بہت ہی مستبعد[12] معلوم ہوتی ہی کہ اُس کی درگاہ میں معذرت کی جائے اور نہ بخشے ۔ توبہ کی جائے اور قبول نہ کرے ۔ اُسی وقت میاں بی بی دونوں نے دعا کے واسطے ہاتھ پھیلا دیے اور گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے اور ایک دوسرے کے گناہوں کی مغفرت چاہی ۔ اِس کے بعد فہمیدہ تو مسرت و اطمینان کی سی باتیں کرنے لگی مگر نصوح کی افسردہ دلی بدستور باقی تھی ۔ تب فہمیدہ نے پوچھا کہ جب توبہ کرنے سے گناہوں کا معاف ہو جانا یقینی ہی اور آئندہ کے واسطے ہم عہد کرتے ہیں کہ پھر ایسا نہ کرینگے تو کیا وجہ ہی کہ تم اُداس ہو میں دیکھتی ہوں تو تمھارے مُنھ پر ذرا بھی بحالی نہیں ۔ نصوح ۔ ایمان خوف و رجا[13] کا نام ہی توبہ کا قبول کیا جانا کچھ ہمارا استحقاق نہیں خدائے تعالیٰ قبول کرے تو اس کی عنایت ہے

[1] قدر قلیل ۱۲ [2] بے انتہا ۱۲ [3] بے احسان ۔ یعنی دیتا ہے اور احسان جتا کر شرمندہ نہیں کرتا ۱۲ [4] سانس لینے والا مراد ہی ہر فرد بشر ۱۲ [5] قتل کیے جانے کے قابل ۱۲ [6] گردن مارنے کے قابل ۱۲ [7] خوراک کا معمولی مقرر ۱۲ [8] میوے ۱۲ [9] پھل پھول ۔ ترکاریاں ۱۲ [10] جوڑ بند ۱۲ [11] جس کی خوبیاں تعریف کے لائق ہیں ۱۲ [12] دور ۔ بعید از قیاس ۱۲ [13] اُمید ۱۲

اور قبول نہ کرے تو ہمکو نہ مقام گلہ ہی نہ محل شکایت ؎

اگر بخشے زہی قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہی جو مزاج یار میں آے

آیندہ کے عہد پر بھی کیا بھروسا ہو سکتا ہی انسان مخلوق ضعیف البنیان[1] ہی غفلت اُس کی طینت[2] ہی اور نافرمانی اُس کی طبیعت۔ خدا ہی توفیق خیر دے تو عہد کا نباہ اور وعدے کا ایفا ممکن ہی ورنہ آدمی سے کیا ہو سکتا ہی ؎

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

اور میری افسردگی کی ایک وجہ اور ہی کہ کسی طرح اُس سے میرا قلب مطمئن نہیں ہوتا۔ فہمیدہ۔ وہ کیا۔ نصوح۔ وہ یہ ہی کہ میں تو بگڑا ہی تھا میں نے اِن بچوں کو کیسا غارت کیا۔ میری دیکھا دیکھی یہ بھی گئے گزرے ہوئے۔ تم دیکھتی ہو کہ چھوٹے بڑے سب ایک رنگ میں ہیں کسی کو بھی دینداری سے مس[3] ہی۔ کوئی بھی خدا پرستی کی طرف رغبت رکھتا ہی۔ اور رغبت ہو تو کہاں سے ہو۔ نہ تو گھر میں دین و مذہب کا چرچا کہ خیر دوسروں کو دیکھ کر آدمی نصیحت پکڑے۔ نہ کوئی کہنے اور سمجھانے والا کہ نیک و بد کا امتیاز سکھائے۔ بلکہ حق تو یہ ہی کہ میں اِن کی تباہی اور خرابی میں ہر طرح کی مدد کرتا رہا۔ افسوس ہی کہ میں نے اِن کے حق میں[4] کانٹے بوئے۔ ان کے ساتھ دشمنی کرتا رہا۔ اور جانا کہ میں ان کی بہتری چاہتا ہوں۔ میں جو غور کرتا ہوں تو کھیل کود کی جتنی خراب عادتیں ہیں حقیقت میں اُن کا بانی[5] اور معلم[6] میں ہوں۔ میں نے ان کا جی بہلانے کو کھلونے اور کنکوے لے لے دئیے میں اُن کو خوش کرنے کی نظر سے بازار ساتھ لے گیا۔ میں نے اُن کو دام دے دے کر بازاری سودوں کی چاٹ لگائی جانور پالنے اِن کو میں نے سکھائے۔ میلے تماشے اِن کو میں نے دکھائے۔ خوش وضعی۔ خوش لباسی کی لت اِن کو میں نے ڈلوائی۔ میں خود عیب مجسم[7] ایک بُرا نمونہ اِن کے پیش نظر تھا

[1] جسکی بنیاد کمزور ہی ۱۲ [2] مٹی مراد ہی کہ غفلت اس کی جبلی خصلت ہی ۱۲ [3] چھونا۔ یعنی دینداری کسی کو چھو بھی گئی ہی ۱۲ [4] یعنی ان کے رستے میں کہ کانٹوں کے ڈر سے سیدھا رستہ چھوڑ کر ٹیڑھا اختیار کریں ۱۲ [5] بنیاد ڈالنے والا ۱۲ [6] سکھانیوالا ۱۲ [7] سرتاپا عیب ۱۲

جو جو کچھ یہ کرتے ہیں ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آئے۔ مجھ سے سیکھا میری تقلید[1] کی۔ میں ہرگز اس نعمت کے لائق نہ تھا کہ مجھ کو بچوں کا باپ بنایا جاوے میں کسی طرح اس عنایت کے شایان[2] نہ تھا کہ مجھکو ایک بھرے کنبے کی سرداری ملے۔ یہ بھی میرے نصیبوں کی شامت اور ان کی بدقسمتی تھی کہ ان کی پرداخت[3] مجھ کو سپرد ہوئی۔ افسوس سن[4] تمیز کو پہنچنے سے پہلے یہ یتیم کیوں نہیں ہو گئے شیرخوارگی[5] ہی میں میرا سایۂ زبون ان کے سر پر سے کیوں نہیں اُٹھا لیا گیا کہ کوئی دوسرا ان کی تربیت[6] کا متکفل[7] ہوتا جو اپنی خدمت کو مجھ سے بدرجہا بہتر[8] انجام دیتا۔ غضب ہی کہ یہ اشراف کے بچے کہلائیں اور پاجیوں کی سی عادتیں رکھیں مجھکو اب ان کی شکل زہر معلوم ہوتی ہی۔ صورت سیرت ظاہر باطن ایک سے ایک خراب۔ ایک سے ایک بدتر۔ ایک نابکار کو دیکھو کہ وہ ماش کے آٹے کی طرح ہر وقت اینٹھا ہی رہتا ہی۔ کبھی سینے پر نظر ہی۔ کبھی بازووں پر نگاہ ہی۔ آدم زاد ہو کر لقا[9] کبوتر کا پٹھا بنا پھرتا ہی اتنا اکڑتا ہی اتنا اکڑتا ہی کہ گردن گُدی میں جا لگی ہی۔ کپڑے ایسے چست کہ گویا بدن پر سیئے گئے ہیں۔ چھاتی پر انگرکھے کے بند ہیں۔ گھٹنوں تک پائجامے کی چوڑیاں پڑی ہیں۔ ایک دیولی برابر ٹوپی ہی کہ خود بخود گری پڑتی ہی۔ دوسرا نابہنجار[10] صبح اُٹھا اور کبوتر کھول باپ دادے کا نام اُچھالنے کوٹھے پر چڑھا۔ پھر سوا پہر دن چڑھے تک کوٹھے پر دھما چوکڑی مچائی۔ مارے باندھے مدرسے گیا عصر کے بعد سے پھر کوٹھا ہی اور کنکوا ہی۔ شام ہوئی اور شطرنج بچھا۔ اتوار کو مدرسے سے چھٹی ملی تو بٹیریں لڑائیں تیسرے نالائق بڑے میاں[11] سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ محلہ نالاں۔ ہمسائے عاجز۔ اِس کو مار۔ اُس کو چھیڑ۔ چاروں طرف ایک تراہ تراہ مچ رہی ہی غرض کچھ اس طرح کے بے سُرے بچے ہیں ناہموار۔ آوارہ۔ بے ادب۔ بے تمیز۔ بیحیا۔ بے غیرت بے ہنر۔ بدمزاج۔ بدزبان۔ بدوضع کہ چند روز سے دیکھ دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اُترتا ہی ان کے حرکات وسکنات نشست وبرخاست کوئی بھی تو بھلے مانسوں کی سی نہیں۔ گالی دینے میں

---

[1] پیروی ۱۲ [2] لائق سزاوار ۱۲ [3] پرورش ۱۲ [4] عمر ۱۲ [5] دودھ پینے کی حالت ۱۲ [6] پرورش تعلیم [7] ذمہ دار ۱۲ [8] کئی درجے ۱۲ [9] ایک قسم کا کبوتر ہی جس کی گردن پیٹھ پر پڑی رہتی ہی ۱۲ [10] نابکار ۱۲ [11] یہ کہاوت ہی ۱۲

اِن کو باک[1] نہیں۔ فحش[2] بکنے میں اِن کو تامل نہیں۔ قسم اِن کا تکیۂ کلام[3] ہی۔ نہ زبان کو روک ہی۔
نہ مُنھ کو لگام ہی۔ اِن کی چال ہی کچھ عجب طرح کی اُکھڑی اُکھڑی ہی کہ بے تہذیبی[4] اِن کی رفتار سے ظاہر
ہی۔ رہیں لڑکیاں میں تسلیم کرتا ہوں کہ اُن میں اس طرح کے عیوب نہ ہوں گے جو لڑکوں میں ہیں۔
لیکن ساتھ ہی مجھ کو اِس کا بھی تیقن ہی کہ بیدارانہ زندگی تو کسی کی بھی نہیں اِن کو بھی اکثر گڑیوں میں
مصروف پاتا ہوں یا کنبے میں کوئی تقریب[5] ہونے والی ہوتی ہی تو کپڑوں کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھتا
ہوں۔ لڑکے گالیاں بہت بکتے ہیں تو لڑکیاں کوسنے کثرت سے دیا کرتی ہیں۔ قسم کھانے میں
جیسے وہ بے باک ہیں یہ بھی بے دھڑک ہیں۔ بہرکیف کیا لڑکے کیا لڑکیاں میرے نزدیک تو دونوں
کچھ ایک ہی طرح کے ہیں۔ ان سب کی یہ تباہ حالت دیکھ کر میں زہر کے سے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہوں
مگر پھر دیکھتا ہوں تو اِن کا کچھ بھی قصور نہیں۔ خطا اگر ہی تو میری اور تمھاری۔ اِن کے عیوب پر جھڑکنا
اور ملامت کرنا کیسا ہم نے کبھی اِن کو روکا تک بھی تو نہیں۔ فہمیدہ۔ تم تو باہر کے اُٹھنے بیٹھنے والے
ٹھہرے اس میں تو میرا ہی سراسر قصور ہی۔ بچے ابتدا میں ماؤں ہی سے زیادہ مانوس[6] ہوتے اور ماؤں
ہی کی خو بو پکڑتے ہیں۔ بلکہ تم جب کبھی اِن کو نصیحت کرتے اور کسی بات پر ٹوکتے تو میں اُلٹی اِن کی حمایت
لیتی تھی۔ اِن سب کو میں نے خراب کیا اور اِس کا الزام بالکل میری گردن پر ہی۔ نصوح۔ بیشک تمنے بھی انکی
اصلاح میں کوشش نہیں کی لیکن پھر بھی میں باپ تھا تم سے اِن کی پرورش متعلق تھی اور مجھ سے
اِن کی اصلاح و تہذیب۔ فہمیدہ۔ ہاں میں نے اِن کے بدنوں کو پالا اور اِن کی روحوں کو تباہ اور ہلاک
کیا۔ میری ہی بیہودہ محبت نے اِن کی عادتیں بگاڑیں۔ میرے ہی نامعقول لاڈ پیار نے انکے مزاجوں
کو گندہ اِن کی طبیعتوں کو بے قابو بنایا۔ نصوح۔ لیکن اگر میں اپنے کام پر آمادہ اور سرگرم ہوتا تو ممکن نہ
تھا کہ میں کہوں اور نہ سنیں میں چاہوں اور نہ کریں۔ آخر میں اِن پر ضابط تھا۔ میں ان پر ہر طرح کی قدرت
رکھتا تھا۔ اور نہ صرف اِن پر بلکہ تم پر اور سارے گھر پر۔ فہمیدہ۔ پھر بھی جسقدر اِن کی بُرائیاں مجھ پر
ظاہر ہوتی رہتی تھیں اُن کا شاید دسواں حصہ بھی تم پر منکشف[7] نہ ہوتا ہوگا۔ جان بوجھ کر میری عقل

---

۱ خوف ۱۲ ۲ گندی بات ۱۲ ۳ جو الفاظ بے قصد ہر بات کے بعد منہ سے نکلیں جیسے کیا نام ہی جو ہی سو ۱۲ ۴ ناشائستگی ۱۲
۵ شادی بیاہ وغیرہ ۱۲ ۶ ہلے ہوئے ۱۲ ۷ ظاہر ۱۲

پر پردہ پڑگیا۔ دیکھتے بھالتے میں اندھی بنی رہی۔ اب بھی جو خرابیاں اِن کی میں جانتی ہوں تم کو معلوم نہیں۔ دیکھو لڑکیاں ہی ہیں کہ تم گڑیاں کھیلنے اور کپڑوں کا اہتمام کرنے کے سوائے اُن کے حالات سے محض بے خبر ہو۔ میں جانتی ہوں کہ ان کے مزاجوں میں کیا کیا خرابیاں ہیں ان کی عادتوں میں کیسے کیسے بگاڑ ہیں۔ نصوح۔ پھر آخر کیا کرنا ہوگا۔ فہمیدہ۔ میرے گمان میں اِن بچوں کی اصلاح تو اب ہمارے امکان سے خارج ہے۔ نصوح۔ البتہ ناممکن نہیں تو نہایت دشوار ہونے میں بھی کچھ شک نہیں فہمیدہ۔ دشوار تم ہی کہو آسمان میں تھگلی کا لگانا ممکن ہے اور اِن کی اصلاح ممکن نہیں ادھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے مگر یہ درست ہونے والے نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کلیم ایک ایک بات کے سو سو جواب دینے کو موجود ہے۔ اور ایک کلیم پر کیا الزام ہے جتنے بڑے دُتنے کڑے جتنے چھوٹے دُتنے کھوٹے۔ نصوح۔ تو کیا اِن کو اسی گم راہی میں رہنے دیں کہ اور بدتر ہوں اِن کو باختیار خود چھوڑ دیں کہ پیٹ بھر کر خراب ہوں۔ فہمیدہ۔ بڈھے طوطوں کا پڑھانا پکی لکڑی کا لچکانا تم سے ہو سکے تو بسم اللہ۔ کیا خدا نخواستہ میں مانع اور مزاحم ہوں۔ مگر میں ایسی آن ہونی کا بیڑا نہیں اُٹھاتی۔ ایاز قدر خود شناس میں خود جانتی ہوں کہ بیٹوں کی نظروں میں میرا کتنا قدر ہے بیٹیاں کتنا میرا ادب لحاظ کرتی ہیں۔ رشتے میں ماں ضرور ہوں مگر افتاد سے مجبور ہوں۔ کوئی میرے بس کا نہیں۔ نصوح۔ لیکن تم خود کہتی تھیں کہ بچوں کی اصلاح تم پر فرض تھی اور جب تک مادری و فرزندی کا تعلق باقی ہے وہ فرض تمھاری گردن پر لدا ہے۔ میں نے ایک دن بڑے سویرے نہیں معلوم کس بچے کو چاہا کہ باہر حکیم کو لیجا کر دکھا دوں تم اُس وقت اُس کا مُنہ دھلانے کو اُٹھیں ہیں جلدی کرتا تھا اور تم کہتی تھیں کہ ذرا صبر کرو مُنہ دُھلادوں کم تہ بدلوا دوں اس حالت سے لے جاؤگے تو حکیم صاحب کیا کہیں گے کہ گھر والی کیسی پھوہڑ ہے کہ بچوں کو ایسا ناصاف رکھتی ہے بے شک وہ بات تمھاری بہت معقول تھی۔ لیکن جب تمھارے بچے گندی روح اور ناپاک دِل لے کر خدا کے حضور میں جائیں گے تو کیا تم پھوہڑ نہیں بنوگی۔ وہاں یہ معذوری اور مجبوری

لہ پیوند ۱۲ لہ لچکانے والے ۱۲ لہ ذمہ نہیں لیتی یہ محاورہ ہے ۱۲ لہ محمود غزنوی کا غلام تھا اس کے بہت منھ لگا ہوا مگر وہ اپنی ہستی کو نہیں بھولا یہ اس کا مقولہ ہے کہ اے ایاز اپنی قدر کو نگاہ رکھ ۱۲ لہ طریقہ جو شروع سے پڑگیا ہے ۱۲

کچھ نہیں سنی جائے گی علاوہ اس کے یوں کر تمھاری محبت اقتضا کرتی ہی کہ اپنے فرزندوں کو مبتلائے مصیبت دیکھو اور اُنکو اُس مصیبت سے نکالنے کی کچھ تدبیر نہ کرو۔ اس واسطے کہ وہ مصیبت اُن پر بہت دنوں سے ہی اور میرے اور تمھارے سبب سے ہی۔ کیا مدت کے بیمار کو دوا نہیں دیتے۔ پُرانے ناسور کا علاج نہیں کرتے۔ اولاد کی اصلاح ماں باپ پر فرض ہی اگر اس فرض کو ہم نے غفلت اور بیوقوفی سے اب تک ادا نہیں کیا تو کیا ضرور ہی کہ آئندہ بھی معصیتِ[1] ترکِ فرض میں گرفتار رہیں۔ فہمیدہ ۔ مجھ کو انکار نہیں گریز[2] نہیں نہ میں یہ کہتی ہوں کہ بچوں کی اصلاح ہم پر فرض نہ تھی یا اب نہیں ہی بلکہ مجھ کو ان کی اصلاح سے یاس[3] کلی ہی اور میں جانتی ہوں کہ اِن کی اصلاح و تہذیب اور تادیب و تعلیم میں کوشش فضول ہی سعی عبث تدبیر بے سود ۔ محنت رائگاں ۔ بھلا کہیں ٹھنڈے[4] لوہے بھی پیٹنے سے ڈھیلے پڑے ہیں ۔ نصوح ۔ آہا لیکن ہم پر اسی قدر لازم ہی کہ کوشش کریں اور نتیجے کا مترتب ہونا اثر کا پیدا کر دینا ہمارا کام نہیں یہ خدا کے اختیار میں ہی ۔ اور کون جانے کہ خدا ہمارے ارادے میں برکت ہماری تدبیر میں تاثیر دے اور یہ درست ہو جائیں ۔ تو کیا تمکو مسرت نہ ہوگی ۔ کوشش میں ناکام رہنا اور مطلقاً کوشش نہ کرنا ان دو باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہی ۔ انجام دونوں کا ایک ہو مگر کوشش کرنا ہمارے لئے ایک وجہ برائت[5] ہی ۔ فہمیدہ ۔ اس بات کا فیصلہ میرے اور تمھارے درمیان میں ہونا ممکن نہیں اسواسطے کہ میری حالت اور ہی اور تمھاری حالت اور ۔ اول تو بچوں پر تمھارا رعب داب ہی تم سے پھر بھی ڈرتے ہیں اور میرے ساتھ تو سبکے سب اس قدر گستاخ ہیں کہ بیٹیاں تو خیر مجھ کو برابر کی سہیلی ہی سمجھتی ہیں بیٹے تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ کون بلا ہی اور کیا بیچتی ہی ۔ دوسرے تم کو اپنے بچوں کی یہ کیفیت بخوبی معلوم نہیں اور میں اُن کے رگ و ریشے سے واقف ہوں ۔ نصوح ۔ یہ سب سچ ہی لیکن تمھاری تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہی کہ اب اِن کی اصلاح بڑا مشکل کام ہی ۔ فہمیدہ ۔ پھر تم نے بات کو بدلا ۔ میں نے اپنے مُنھ سے مشکل ہرگز نہیں کہا ۔ میں شروع سے ناممکن اور محال ہی کہے جاتی ہوں ۔ نصوح ۔ بڑے افسوس کی بات ہی کہ اتنی دیر سے میں تمھارے ساتھ بک رہا ہوں اور تم نہیں سمجھتیں ۔ کیوں صاحب ناممکن اور

---

[1] خدا کی فرض کی ہوئی باتوں کو چھوڑ بیٹھنے کا گناہ ۱۲ [2] میں اس سے بھاگتی بچتی نہیں ۱۲ [3] بالکل ناامیدی ۱۲ [4] محاورہ ہی ۱۲ [5] بری الذمہ جانے کا سبب ۱۲

محال کیوں ہے۔ فہمیدہ۔ اگر تم کہو میں تمہاری خاطر سے مان لوں لیکن چونکہ تم میری رائے پوچھتے ہو تو میں
بے شک ناممکن اور محال ہی سمجھتی ہوں اور وجہ یہ کہ ان کی عادتیں[1] راسخ ہوتے ہوتے طبیعت ہو گئی ہیں
برابر کے بیٹے برابر کی بیٹیاں مار ہم نہیں سکتے۔ گھرک ہم نہیں سکتے جبر[2] ہم نہیں کر سکتے بھلا پھر ان عادتوں
کو جن کے وہ مدتوں سے خوگر ہو رہے ہیں کیونکر چھڑا دیں گے۔ نصوح۔ تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ کوئی تدبیر
کارگر سمجھ میں نہیں آتی اور جو سمجھ میں آتی ہے وہ کارگر نہیں معلوم ہوتی۔ فہمیدہ۔ وہ ایک ہی بات ہے۔
نصوح۔ اس سے مجھ کو بھی انکار نہیں کہ معمولی تدبیریں اب محض بے سود ہیں۔ مادہ سخت ہے تو جلاب
بھی کوئی بڑا ہی کڑا دینا ہوگا۔ جو کام پہلے ایک بات سے نکلتا اب جوتی لات سے بھی نکلنے کی امید نہیں
فہمیدہ۔ لیکن اگر بچوں کے ساتھ تم اس طرح کی سختی برتو گے تمام دنیا تھڑی تھڑی[3] کرے گی اور سختی سے
بچوں کے دلوں میں بھی دونی ضد اور نفرت پیدا ہوگی۔ نصوح۔ اگر میں یہ سمجھوں کہ میں اپنے
ذمے کا ایک فرض ادا کرتا ہوں تو دنیا کے کہنے کی ان شاء اللہ مجھ کو مطلق پروا نہ ہوگی۔ لوگوں کو اختیار
ہے جو چاہیں سمجھیں اور جو چاہیں سو کہیں۔ لیکن سختی خود میرے نزدیک ایک تدبیر نامناسب ہے اور میں
خوب سمجھتا ہوں کہ بڑے لڑکے کسی طرح سختی کی برداشت نہیں کر سکتے اور اگر ان کے ساتھ خشونت[4] اور
درشتی[5] سے پیش آؤں گا تو بالکل الٹا اثر ہوگا اور جب کہ میں خود ان کی خرابی کا باعث ہوا ہوں تو سختی
کا میں سزاوار ہوں نہ وہ۔ فہمیدہ۔ بھلا پھر سختی کرو گے نہیں اور نرمی سے کام نکلتا نہیں۔ اسی نرمی
نے تو ان کو اس ہدرسے[6] تک پہنچایا تو آخر وہی بات ہوئی کہ ہونا ہوا تا کچھ نہیں ناحق کا دردسری۔
نصوح۔ میں اس شعر[7] پر عمل کروں گا ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است — چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کے محل پر سختی۔ اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ان شاء اللہ میں اپنے ارادے
میں کامیاب ہوں گا۔ آخر آدمی کے بچے ہیں بات کو سمجھتے ہیں عقل رکھتے ہیں۔ جب ان ہی کے فائدے

---

۱ جمی ہوئی۔ پکی ۱۲ ۲ زبردستی ۱۲ ۳ یعنی تمہارے جنم میں تھوکے گی ۱۲ ۴ و ۵ دونوں لفظوں کے معنی
سختی ۱۲ ۶ حال۔ یہ لفظ خاص عورتوں کی بول چال میں آتا ہے ۱۲ ۷ سختی اور نرمی دونوں کو ملا کر کام لینا اچھا ہوتا
ہے جیسے جراح کہ فصد بھی کھولتا اور مرہم پٹی بھی کرتا تو لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے ۱۲

کی بات میں اُن سے کہوں گا تو کب تک نہ سمجھیں گے۔ اور سختی تو بس اسی قدر عمل میں لاؤنگا کہ ہر بات
بخوبی اُن کے ذہن نشین کردوں گا کہ جو میرے کہنے کا نہیں ہے اُس کا اور وہ میرا شریک رنج و راحت نہیں
یہی کہوں گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ یہی کر دکھاؤں گا مگر بے تمہاری مدد کے یہ ارادہ پورا نہیں ہو سکتا
فہمیدہ۔ میں دل و جان سے مدد کرنے کو موجود ہوں میں جانتی ہوں کہ تم ان ہی کی بہتری کے واسطے
کہتے اور کرتے ہو۔ اپنی اولاد کا فائدہ ہوتے جاتے اگر میں کوتاہی کروں تو ماں کاہے کی ہوئی کوئی ڈائن
ہوئی۔ نصوح۔ تم میرے شریک حال ہو تو مجھ کو ہر طرح کی تقویت ہے میں جانتا ہوں کہ بچے بات بات
میں تمہارا آسرا، تمہارا سہارا پکڑتے ہیں۔ جو میری بی بی لگی معاملات خانہ داری میں میرے کل فیصلوں
کی اپیل تمہارے یہاں ہوتی ہے۔ میں تم کو الزام نہیں دیتا اس واسطے کہ تم سے زیادہ میں خود ملزم ہوں
لیکن بچوں میں سے جس کو تم نے زیادہ پیار کیا وہی زیادہ خوار ہوا ہر چند میں نے کوشش کی کسی امر
دینی کے واسطے نہیں بلکہ معمولی پڑھنے لکھنے کے واسطے مگر جب تک تمہاری تائید نہیں ہوئی ایک نہیں
چلی۔ فہمیدہ۔ لیکن اب وہ کیفیت نہیں ہے جب تک چھوٹے تھے مجھ کو ماں سمجھتے تھے اور میں انکی فریادی
تھی حمایت کرتی تھی۔ اب ہر ایک اپنے دل کا بادشاہ ہے لڑکوں سے تو کچھ تعلق ہی نہیں رہا ہفتوں بات
چیت کرنیکا اتفاق بھی نہیں ہوتا پکارنے کی پکار رہ جاتی ہوں منہ پھیر کر نہیں دیکھتے لڑکیاں البتہ
کہاں جائیں اور کس کے پاس جائیں گھر ہی میں بیٹھی کھیلا کرتی ہیں میں گھر کے کام دھندے میں لگی رہتی ہوں
لیکن پھر بھی جہاں تک تمہارے نیک ارادے ہیں تمام اُس کو پورا کرنے مجھ سے ہو سکتی ہے تم دیکھ
لینا ان شاء اللہ اپنے مقدور بھر اُٹھا نہ رکھوں گی۔ نصوح۔ بھلا چھوٹے چھوٹے بچوں کو تو سنبھال لوگی
فہمیدہ۔ ان کا درست کر لینا کیا مشکل ہے۔ یہ تو موم کی ناک ہیں۔ جدھر کو پھیرو پھر گئے۔ بلکہ شاید اُن کو
منہ سے کہنے کی بھی ضرورت نہ ہو بچوں کا قاعدہ ہے کہ جیسا بڑوں کو کرتے دیکھتے ہیں خواہ مخواہ اُنکی نقل
کرنے لگتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی حمیدہ نے مجھ کو رُلا رُلا دیا ہے۔ کیا تو اُس کی چھٹے برس کی بساط ہے
مگر ماشاء اللہ میرے منہ میں خاک منہ سے اُتار کر بڑے بوڑھوں کی سی باتیں کرتی ہے۔ نصوح۔ کیا ہوا تھا۔

لہ تکلیف آرام ۱۲ کہ جلا جو اپنے بچے کو آپ کھا جاتی ۱۲ کہ مضبوطی، قوت ہمت ۱۲ کہ دو ۱۲ ہ عمر سے مراد ہے ۱۲ کہ جو مضمون چاہیے۔ نظر بد
سے بچنے کیلئے ماشاء اللہ کہہ لیا کرتے ہیں ۱۲ شہ یہ بھی ماشاء اللہ کی طرح نظر بد سے بچنے کا ٹوٹکا سمجھو ۱۲

فصل سوم فہمیدہ اور منجھلی بیٹی حمیدہ کی گفتگو

فہمیدہ۔ تم کو جواب چند روز سے نماز پڑھتے دیکھتی ہو تو پرسوں مجھ سے پوچھنے لگی کہ اماجان دن میں کئی مرتبہ اباجان ہاتھ منہ دھوکر یہ کیا کیا کرتے ہیں پہلے ویر تک بڑے ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں چپکے چپکے کچھ باتیں کرتے جاتے ہیں۔ پھر جھکتے ہیں پھر منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔ میں۔ بیٹی نماز پڑھتے ہیں۔ حمیدہ۔ اماجان نماز کیا۔ نماز کو اس تعجب[1] کے ساتھ پوچھنا یہ پہلی چٹکی تھی کہ اُسنے میرے دل میں لی۔ میں۔ بیٹیا خدا کی عبادت کو نماز کہتے ہیں۔ حمیدہ۔ اماجان خدا کیا چیز ہی اور عبادت اُس کی کون ہی۔ اُس کا بھولے پن سے یہ پوچھنا تھا کہ خدا کیا چیز ہی اور عبادت اس کی کون ہی کہ میرے بدن پر رونگٹے[2] کھڑے ہوگئے۔ میں۔ کیوں کیا تم خدا کو نہیں جانتیں۔ حمیدہ۔ میں سب لوگوں کو خدا کی قسم کھاتے تو سنتی ہوں اور جب کبھی اماں جان تم مجھ پر تو نہیں اور کسی پر خفا ہوتی ہو تو کہا کرتی ہو خدا کی مار اور تجھ سے خدا سمجھے شاید خدا بیجا[3] کو کہتے ہیں مگر بیجا ہوتی تو اس کی قسم نہ کھاتے۔ میں۔ حمیدہ توبہ کرو تو بہ خدا بیجا نہیں ہی خدا وہ ہی جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہی۔ وہی روزی دیتا ہی۔ وہی مارتا ہی وہی جلاتا ہی۔ وہی پالتا ہی۔ حمیدہ۔ کیا اماں جان تم کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہی۔ میں۔ ہاں مجھ کو بھی۔ حمیدہ۔ اور اباجان کو بھی۔ میں۔ ہاں تمہارے اباجان کو بھی۔ حمیدہ۔ اور ننی بوا کو بھی۔ میں ہاں۔ ننی بوا کو بھی۔ اماں جان کیا ہر روز ہمارے گھر میں کھانا نہیں پکتا۔ میں۔ کیوں نہیں پکتا۔ حمیدہ پھر تم تو کہتی ہو کہ خدا سب کو کھانے کو دیتا ہی۔ میں۔ اللہ میاں پانی برساتے ہیں۔ اللہ میاں غلے اور میوے اور ترکاریاں ہم لوگوں کیواسطے زمین میں اُگاتے ہیں۔ وہی ہم سب لوگ کھاتے ہیں۔ حمیدہ۔ ننی بوا کو تو اماں جان تم دودھ پلاتی ہو۔ میں۔ دودھ بھی اللہ میاں ہی اُتارتے ہیں تمہاری ہی دفعہ اسی دودھ کے پیچھے برسوں مصیبت اُٹھائی۔ چھٹی[4] تک اُتارا دن دودھ تھا چھٹی نہا کر اُٹھی

---

[1] تعجب ۱۲ [2] ڈر کے مارے ۱۲ [3] جس چیز سے بچوں کو ڈراتے ہیں اُسکو بیجا کہتے ہیں ۱۲ [4] بچے کے پیدا ہونے کے چھٹے دن زچہ غسل کرتی بچے کا موتن ہوتا اس کا نام رکھا جاتا اِس شادی کو چھٹی کہتے ہیں ۱۲

[5] :ٹھیرول ۱۲

کہ یکایک جاڑا چڑھا۔ بخار آیا تو کس شدت کا کہ الاماں[1] تمام بدن سے آنچ نکلتی تھی۔ وہ پہر بھر کا بخار رہنا
اور دودھ کا اُتار[2] کھا جانا۔ پھر بہتیری شاول پھانکی زیرہ دیا حکیم کا علاج کیا تمہارے دادا جان خدا جنت نصیب
کرے ہر روز صبح کو طشتری[3] لکھ دیا کرتے تھے مگر دودھ کچھ ایسی گھڑی کا سوکھا تھا کہ پھر نہ اترا پر نہ اترا جب
دیکھا کہ بچی بھوک کے مارے پھڑکی چلی جاتی ہے ناچار انا رکھی اور وہ عذاب اُٹھائے کہ خدا دشمن کو بھی نہ
دکھائے۔ خدا نے زندگی بخشی تھی کہ تم پل گئیں۔ حمیدہ۔ تو اللہ میاں بڑے اچھے ہیں۔ ہم سب کو
کھانے کو دیتے ہیں۔ ہماری نئی بوا کے واسطے دودھ اُتارتے ہیں لیکن اماں جان اللہ میاں سے ہمارا
کچھ رشتہ ناطہ ہے کہ اتنے سلوک کرتے ہیں۔ میں۔ رشتہ ناطہ یہ کہ ہم اُن کے بندے ہیں۔ مرد اُنکے
غلام ہیں۔ عورتیں اُن کی لونڈیاں ہیں۔ حمیدہ۔ لونڈی غلاموں کے ساتھ اتنا سلوک کہ کوئی اپنے
بچوں کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ لیکن لونڈی غلام تو اپنے مالک کی خدمت کرتے ہیں۔ ٹہل کرتے
ہیں ہم اللہ میاں کا کون سا کام کرتے ہیں۔ میں۔ یہی نماز جو تم نے اپنے باپ کو پڑھتے دیکھی اور
جس کو عبادت کہتے ہیں۔ حمیدہ۔ ہاں اب میں سمجھی کہ نماز اللہ میاں کا کام ہے تو سبھی کو نماز پڑھنی
چاہیئے کیونکہ لونڈی غلام سب ہیں اللہ میاں کی دی ہوئی روٹی سب کھاتے ہیں۔ میں۔ بے شک
خدا کی عبادت سب پر فرض ہے۔ حمیدہ۔ اماں جان تم تو نماز نہیں پڑھتیں۔ کیا تم اللہ میاں کی
لونڈی نہیں ہو اور کیا تم اُس کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتیں۔ حمیدہ نے جو سادہ دلی اور بھولے پن سے
یہ الزام دیا مجھ کو اس قدر شرم آئی کہ زمین پھٹ گئی ہوتی تو میں سما جاتی۔ میں۔ میں لونڈی بے شک
ہوں اور خدا ہی کی دی ہوئی روٹی کھاتی ہوں لیکن کیا بعض لونڈیاں نکمی اور کام چور اور نمک حرام
اور بے غیرت نہیں ہوتیں ویسی ہی اللہ میاں کی ایک لونڈی میں ہوں۔ حمیدہ۔ ابا جان بھی تو اب
بیماری سے اُٹھ کر نماز پڑھنے لگے ہیں کیا اس سے پہلے وہ خدا کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتے تھے
یہ سُن کر نصوح کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔ میں۔ وہ بھی بُرا کرتے تھے۔ حمیدہ۔ اچھی
اماں جان اللہ میاں خفا ہوئے ہوں گے۔ میں۔ خفا ہونے کی تو بات ہی ہے۔ حمیدہ۔ ایسا نہ ہو روٹی

---

[1] خدا اپنی پناہ میں رکھے اور آگے کو امن دے ۱۲ [2] حد سے زیادہ گرم ہو جانا ۱۲ [3] چینی کی طشتری پر قرآن کی آیتیں،
دعائیں لکھ کر طشتری کو دھو کر پی لینے سے دودھ بڑھتا ہے ۱۲

بند کردیں - تو پھر ہم کہاں سے کھائیں گے - اور اگر ننھی بوا کا دودھ سوکھ جاوے گا تو ہماری ننھی روئے گی
یہ کہہ کر حمیدہ رونے لگی - میں نے اٹھا کر گلے سے لگا لیا اور پیار کیا - لیکن جس قدر میں اس کو تسلی دیتی تھی
وہ اور زیادہ روتی تھی - مجھ سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور مجھ کو روتے دیکھ کر وہ اور بھی بے تاب ہو گئی - آخر بڑی
بڑی مشکلوں سے میں نے اس کو سمجھایا اور کہا کہ حمیدہ تم ڈرو مت اللہ میاں کا یہ دستور نہیں ہے کہ جو لونڈی
غلام کام نہ کریں ان کا کھانا بند کردیں - حمیدہ - سچ - میں - ہاں ہاں تم گھبراؤ مت - حمیدہ - اچھی اماں جان
ننھی کو پلا کر دیکھو دودھ ہے یا نہیں - میں - بیٹی ننھی کو سونے دو اور دودھ سے اطمینان رکھو دودھ خدا کا
دیا ہوا بہت - حمیدہ - ہمارے گھر میں تو لونڈی غلام نہیں نوکر چاکر ہیں - مگر کام نہیں کرتے تو تنخواہ کاٹ
لی جاتی ہے ابا جان جرمانہ کر دیا کرتے ہیں گھر سے نکال دیتے ہیں اللہ میاں اپنے لونڈی غلاموں پر بھی
خفا نہیں ہوتے تو ان کا کام تو اور بھی جی لگا کر کرنا چاہیئے کیا کام نہ کرنا اور کھانا بے غیرتی نہیں ہے -
میں - بڑی بے غیرتی کی بات ہے - حمیدہ - اماں جان میں نے تو آج تک نماز نہیں پڑھی اور نہ مجھ کو
نماز پڑھنی آتی ہے اور تم تو دن رات میں دو ہی مرتبہ کھانا کھاتی ہو میں نہیں معلوم کتنی دفعہ کھاتی
ہوں مجھ پر اللہ میاں ضرور خفا ہوئے ہوں گے یہ کہہ کر پھر حمیدہ رو دی اور ڈر کے مارے دوڑ کر مجھ سے
لپٹ گئی اور پھر میں نے سمجھایا کہ حمیدہ ڈرو مت اللہ میاں تم سے ناخوش نہیں ہیں - ابھی تم بچی
ہو تم کو نماز معاف ہے - حمیدہ - کھانا تو مجھ کو بھی سب کے برابر بلکہ سب سے اچھا اور زیادہ ملتا ہے -
میں - ہاں ملتا ہے - اور یہ بھی خدا کی مہربانی ہے کہ تم کو کام معاف کر رکھا ہے - حمیدہ - پھر اللہ میاں
مجھ کو کیوں کھانا دیتے ہیں - میں - اس واسطے کہ جب بڑی ہو جاؤ تو اس کے بدلے کا بہت سا
کام کرو - حمیدہ - لیکن کیا اب میں کام نہیں کر سکتی دیکھو تم کو پان بنا دیتی ہوں ابا جان کو پانی پلا دیا
کرتی ہوں ننھی بوا کو بہلا لیتی ہوں - کیوں اماں جان کرتی ہوں نا - میں - ہاں بوا تم تو میرے
بہت کام کرتی ہو پنکھا جھل دیتی ہو دھاگا بٹ دیتی ہو سوئی میں دھاگا پرو دیتی ہو جو چیز مجھ کو
درکار ہوتی ہے لے آتی ہو - حمیدہ - تو کیا میں اللہ میاں کا کوئی چھوٹا سا کام بھی نہیں کر سکتی کیا
نماز پڑھنا بڑا مشکل کام ہے میں تو دیکھتی ہوں ابا جان ہاتھ منہ دھو کر ہاتھ باندھے کھڑے
رہتے ہیں کیا اتنا مجھ سے نہیں ہو سکتا - میں - اس کے سوائے کچھ پڑھنا بھی ہوتا ہے
جس کو تم کہتی تھیں کہ چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے ہیں - حمیدہ - وہ کیا باتیں ہیں - میں - خدا کی تعریف

اور اُس کے احسانوں کا شکریہ اپنے گناہوں کا اقرار اور اُن کی معافی کی درخواست اس کے رحم کی تمنا اُس کے فضل کی آرزو۔ بس یہی نماز ہے۔ حمیدہ۔ یہ سب باتیں اسی طرح نہ کرتے ہیں جیسے ہم لوگ آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ میں۔ اور کیا۔ حمیدہ۔ مگر ابا جان تو کچھ اور ہی طرح کی بولی بولنے لگتے ہیں میں۔ وہ عربی زبان ہے۔ حمیدہ۔ وہ تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اماں جان تم جانتی ہو۔ میں نہیں میں بھی نہیں جانتی۔ حمیدہ۔ تو کیا خدا سے عربی ہی زبان میں باتیں کرنی ہوتی ہیں۔ میں۔ نہیں وہ سب کی بولی سمجھتا ہے بلکہ وہ دلوں کے ارادوں اور طبیعتوں کے منصوبوں سے واقف ہے حمیدہ۔ یہ کیوں کر۔ میں اس واسطے کہ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ کوئی چیز کوئی بات اُس سے مخفی[1] نہیں سب کو دیکھتا ہے سب کی سنتا ہے اگلے پچھلے کل حالات اُس کو معلوم ہیں۔ حمیدہ۔ (گھبرا کر) کیا اللہ میاں یہاں ہمارے گھر میں بھی بیٹھے ہیں۔ میں۔ گھر میں کیا ہمارے پاس بیٹھے ہیں مگر ہم اُن کو دیکھ نہیں سکتے۔ یہ سن کر حمیدہ نے جلدی سے اوڑھنی اوڑھ لی اور سنبھل کر مودب[2] ہو بیٹھی اور مجھ سے بھی آہستہ سے کہا اماں جان سر ڈھک لو۔ اس کے بعد حمیدہ پر کچھ ایسی ہیبت[3] غالب آئی کہ میری گود میں تھوڑی دیر تک چپ پڑی رہی آخر آنکھ لگی سو گئی۔ میری ٹانگیں سُن ہونے لگیں تو میں نے آہستہ سے چارپائی پر لٹا کر بیدار آ[4] کو پاس بٹھا دیا کہ دیکھ ہاتھ رکھے رہیو ایسا نہ ہو کہ لڑکی سوتے سوتے ڈر کر چونک پڑے اور میں یہاں چلی آئی مجھ کو حمیدہ کی باتوں سے ایسا ڈر لگا کہ اندر سے کلیجہ تھرتھر کانپا جاتا تھا۔ نصوح کیوں ڈر کی اس میں کیا بات تھی۔ فہمیدہ۔ میں کہتی تھی کہ ایسی چھوٹی سی لڑکی اور ایسی باتیں کچھ اس کو ہو تو نہیں گیا۔ نصوح۔ مذہب میں بڑی خوبی اور عمدگی تو یہی ہے کہ وہ ایسی باتوں کی تعلیم کرتا ہے جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ مسائل[5] دینی آدمیوں کے بنائے ہوئے معمے[6] اور لوگوں کی گڑھی ہوئی پہیلیاں نہیں ہیں کہ ان کے حل کرنے اور بوجھنے کو بڑا غور و خوض درکار ہو بلکہ اُس حکیم برحق کے باندھے ہوئے اصول[7] اور ٹھہرائے ہوئے ضابطے[8] ہیں اور اصول بھی کیسے سلیس اور آسان ضابطے سہل اور بدیہی[9] نہیں معلوم انسان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے ہیں کہ اتنی موٹی بات

---

[1] پوشیدہ ۱۲ [2] با ادب ۱۲ [3] ڈر ۱۲ [4] گھر کی ماما کا نام ۱۲ [5] دین کے مسئلے ۱۲ [6] چیستان ۱۲ [7] قاعدے ۱۲ [8] دستور ۱۲ [9] ظاہر باتیں جن کو ہر شخص جان لے ۱۲

اُس کی سمجھ میں نہیں آتی کہ زمین آسمان چاند سورج ستارے انواع واقسام کے حیوانات رنگ برنگ کے نباتات ساری دنیا تمام زمانہ اتنا بڑا کارخانہ جس میں کا ایک پتہ اٹھا کر دیکھو تو ہزار صنعتوں[۱] سے بھرا ہوا ہی آخر خود بخود تو نہیں ہو گیا ضرور کوئی اس کا بنانے والا ہی اور پھر اُس نے جو انسان کو ایک خاص صفت عقل عطا کی ہی کچھ تو اس تخصیص[۲] کا مطلب ہی۔ مگر ہی کیا کہ انسان اس تصور کو اپنے ذہن میں آنے ہی نہیں دیتا ورنہ ساری خدائی خدا کی گواہی دے رہی ہی ؎

برگ[۳] درختان سبز درنظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

حمیدہ نے کوئی بات اچنبھے[۴] کی نہیں کی۔ اچنبھے کی بات تو یہ ہی کہ ہم میں نادان بچوں کے برابر بھی عقل نہیں ڈوب مرنے کی جگہ ہی زمین میں گڑ جانے کا مقام ہی۔ بلکہ حمیدہ کی باتوں کو میں ایک فال نیک اپنی کامیابی کی سمجھتا ہوں افسوس ہی کہ تم اُس کو میرے پاس نہ لے آئیں اُس کی ہر ہر بات لوح[۵] دل پر کندہ کرنے کے لائق ہی اور یہ باتیں اُس نے کیا کہیں خدا نے اُس کے منہ سے کہلوائیں۔ بیٹی کیا ہی۔ سچ پوچھو تو ہمارے لئے ہدایت کا فرشتہ ہی اور بچے جو معصوم[۶] کہلاتے ہیں اسی سبب سے کہ ان کے دل لوث[۷] دنیا سے پاک اور تیرگی[۸] گناہ سے صاف ہوتے ہیں۔ الحمدللہ کہ ایک سے تو اطمینان ہوا اب یہ بتاؤ کہ اوروں کے واسطے کیا انتظام کرنا ہو گا۔ فہمیدہ۔ تم ہی کوئی تجویز سوچو۔ نصوح۔ میں نے تو یہ سوچا ہی کہ لڑکیوں کو تم سنبھالو اور لڑکوں کو میں سمجھ لوں گا۔ فہمیدہ بھلا میں بھی تو سمجھوں کیوں کر سمجھ لو گے کہ وہی تدبیر میں بھی کروں۔ نصوح۔ میں پہلے چھوٹوں سے شروع کروں گا بعید ہی کہ جلد راہ پر آجائیں۔ بڑوں کا مجھ کو بڑا کھٹکا ہی۔ یہ تو میں خوب جانتا ہوں کہ یہ نیا ڈھنگ دیکھ کر اُن کے کان[۹] کھڑے ہوں گے۔ مگر نہیں معلوم کس سے کیا معاملہ پیش آئے

---

[۱] کاریگریوں ۱۲ [۲] یعنی انسان کو جو عقل کے ساتھ خاص کیا اسی کو عقل دی اور دوسری مخلوقات کو نہ دی تو عقل کی وجہ سے انسان پر کوئی خاص ذمہ داری بھی ضرور ہوگی ۱۲ [۳] ہرے درختوں کے پتے عقلمند کی نگاہ میں نرے پتے نہیں بلکہ خدا کے پہچاننے کے لئے ایک ایک پتا ایک دفتر کا حکم رکھتا ہی ۱۲ [۴] تعجب ۱۲ [۵] دل کی تختی پر کھودنے کے لائق ۱۲ [۶] بے گناہ ۱۲ [۷] یعنی دنیا کی محبت سے نہیں لتھڑے ۱۲ [۸] سیاہی [۹] جانور جب کوئی نئی چیز دیکھتا ہی تو کان کھڑے کر لیتا ہی مطلب یہ ہی کہ حیران ہوں گے تعجب کریں گے ۱۲

تم اتنا کرو کہ ایک تو میرا تمھارا دونوں کا کام ایک ساتھ شروع ہو۔ جب اندر باہر دونوں جگہ ایک ہی بات کا چرچا ہوگا تو کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ دیکھو خاص کر ہمارے پیچھے پڑے ہیں اولاد اولاد سب برابر انسے کچھ تعرض[1] نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ تمھاری ادا سے یہ بات پیدا ہو کہ اس معاملے میں ہم دونوں کو ایک اہتمام خاص ہی کیونکہ ذرا سا ضعف[2] بھی ظاہر ہوگا تو تمام تر انتظام درہم برہم[3] ہو جانے گا فہمیدہ[4] ان شاء اللہ اس کے خلاف نہ ہوگا۔

فصل چہارم نصوح اور چھوٹے بیٹے سلیم کی گفتگو

آج تو میاں بی بی میں یہ قول و قرار ہوا اگلے دن چھوٹا بیٹا سلیم ابھی سو کر نہیں اٹھا تھا کہ بیدارا نے آ جگایا کہ صاحب زادے اٹھیے بالاخانے پر میاں بلاتے ہیں۔ سلیم کی عمر اس وقت کچھ کم دس برس کی تھی۔ سلیم نے جو طلب کی خبر سنی گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور جلدی سے ہاتھ منہ دھو ماں سے آکر پوچھنے لگا اماں جان تم کو معلوم ہے ابا جان نے کیوں بلایا ہے۔ ماں۔ بھائی مجھ کو تو کچھ خبر نہیں۔ بیٹا۔ کچھ خفا تو نہیں ہیں۔ ماں۔ ابھی تو کوٹھے پر سے بھی نہیں اترے۔ سلیم۔ بیدارا تجھ کو کچھ معلوم ہے۔ بیدارا۔ میاں میں اوپر لوٹا لینے گئی تھی میاں اکیلے بیٹھے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے میں آنے لگی تو میاں نے آپ کا نام لیا اور کہا کہ ان کو بھیج دیجیو۔ سلیم۔ صورت سے کچھ غصہ تو نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بیدارا۔ نہیں تو۔ سلیم۔ تو اماں جان ذرا تم بھی میرے ساتھ چلو۔ ماں۔ میری گود میں لڑکی سوتی ہے تم اتنا ڈرتے کیوں ہو جاتے کیوں نہیں۔ سلیم۔ کچھ پوچھیں گے۔ ماں۔ جو کچھ پوچھیں گے تم اس کا معقول طور پر جواب دینا۔ غرض سلیم ڈرتا ڈرتا اوپر گیا اور سلام کر کے الگ جا کھڑا ہوا۔ باپ نے پیار سے بلا کر پاس بٹھا لیا اور پوچھا کیوں صاحب ابھی مدرسے نہیں گئے۔ بیٹا۔ جی بس اب جاتا ہوں ابھی کوئی گھنٹے بھر کی دیر اور ہے۔ باپ۔ تم اپنے بھائی کے ساتھ مدرسے جاتے ہو یا الگ بیٹا کبھی کبھی بھائی جان کے ساتھ چلا جاتا ہوں ورنہ اکثر اکیلا جاتا ہوں۔ باپ۔ کیوں۔ بیٹا۔ اگلے

[1] روک ٹوک۔ [2] کمزوری۔ [3] الٹ پلٹ۔ [4] [illegible] سمجھدار [illegible]

مہینے میں امتحان ہونے والا ہے چھوٹے بھائی جان اُسی کے واسطے تیاری کر رہے ہیں صبح سویرے اُٹھ کر کسی ہم جماعت[1] کے یہاں چلے جاتے ہیں وہاں ان کو دیر ہو جاتی ہے تو پھر گھر بھی نہیں آتے۔ میں جاتا ہوں تو اُن کو مدرسے میں پاتا ہوں۔ باپ۔ کیا اپنے گھر میں جگہ نہیں ہے کہ دوسروں کے یہاں جاتے ہیں۔ بیٹا۔ جگہ تو ہے مگر وہ کہتے تھے کہ یہاں بڑے بھائی جان کے پاس ہر وقت[2] گنجفہ اور شطرنج ہوا کرتا ہے اطمینان کے ساتھ پڑھنا نہیں ہو سکتا۔ باپ۔ تم بھی شطرنج کھیلنی جانتے ہو۔ بیٹا۔ میرے بیچا تا ہوں چالیں جانتا ہوں مگر کبھی خود کھیلنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ باپ اگر زیادہ دنوں تک دیکھتے دیکھتے یقین ہے کہ تم بھی کھیلنے لگو گے۔ بیٹا۔ شاید مجھ کو عمر بھر بھی شطرنج کھیلنی نہ آئے گی۔ باپ۔ کیوں کیا ایسی مشکل ہے۔ بیٹا مشکل ہو یا نہ ہو میرا جی ہی نہیں لگتا۔ باپ سبب بیٹا۔ میں پسند نہیں کرتا۔ باپ۔ چونکہ مشکل ہے اکثر مبتدی گھبرایا کرتے ہیں مجھ کو یقین ہے کہ گنجفے میں تمہاری طبیعت خوب لگتی ہوئی وہ بہ نسبت شطرنج کے بہت آسان ہے۔ بیٹا۔ میں شطرنج کی نسبت گنجفے کو زیادہ تر ناپسند کرتا ہوں۔ باپ شطرنج میں طبیعت پر زور پڑتا ہے اور گنجفے میں حافظے[3] پر۔ بیٹا۔ میری ناپسندیدگی کا کچھ خاص کر یہی سبب نہیں ہے بلکہ مجھ کو سارے کھیل بُرے معلوم ہوتے ہیں باپ۔ تمہاری اس بات سے مجھ کو تعجب ہوتا ہے۔ اور میں تم سے تمہاری ناپسندیدگی کا اصلی سبب سننا چاہتا ہوں کیونکہ شاید اب سے پانچ یا چھ مہینے پہلے جن دنوں میں باہر کے مکان میں بیٹھا کرتا تھا میں نے خود تم کو ہر طرح کے کھیلوں میں نہایت شوق سے ساتھ شریک ہوتے دیکھا تھا۔ بیٹا۔ آپ درست فرماتے ہیں میں ہمیشہ کھیل کے پیچھے دیوانہ بنا رہتا تھا مگر اب تو مجھ کو ایک دلی نفرت سی ہو گئی ہے۔ باپ۔ آخر اس کا کوئی سبب خاص ہوگا۔ بیٹا۔ آپ نے اکثر چار لڑکوں کو کتابیں بغل میں دابے اندھ گلی میں آتے جاتے دیکھا ہوگا۔ باپ۔ وہی گورے گورے چار لڑکے جو ایک ساتھ رہتے ہیں پھٹی[4] جوتیاں پہنے منڈے ہوئے سر اونچے پائجامے تنگ[5] چولیاں۔ بیٹا۔ ہاں

---

[1] جتنے لڑکے مدرسے کی ایک جماعت میں پڑھتے ہوں ایک دوسرے کے ہم جماعت کہلاتے ہیں ۱۲ [2] کلیم ۱۲ [3] یادداشت ۱۲ [4] جوتی کی ایڑی کو اندر کی طرف بٹھا دینے سے جوتی پھٹکی ہو جاتی ہے ۱۲ [5] تنگ یعنی پاجامے کی موری بہ نسبت چند بند جیسے کی جگہ کم چوڑی ہو ۱۲

جناب وہی چار لڑکے۔ باپ۔ پھر بیٹا۔ آپنے ان کو کسی قسم کی شرارت[1] کرتے بھی دیکھا ہی۔ باپ کبھی نہیں۔ بیٹا۔ جناب کچھ عجب عادت اُن لڑکوں کی ہی راہ میں چلتے ہیں تو گردن نیچی کئے ہوے۔ اپنے سے بڑا مل جائے جان پہچان ہو یا نہ ہو اُن کو سلام کرلینا ضرور کئی برس سے اس محلے میں رہتے ہیں مگر کانوں کان خبر نہیں۔ محلے میں کوڑیوں[2] لڑکے بھرے پڑے ہیں لیکن ان کو کسی سے کچھ واسطہ نہیں آپس میں اوپر تلے کے چاروں بھائی ہیں نہ کبھی لڑتے نہ کبھی جھگڑتے نہ گالی بکتے نہ قسم کھاتے نہ جھوٹ بولتے نہ کسی کو چھیڑتے نہ کسی پر آوازہ کستے۔ ہمارے ہی مدرسے میں پڑھتے ہیں وہاں بھی اُن کا یہی حال ہی کبھی کسی نے اُن کی جھوٹی شکایت بھی تو نہیں کی۔ ڈیڑھ بجے ایک گھنٹے کی چھٹی ہوا کرتی ہی اور لڑکے تو کھیل کود میں لگ جاتے ہیں یہ چاروں بھائی ایک پاس کی مسجد میں نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں۔ باپ۔ بھلا۔ پھر بیٹا۔ مجھلا لڑکا میرا ہم جماعت ہی۔ ایک دن میرا آموختہ[3] یاد نہ تھا مولوی صاحب نہایت ناخوش ہوئے اور اُس کی طرف اشارہ کرکے مجھ سے فرمایا کہ کمبخت گھر سے گھر ملا ہوا ہی اسی کے پاس جاکر یاد کرلیا کر۔ میں نے جو پوچھا کیوں صاحب یاد کرادیا کروگے تو کہا بسر و چشم[4]۔ غرض میں اگلے دن ان کے گھر گیا۔ آواز دی۔ اُنھوں نے مجھ کو اندر بلایا۔ دیکھا کہ ایک بہت بوڑھی سی عورت تخت پر جائے نماز بچھائے قبلہ رو[5] بیٹھی ہوئی کچھ پڑھ رہی ہیں۔ وہ ان لڑکوں کی نانی ہیں۔ لوگ ان کو حضرت بی کہتے ہیں۔ میں سیدھا سامنے دالان میں اپنے ہم جماعت کے پاس جا بیٹھا جب حضرت بی اپنے پڑھنے سے فارغ ہوئیں تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹا گو تم نے مجھ کو سلام نہیں کیا لیکن ضرور ہی کہ میں تم کو دعا دوں جیتے رہو عمر دراز خدا نیک ہدایت دے۔ اُن کا یہ کہنا تھا کہ میں غیرت کے مارے زمین میں گڑ گیا اور فوراً میں نے اُٹھ کر نہایت ادب کے ساتھ سلام کیا۔ تب حضرت بی نے فرمایا کہ بیٹا بُرا مت ماننا یہ بھلے مانسوں کا دستور ہی کہ اپنے سے جو بڑا ہوتا ہی اُس کو سلام کرلیا کرتے ہیں۔ اور میں تم کو نہ ٹوکتی لیکن چونکہ تم میرے بچوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہو اس سبب سے مجھ کو جتا دینا ضرور تھا۔ اس کے بعد حضرت بی نے مجھ کو مٹھائی دی اور اصرار کرکے[6] کھلائی۔ مدتوں بیٹھا

---

[1] دنگا ۱۲ [2] ۲۰ کی ایک کوڑی جیسے ۱۲ کا ایک درجن ۱۲ [3] مجھلا پڑھا ہوا ۱۲ [4] یعنی سر سے اور آنکھوں سے ۱۲ [5] قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے ۱۲ [6] [?] ضد ۱۲

اُن کے گھر جاتا رہا۔ حضرت بی مجھ کو بھی اپنے نواسوں کی طرح چاہنے اور پیار کرنے لگیں اور ہمیشہ مجھ کو نصیحت کیا کرتی تھیں۔ تبھی سے میرا دل تمام کھیل کی باتوں سے کھٹا[1] ہو گیا۔ باپ۔ یہ تو تم نے اچھا اختصار کیا۔ اجی اچھی طرح جی کھول کر بے تکلف سب باتیں مجھ کو سناؤ کیا کیا تم سے حضرت بی نے کہا رک رک کر اور چبا چبا کر باتیں کرنے سے میری طبیعت الجھتی ہے۔ ہاں تو پھر کیا ہوا۔ بیٹا ہر روز آنے جانے سے میں ان لوگوں کے ساتھ خوب بے تکلف ہو گیا مگر حضرت بی نے بس پہلے دن سلام نہ کرنے پر ٹوکا تھا پھر کوئی گرفت[2] نہیں کی۔ باوجودے کہ میں شوخی بھی کرتا تھا وہ خبر نہ ہوتی تھیں۔ ایک دن مجھ سے اور ایک ہمسائے کے لڑکے سے باہر گلی میں کھیلتے کھیلتے عین ان ہی کے دروازے پر لڑائی ہو پڑی۔ سخت کلامی کے بعد گالی گلوچ کی نوبت پہنچی پھر مار کٹائی ہونے لگی۔ لڑکا مجھ سے تھا کم زور اڑنگے[3] پر چڑھا چوں ایک پٹخنی دیتا ہوں چاروں شانے[4] چت۔ پھر تو میں اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور بچا کو ایسے گھسے دیے کہ یاد ہی کیے ہوں گے اور لوگ چھڑا نہ دیتے تو میں اس کو ادھموا[5] کر ہی چکا تھا۔ بارے دو چار آدمیوں نے مجھ کو اس پر سے اتارا اور دو ایک نے میری پیٹھ بھی ٹھوکی کہ شاباش پٹھے[6] شاباش۔ لیکن وہ لڑکا ایسا چیمڑ[7] باز تھا کہ پھر خم ٹھوک[8] کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ پھر گتھ[9] جاؤں اتنے میں اندر سے اسی میرے ہم جماعت نے آواز دی۔ ادھر لوگوں نے کہا کہ میاں جانے بھی دو یہ تمہارے جوڑ[10] کا نہیں ہے۔ غرض میں اندر چلا گیا۔ میرے ہم جماعت نے پوچھا کیوں جی کس سے لڑ رہے تھے میں نے کہا میاں یہی کنجڑے والا رمضانی مفت مار کھانے کی نشانی۔ لیکن خدا کی قسم میں نے بھی آج اس ......[11] کو ایسا رگڑا ہے کہ یاد ہی تو کرے گا۔ اس وقت تک غصہ اور طیش تو فرو ہوا ہی نہ تھا۔ نہیں معلوم کیا میں نے بکا کہ سب گھر والوں نے

---

[1] کھٹی چیز کا کھانا ناگوار ہوتا ہے مراد یہ ہے کہ جی بھر گیا ۱۲ [2] پکڑ۔ یعنی میری کوئی خطا نہیں پکڑی ۱۲ [3] پہلو پر اٹھا لینے کو اڑنگا کہتے ہیں ۱۲ [4] دونوں مونڈھے دونوں کولھے ملا کر چاروں شانے کہلاتے ہیں ۱۲ [5] نیم مردہ ۱۲ [6] جوان نو کو پٹھا کہتے ہیں ۱۲ [7] بے جا تکرار کرنے والا ۱۲ [8] ایک بازو کو دوسرے ہاتھ سے ٹھونکنا ۱۲ [9] پست ہو جاؤں ۱۲ [10] برابر کا ۱۲ [11] ان نقطوں سے مراد ہے کہ سلیم نے اس لڑکے کی شان میں اور بہت سے الفاظ کہے جو لکھے نہیں گئے ۱۲

سن کر آنکھیں نیچی کرلیں اور بڑی دیر تک سرنگوں[1] بیٹھے رہے۔ آخر حضرت بی بولیں کہ سلیم بڑی افسوس کی بات ہی کہ تو ایسا پیارا لڑکا۔ اور گن[2] تیرے ایسے خراب۔ اِس منہ سے ایسی باتیں۔ آج کئی کئی دن سے میں تجھ کو سمجھانے والی تھی مگر اسوقت جو میں نے تیری گفتگو سنی مجکو یقین ہوگیا کہ تجھ کو سمجھانا بے سُود[3] ہی۔ بڑا رنج تو مجھ کو اسی بات کا ہی کہ تو ہاتھ سے گیا گزرا ہوا۔ دوسرا کھٹکا یہ ہی کہ تو تیرے لڑکوں کے پاس آتا جاتا ہی اگر خدانخواستہ تیری خوبو کا ایک شمہ انھوں نے اختیار کیا تو میری طرف سے یہ جیتے جی مر گئے۔ ملنا جلنا تو بڑی بات ہی اب یہ محلہ مجھ کو چھوڑنا پڑا۔ اِتنی بیحیائی۔ ایسی بدزبانی۔ اول تو لڑنا اور پھر گلی کوچے میں اور اُس پر ایسی موٹی موٹی گالیاں۔ میں جناب خدا کی قسم ہرگز میں نے پہل[4] نہیں کی۔ وہ سرچڑھ کر مجھ سے لڑا۔ حضرت بی۔ بس اپنی قسموں کو بند کرو۔ میں قسم اور گالی دونوں کو برابر سمجھتی ہوں جس کو بے موقع بے محل خدا کا نام لینے میں باک نہیں اُس کو کسی بات[5] کے بک دینے میں تامل نہیں۔ میں۔ گالی بھی پہلے اُس نے مجھ کو دی۔ حضرت بی۔ تم نے کیوں گالی کھانے کی بات کی۔ میں۔ یہی تو عرض کرتا ہوں کہ میرا مطلق قصور نہ تھا۔ حضرت بی۔ کیا ایسے بیہودہ لڑکوں سے ملاقات رکھنا تمھارا قصور نہیں ہی۔ میں۔ جناب آپ کو معلوم نہیں وہ لڑکا راہ چلتوں کے سر ہوتا ہی۔ حضرت بی۔ یک نہ شد دو شد[6]۔ دروغ گویم بروئے تو[7]۔ میرے لڑکوں کے کوئی بھی سر نہیں ہوتا۔ میں۔ اِن سے تو سرے سے جان پہچان ہی نہیں۔ حضرت بی۔ اور تم سے ہی۔ میں۔ یہ کیونکر کہوں کہ نہیں ہی۔ حضرت بی۔ ہی تو دہی تمھارا قصور ہی اور اُس کی یہ سزا ہی کہ تم نے بازار میں گالیاں کھائیں۔ میں۔ لیکن میں نے بھی خوب ہی بدلا لیا۔ حضرت بی۔ بس یہی تو تمھاری خرابی کے لچھن ہیں اور تم اس کو بدلا سمجھتے ہو۔ اگر ایک شخص تمھارے ساتھ کچھ بُرائی کرے تو اُس کو لوگ بُرا کہیں گے یا نہیں کہیں گے۔ میں۔ ضرور کہیں گے۔ حضرت بی۔ اور جب تم اُس کے ساتھ زیادہ بُرائی کرو تو کیا تم زیادہ بُرے نہ کہلاؤ گے۔ گالیاں بکنا ایک ذبون[8] بات ہی۔ اُس نے بکیں تو جھک مارا اور تم نے زیادہ بکیں تو زیادہ جھک مارا۔ سلیم تم اپنے میں

---

[1] اندھا سر کئے ۱۲ [2] عادتیں ۱۲ [3] بے فائدہ ۱۲ [4] ابتدا ۱۲ [5] ایک جھوٹ تو تھا ہی دوسرا اور ہوا ۱۲ [6] جھوٹ بھی بولوں تو تمھارے روبرو ۱۲ [7] بُری ۱۲

اور اُس کنجڑے کے چھوکرے میں کچھ فرق سمجھتے ہو - یہ سُن کر مجھ کو ندامت شروع ہوئی اور میں نے کہا کہ واقع میں اس وقت تو مجھ میں اور اُس میں کچھ فرق نہ تھا - حضرت بی - لیکن وہ ایک بازاری آدمی کا بیٹا ہے اور تم ایک بڑے عزت دار کے لڑکے ہو - تمھارے دادا کا شہر میں وہ شہرہ ہے کہ اُنکے نام کی لوگ تعظیم کرتے ہیں - اُن ہی کے پوتے تم ہو جھوٹ بولنے پر دلیر - قسم کھانے میں بے باک - فحش بکنے میں بے دھڑک - سلیم ! کوئی شخص دین ہو یا دنیا کسی جگہ اس وجہ سے عزت نہیں پا سکتا کہ اس کے باپ دادا عزت دار تھے - اصل میں عزت آدمی کے کردار[۱] کی ہے - کیا تم کہہ سکتے ہو کہ یہ عادتیں جو تم نے سیکھی ہیں عزت حاصل کرنے کی ہیں - ہرگز نہیں یہ سُن کر مجھ کو اس قدر شرمندگی ہوئی کہ میں رونے لگا اور حضرت بی بھی آبدیدہ[۲] ہوئیں اور مجھ کو پاس بٹھا کر پیار کیا اور کہا کہ بیٹا میں تمھارے ہی فائدے کے لئے کہتی ہوں اب بھی کچھ نہیں گیا - لیکن چند روز بعد تم کو ان عادتوں کا چھوڑنا بہت مشکل ہو جائے گا میں نے اسی وقت توبہ کی اور کہا کہ اگر اب سے آپ مجھ کو قسم کھاتے یا فحش بکتے یا جھوٹ بولتے یا بازاری لڑکوں میں کھیلتے سنیں تو مجھ کو اپنے گھر میں نہ آنے دیجئے گا -

باپ - کیا بس اسی دن سے تم کو کھیلنے سے نفرت ہوگئی - بیٹا - جناب نہیں مہینوں میں حضرت بی کے یہاں جاتا رہا اور ہر روز نصیحت کی دو چار باتیں وہ مجھ سے کہا کرتی تھیں ایک روز اُنھوں نے مجھ سے میرے وقت کا حساب پوچھا - میں نے سونا اور کھانا اور کھیلنا اور تھوڑی دیر لکھنا پڑھنا بہتیرے کام گنوائے - مگر اُنھوں نے سُن کر ایک ایسی آہ کھینچی کہ آج تک اُس کی چوٹ میں اپنے دل میں پاتا ہوں اور کہا کہ سلیم آٹھ پہر میں خدا کا ایک کام بھی نہیں - خدا نے تم کو آدمی بنایا کیا ممکن نہ تھا کہ وہ تم کو طوطی یا کتا بنا دیتا - پھر آدمی بھی بنایا تو ایسے خاندان کا جو عزت دار اور خوش حال ہے - ہو سکتا تھا کہ تم دو دریا یا کرا[؟] پارے کے گھر میں ہوتے اور ایسی ہی چھوٹی سی عمر میں تم کو پیٹ پورا کرنے کے واسطے محنت کرنی پڑتی اور پھر بھی سوائے چبینے[۳] کے اور کچھ نہ پاتے اور وہ بھی پیٹ بھر کر نہیں ایک لنگوٹی تم باندھے پھرتے - نہ پاؤں میں جوتی - نہ سر پر ٹوپی - نہ گلے میں انگرکھا - جہاں جاتے دُور دُور[۴]

---

[۱] کرتوت چال ۱۲ [۲] آنکھوں میں آنسو بھر آئے ۱۲ [۳] چنے وغیرہ جو چبائے جاتے ہیں ۱۲ [۴] دُور دُور کا مخفف ہے ۱۲

جس کے پاس کپڑے ہوتے پھٹے پھٹے[1]۔ پھر صورت تم کو ایسی پاکیزہ دی کہ جو دیکھے پیار کرے۔ کیا تم کو کالا بھجنگ[2]۔ کانڑا۔ لنگڑا۔ کوڑھی بنا دیتا اُس کو تسکل تھا۔ جس خدا کے تم پر اتنے سلوک اور اتنے احسان ہیں ستم[3] ہے کہ دن رات میں ایک دفعہ بھی اُسکے آگے سر نہ جھکاؤ۔ غضب ہے کہ ایک لمحہ بھی اُسکو یاد نہ کرو۔ تب حضرت بی نے مجھ کو نماز سکھائی اور اس کے معنے سمجھائے اور اسی طرح انھوں نے مجھ کو ہزارہا نصیحتیں کیں کہ بر زبان یاد نہیں رہیں مگر افسوس ہے کہ کئی مہینے سے اُنکے گھر میرا جانا چھوٹ گیا۔ یہ کہہ کر سلیم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ باپ کیوں تم نے کس لئے اُن کے یہاں کا جانا ترک[4] کیا۔ کیا اُن کے نواسوں سے لڑائی ہوگئی۔ بیٹا۔ جناب اُن کے نواسے مجھ کو بھائیوں سے کہیں زیادہ عزیز ہیں اگر میں اُن سے لڑتا تو دُنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی نالائق نہ تھا۔ باپ۔ پھر کیا خود حضرت بی تم سے ناخوش ہوگئیں۔ بیٹا۔ استغفراللہ[5] وہ تو اس درجے کی نیک ہیں کہ غصہ ان کو چھو ہی نہیں گیا۔ باپ۔ تو کیا تم آپ سے آپ بیٹھ رہے۔ بیٹا۔ میں تو ہر روز وہاں جانے کیواسطے تڑپتا ہوں۔ باپ۔ تو کیا یہاں تم کو کسی نے منع کیا۔ بیٹا۔ نہیں کسی نے منع بھی نہیں کیا۔ باپ۔ پھر کیا سبب ہوا۔ بیٹا۔ اگر آپ مجھ کو اس کا سبب بیان کرنے سے معاف رکھتے تو بہتر تھا۔ باپ۔ نہیں ضرور ہے کہ میں تمھارے نہ جانے کا سبب معلوم کروں۔ بیٹا۔ اس میں ایک شخص کی شکایت ہوگی اور حضرت بی نے مجھ کو غیبت[6] اور چغلی سے ممانعت کی ہے۔ باپ۔ لیکن کیا وہاں کے نہ جانے سے تمھارا نقصان نہیں ہے۔ بیٹا۔ اے جناب نقصان سا نقصان ہے مگر میرے اختیار کی بات نہیں۔ باپ۔ تو میں تم کو اپنے منصب[7] پدری کی رو سے حکم دیتا ہوں کہ تم سارا حال پوشت کندہ[8] بیان کرو۔ بیٹا۔ جناب آپ پوچھتے ہیں تو میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت بی نے ایک مرتبہ مجھ کو بتاکید کہا تھا کہ تم اپنے سر کے بال منڈوا ڈالو اگرچہ مجھ کو بال بہت عزیز تھے اور میں اُن کی خدمت بھی

[1] پھٹکار سے نکلا ہے ۱۲ [2] بھٹی کی طرح کا سیاہ ۱۲ [3] ظلم ۱۲ [4] چھوڑ دیا ۱۲ [5] اس کے لفظی معنی تو ہیں کہ میں خدا سے معافی مانگتا ہوں مگر مراد یہ ہے کہ اگر میری کسی بات سے آپ نے حضرت بی کا قصور سمجھا تو وہ میری غلطی ہے خدا معاف کرے ۱۲ [6] کسی کو پیٹھ پیچھے بُرا کہنا ۱۲ [7] یعنے باپ ہونے کے حق سے ۱۲ [8] صاف صاف لفظی معنی اوپر کی چھال یا کھال نکلی ہوئی ۱۲

بہت کچھ کرتا تھا لیکن چونکہ مجھ کو یقین تھا کہ حضرت بی جو بات کہتی ہیں ضرور میری منفعت کے واسطے
کہتی ہیں میں نے کہا بہت خوب حضرت بی نے اور تو کچھ سبب بیان نہیں کیا مگر اتنا کہا کہ بالوں کی
بزرگ داشت[1] میں تمہارا بہت سا وقت صرف ہوتا ہے اور وقت ایسی چیز نہیں ہے کہ اُس کو ایسی
فضول باتوں میں صرف کیا جائے اور تم کو بڑے بال رکھنے کی کچھ ضرورت بھی نہیں ہے۔ اگلے دن
جو حجام بڑے بھائی جان کا خط بنا[2] نے آیا میں نے اس سے کہا کہ خلیفہ[3] میرے بال بھی مونڈ دینا۔
بالوں کا مونڈنا سن کر بڑے بھائی جان اس قدر خفا ہوئے کہ میں عرض نہیں کر سکتا۔ مجھ کو جو جانتے
کہہ لیتے حضرت بی اور ان کے نواسوں کو بہت ہی بُرا بھلا کہا۔ یہ کہہ کر سلیم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے
باپ۔ تمہارے بڑے بھائی سے اور حضرت بی سے کیا واسطہ اور اُن کو تمہارے افعال میں معترض
ہوتے کیا دخل۔ بیٹا۔ جناب نہیں معلوم اُن کو کس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ میں اُنکے گھر آیا جاتا ہوں
دو ایک مرتبہ مجھ سے پہلے بھی کہا تھا کہ تو ان مُردہ شو[4]۔ قل اعوذیوں[5] کے ساتھ اکثر رہتا ہے کیا تو بھی
ملانا اور مسجد کا ٹکڑ گدا[6] بنے گا۔ اُس دن بالوں پر کہنے لگے کہ دیکھا آخر ان نابکاروں کی صحبت کا یہ اثر ہوا
کہ آپ اچھے خاصے سر کو چھلا ہوا کھیرا بنانے چلے ہیں کہ دیکھتے ہی ہتھیلی کھجلائے۔ چانٹا مارنے کو جی چاہے۔ ابے
اکیلے سر منڈانے سے کیا ہوتا ہے ڈھیلا ڈھالا کُرتہ پہن گھٹنوں تک کا پائے جامہ بنا پانچ آیت[7] کے
واسطے دو چار سورتیں یاد کر اور جی چاہے کہ فقط انگلی کو خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہو جاؤں اور زردے پلاؤ کی
بریانی کی دعوتوں میں شامل ہو جاؤں تو بچا ہاتھ دھو رکھو گھسنا تو ملنے ہی کا نہیں۔ باپ۔ تم نے
کچھ جواب نہیں دیا۔ بیٹا۔ جناب دل تو بڑے بھائی کو جواب دینا خلافِ شیوۂ ادب تھا اور اگر دیتا تو مجھ کو
جیتا بھی نہ چھوڑتے۔ جب تک میں سامنے سے ٹل نہیں گیا انھوں نے زبان بند نہیں کی اور ناحق

---

[1] خدمت۔ حفاظت ۱۲ [2] ڈاڑھی مونچھ کی اصلاح کو خط بنوانا بولتے ہیں ۱۲ [3] حجاموں کو عموماً عزت کی راہ سے خلیفہ کہنے لگے ہیں ورنہ حقیقت میں خلیفہ اُستاد کا جانشین ۱۲ [4] مُردوں کے نہلانیوالے ۱۲ [5] قل اعوذ سے قرآن کی دو سورتیں شروع ہوتی ہیں نمازی لوگ ان سورتوں کو اکثر پڑھتے رہتے ہیں آفتوں سے بچنے کیلیے بڑی مفید ہیں۔ کلیم نے حقارت کی راہ سے قل اعوذیے کہا ۱۲ [6] روٹی کے ٹکڑوں کے لیے بھیک مانگنا۔ مولوی لوگ اکثر دعوتیں کھاتے رہتے ہیں۔ کلیم نے ان کو ٹکڑ گدا بنا دیا ۱۲ [7] مُردے کا تیجا ہوتا ہے تو کم سے کم پانچ آیتیں پڑھ کر ثواب پہنچاتے ہیں ۱۲

تم اس گھر کو حضرت بی کے گھر کی طرح دیکھو گے کوئی تفرقہ تم میں اور اُن کے نواسوں میں باقی نہ رہے گا سلیم! تمھاری آج کی گفتگو سُن کر میرا جی بہت ہی خوش ہوا اور تم مجھ کو ساری اولاد میں سب سے زیادہ عزیز ہو گئے۔ تم کو میں دوسروں کے لیے نمونہ اور مثال بناؤں گا اور اُن کو جو تم سے بڑے ہیں تمھاری تقلید پر مجبور کروں گا۔

فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی

اِدھر تو نصوح اور سلیم دونو باپ بیٹوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اُدھر اتنی ہی دیر میں فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ میں خاصی ایک جھوڑ ہو گئی۔ نعیمہ اس وقت دو برس کی بیاہی ہوئی تھی پانچ مہینے کا پہلونٹی کا لڑکا گود میں تھا۔ ناز و نعمت میں پلی۔ نانی کی چہیتی۔ ماں کی لاڈو۔ مزاج کچھ قدرتی تیز۔ باپ کے لاڈ اور پیار سے وہی کہاوت ہی کریلا اور نیم چڑھا اور بھی چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ساس نندوں میں بھلا اس مزاج کی عورت کا کیوں گذر ہونے لگا تھا۔ گھونگھٹ کے ساتھ منھ کھلا اور منھ کا کھلنا تھا کہ سسرال کا آنا جانا بند ہو گیا۔ اب چھے مہینے سے ماں کے گھر بیٹھی ہوئی تھی مگر رسّی جلی پر بل نہ گیا باوجودیکہ اجڑی ہوئی میکے میں پڑی تھی مزاج میں وہی طنطنہ تھا کو اپنے ہی میں سوا گز (۱) کی تھی کچھ یوں ہی سا لحاظ بڑی بوڑھیوں کا تھا سو بیاہے سے اُن کو بھی دھتکار بتائی۔ بیٹا جنے پیچھے تو اور بھی کھل کھیلی۔ مردوں تک کا لحاظ اُٹھا دیا۔ فہمیدہ نے میاں کے روبرو بیڑا اُٹھاتے تو اُٹھا لیا تھا لیکن نعیمہ کے تصور سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور جی ہی جی میں کہتی تھی کہ ذرا بھی میں اس بھڑوں کے چھتے کو چھیڑوں گی تو میرا سر مونڈ کر بھی بس نہیں کرے گی سو سو منصوبے ذہن میں باندھتی تھی مگر نعیمہ کی شکل نظر پڑی اور سب غلط ہو گئے۔ ماں تو موقع اور محل ہی سوچتی رہی نعیمہ نے خود ہی ابتدا کی۔ بڑے سویرے بچہ حمیدہ کو دے کر خود ہاتھ منھ دھونے میں مصروف تھی۔ جب حمیدہ نے دیکھا کہ نماز کا وقت نکلا جاتا ہے بچے کو بٹھا نماز

۱؎ فرق ۱۲ ۲؎ پہلی ... ۱۲ ۳؎ جو بچہ سب سے پہلے پیدا ہو ۱۲ ۴؎ کہاوت ہے ۱۲ ۵؎ شیخی ۶؎ ناک مزاج ... بگڑی ۱۲ ... ۱۲

پڑھنے لگی۔ بچہ الھڑ کھڑی ماں کا تھا تُھانا تھا کہ بلبلا اُٹھا۔ آواز سُن کر ماں دوڑی آئی۔ دیکھا کہ بچہ اکیلا پڑا رو رہا ہے اور حمیدہ کھڑی نماز پڑھ رہی ہے دُور سے دوڑ پیچھے سے حمیدہ کے ایسی دو ہتڑ ماری کہ حمیدہ رکوع سے پہلے سجدے میں جا گری۔ اُس وقت فہمیدہ کسی ضرورت سے دوسرے قطعے میں گئی تھی۔ پھر کر آئی تو دیکھا کہ حمیدہ چبوترے پر پانی کا لوٹا لیے ہوئے سر جھکائے بیٹھی ہے اور ناک سے خون کی تلّی جاری ہے۔ گھبرا کر پوچھا کہ ابھی تو میں تمھیں نماز پڑھتی کو چھوڑ گئی تھی اتنی ہی دیر میں یہ ہوا تو کیا ہوا دیکھوں کہیں نکسیر تو نہیں پھوٹی۔ حمیدہ بیچاری نے ابھی کچھ جواب بھی نہیں دیا تھا کہ نعیمہ خود بول اُٹھی اے بی ہوا کیا ذرا کی ذرا لڑکے کو دے کر میں مُنھ دھونے چلی گئی اس نکمّی سے اتنا نہ ہو سکا کہ لڑکے کو لیے رہے آخر میں کہیں کنوئیں میں گرنے تو نہیں چلی گئی تھی لڑکے کو بلکتا ہوا لٹا نیت باندھ نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ میں جو آئی تو یوں ہی ہولے سے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ آپ دھڑام سے گر پڑی کہیں تخت کی کیل لگ گئی ہو گی۔ ماں۔ اچھا تم نے ہولے سے ہاتھ رکھا تھا کہ نگوڑی لڑکی کے فصد کے برابر خون نکلا۔ کیسے دنیا میں لہو سفید ہو گئے ہیں نعیمہ۔ لہو سفید نہ ہو گئے ہوتے تو کیا یوں بھانجے کو روتا ہوا چھوڑ دیتی۔ ماں۔ لیکن اُس نے بے سبب نہیں چھوڑا اُس کی نماز چلی جا رہی تھی۔ نعیمہ۔ بلا سے صدقے سے نماز کو جانے دیا ہوتا نماز پیاری تھی یا بھانجا ماں۔ لڑکی ڈر خدا کے غضب سے کیا کفر بک رہی ہے اس حالت کو تو پہونچ چکی اور پھر بھی تو درست نہ ہوئی۔ نعیمہ۔ خدا نہ کرے میری کونسی حالت تم نے بُری دیکھی۔ ماں۔ اس سے بدتر حالت اور کیا ہو گی کہ تین برس بیاہ کو ہوے اور ڈھنگ سے ایک دن اپنے گھر میں رہنا نصیب نہیں ہوا۔ نعیمہ۔ وہ جنم جلا گھر ہی ایسا دیکھ لیا ہو تو کوئی کیا کرے۔ ماں۔ ہاں بیٹی سچ ہے

ا؎ تنک مزاج ۱۲ ب؎ پھڑک گیا ۱۲ ج؎ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر جو تھپڑ مارا جائے ۱۲ د؎ رکوع کے معنے ہیں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے کھڑے جھک جانا۔ نماز میں رکوع پہلے ہوتا ہے اور سجدہ پیچھے ۱۲ ہ؎ دھار ۱۲ و؎ آہستہ سے ۱۲ ز؎ گرنے کی آواز ۱۲ ح؎ محبت کے باقی نہ رہنے کو یوں تعبیر کرتے ہیں کیونکہ خون کی رنگت گرمی کی وجہ سے ہوتی ہے گرمی گئی اور خون کا پانی ہوا تو مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں محبت کی گرمی نہیں رہی ۱۲ ط؎ کوسنا دیتے [illegible] کے جنم کو لگے آگ ۱۲

میں تو تیری ایسی ہی دشمن تھی مائیں بیٹیوں کو اسی واسطے بیاہا کرتی ہوں گی کہ بیٹیاں اُجڑی ہوئی اُن کے گھٹنے لگی بیٹھی رہیں۔ نعیمہ۔ کیا جانیں ہم کو تو آنکھیں میچ کر کنوئیں میں ڈھکیل دیا تھا سو ٹیڑے ڈبکیاں[1] کھا رہے ہیں۔ ماں۔ خیر بیٹی اللہ رکھے تمھارے آگے بھی اولاد ہے اب تم سمجھ بوجھ کر ان کی شادی بیاہ کرنا۔ نعیمہ۔ کریں ہی گے نہ کریں گے تو کیا تمھارے بھروسے پر بیٹھے رہیں گے۔ ماں میں کیا کہتی ہوں کہ میرے بھروسے بیٹھی رہنا۔ بڑا بھروسا خدا کا۔ نعیمہ۔ کیسا خدا بھروسا اپنے دم قدم کا۔ ماں۔ یہ دوسری دفعہ ہے کہ تو خدا کی شان میں بے ادبی کر چکی ہے اب کی تو نے اس طرح کی بات مُنھ سے نکالی اور بے تامّل میں تڑ تڑے[2] سے طمانچہ تیرے مُنھ پر کھینچ ماروں گی۔ نعیمہ۔ سچ کہنا بڑی بے چاری مارنے والیں مار و اپنی چہیتی کو مار و اپنی لاڈو کو۔ ماں۔ کیسی چہیتی کیسی لاڈو قربان کی تھی وہ اولاد جو خدا کو نہ مانے۔ نعیمہ۔ یہ کب سے۔ ماں۔ جب سے خدا نے ہدایت دی۔ نعیمہ۔ چلو خیر جب ہم بھی تمھاری عمر کو پہونچیں گے تو بہتیرا خدا کا ادب کریں گے۔ ماں۔ آپ کو خیر سے غیب دانی[3] میں بھی دخل ہے کہ بارے میری عمر تک پہنچنے کا یقین ہے۔ نعیمہ۔ اب تم میرے مرنے کی فال نکالو۔ ماں۔ نہ کوئی کسی کی فال سے مرتا اور نہ کوئی کسی کی فال سے جیتا جس کی جتنی خدا نے لکھدی۔ نعیمہ۔ ورنہ تم مجھ کو کاہے کو جینے دیتیں۔ ماں۔ اتنا ہی اختیار رکھتی ہوتی تو تجھ کو آدمی ہی نہ بنا لیتی۔ نعیمہ۔ نوج کیا میں حیوان ہوں۔ ماں۔ جو خدا کو نہیں جانتا وہ حیوان سے بدتر ہے۔ نعیمہ۔ اب تو ایک حمیدہ تمھارے نزدیک انسان ہے باقی سب گدھے ہیں۔ ماں۔ حمیدہ کا تجھ کو کیا جلا پا پڑ گیا تو اس کی جوتی کی برابری تو کرلے۔ نعیمہ۔ خدا کی شان یہ اُٹھک بیٹھک کر لینے سے حمیدہ کو ایسے بھاگ لگ گئے۔ فہمیدہ دو مرتبہ بیٹی کو منع کر ہی چکی تھی اور سمجھا دیا تھا کہ اگر پھر دین کی باتوں میں بے ادبانہ کلام کرے گی تو میں بے تامّل منھ پر طمانچہ کھینچ ماروں گی اس مرتبہ جو نعیمہ نے نماز کو اُٹھک بیٹھک کہا تو حرارت[4] دینداری نے فہمیدہ کو بے اختیار کر دیا اور اُس نے واقع میں جیسا کہا تھا نعیمہ کے مُنھ پر ایک طمانچہ ایسے زور سے مارا کہ مُنھ ہی تو پھر گیا۔ طمانچے کا لگنا تھا کہ نعیمہ نے ایک آفت توڑ ماری۔ سب سے پہلے تو اُس نے دے دُھواں[5] دُھوں دے دُھواں دُھوں اپنے بے زبان معصوم بچے کو پیٹ ڈالا

---

[1] غوطے ۱۲ [2] طمانچے کی آواز ۱۲ [3] غیب دانی یعنی ان دیکھی بات کو جاننا ۱۲ [4] دین کیلئے جو گرمی دل میں ہو اور غصہ آجائے ۱۲ [5] بھر کر یا یکبارگی ۱۲

اگر لوگ اُس کی گود سے بچے کو نہ چھین لیں تو وہ لڑکے کا خون[1] ہی کر چکی تھی۔ اُس کے بعد تو اُس نے عجب عجب غیل[2] مچائے۔ گھنٹوں تو چیخیاں کھایا کی۔ کپڑوں کا ایک تار باقی نہ رکھا۔ نہیں معلوم اس کا سر تھا یا لوہے کا گولہ تھا کہ ہزاروں تو دو ہتڑ اُس پر پڑے آدھے سے زیادہ بال کھسوٹ ڈالے۔ سیکڑوں ٹکریں دیواروں میں ماریں۔ حیرت ہے کہ وہ سر بچا تو کیونکر بچا۔ اُس کے پاگلپنے[3] دیکھ کر سارا گھر تھرّا[4] اُٹھا اور لوگ ڈرنے لگے کہ ایسا نہ ہو محلّے والے غل سُن کر اندر گھس آئیں۔ بارے بمشکل پکڑ پکڑا کر کوٹھری کے اندر ڈھکیل اوپر سے کنڈی لگا دی۔ نیچے گھر میں اتنا غل ہوا مگر بالا خانہ کچھ ایسا الگ سا تھا کہ نصوح کو مطلق خبر نہیں ہوئی۔ جب سلیم باپ سے باتیں کر کے نیچے اُترا تو فہمیدہ اوپر گئی۔ اُس وقت تک غیظ[5] و غضب اور رنج و تعجب کے آثار اس کے چہرے سے نمودار[6] تھے ہی دور رہی سے نصوح نے پوچھا خیریت تو ہے۔ فہمیدہ۔ اللہ تعالیٰ خیریت ہی رکھے۔ کیوں تم نے کیا سمجھ کر پوچھا۔ نصوح۔ تمہارے چہرے پر ہوائیاں[7] اُڑ رہی ہیں ہونٹ خشک ہو رہے ہیں سر سے پاؤں تک کھڑی کانپ رہی ہو آخر یہ سب باتیں بے سبب تو نہیں ہیں۔ فہمیدہ نے نعیمہ کی اور اپنی تمام سرگذشت[8] بیان کی۔ نصوح یہ ماجرا سُن کر دم بخود ہو گیا۔ آدھے گھنٹے کے قریب دونوں میاں بی بی چپ سناٹے میں بیٹھے رہ گئے آخر فہمیدہ نے کہا پھر اب کیا صلاح۔ نصوح۔ صلاح یہی ہے کہ جو ہونی ہو سو ہو اب نرمی[9] اور لعنت[10] نہیں کرنی چاہیے معاذ اللہ ایسا بُرا عقیدہ۔ بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی اہل اسلام کے خاندان کی لڑکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا اُس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔ مجھ کو تو اس کے ساتھ کھانا حرام ہے۔ بڑی ہی خیریت گذری کہ میں وہاں موجود نہ تھا ورنہ میرے روبرو ایسا کلمہ اُس کے مُنہ سے نکلا ہوتا تو شاید میں تلوار کھینچ مارتا۔ ایسی اولاد کے ہونے سے نہ ہونا اچھا۔ بہتر ہوگا کہ ابھی پالکی منگا اُس کو اُس کی سسرال پہنچا دو۔ فہمیدہ۔ بھلا کیسی باتیں کرتے ہو بے طلب بے تقریب بھیج دیں تو ایک تو پہلے ہی سے اُس نے اپنی عزت کو خاک میں ملا رکھا ہے رہی سہی اور بھی غارت ہو۔ مجھ کو کیا خبر تھی ورنہ تمہاری عیادت[11] کی تقریب سے عورت مرد سارا سمدھیانہ آیا تھا اور اس کے لے جانے کیلئے منّت[12] کرتے تھے

---

[1] جان سے مار چکی تھی ۱۲ [2] غیل۔ فساد ۱۲ [3] کانپ اٹھا ۱۲ [4] غصہ ۱۲ [5] غیظ ۱۲ [6] ظاہر ۱۲ [7] چہرے کے زرد ہو جانے کو ہوائیاں اُڑنا کہتے ہیں ۱۲ [8] جو حقیقت گذر رہی تھی ۱۲ [9] نرمی ملائم پن ۱۲ [10] پیار پچکار ۱۲ [11] بیمار پرسی ۱۲ [12] خوشامد ۱۲

نصوح - جو کمبخت عورت خدا کی عزت و حرمت نہ رکھے وہ دنیا میں ہر طرح کی بے عزتی اور بے حرمتی کی
سزاوار ہے - جب اُس کو خدا کا پاسِ ادب[1] نہیں مجھ کو ہرگز ہرگز اُس کا پاسِ محبت نہیں - فہمیدہ -
میں کہتی ہوں شاید اب بھی یہ درست ہو جائے - نصوح - تو بہ تو بہ اُس کے دل میں مطلق نورِ ایمان
نہیں وہ تو سرے سے خدا ہی کی قائل نہیں پھر کیا درستی کی اُمید - فہمیدہ - سسرال بھیج دینا تو ٹھیک نہیں
نصوح - پھر مجھ سے کیا صلاح پوچھتی ہو جو تمھارے جی میں آئے سو کرو - لیکن یہ ممکن نہیں کہ اُس کے
ایسے خیالات ہوں اور میں اُس کو اپنے گھر میں رہنے دوں اور جو شخص خدا ہی کو نہیں مانتا وہ
کیوں اُس روزی میں شریک ہو جو ہم کو خدائے تعالیٰ اپنی مہربانی اور عنایت سے دیتا ہے - فہمیدہ
لیکن خدائے تعالیٰ اپنا رزق کسی سے دریغ[2] نہیں رکھتا بُرے بھلے سب اُس کے یہاں سے روزی
پاتے ہیں - نصوح - میں اُس کے رزق کا انسداد[3] نہیں کرتا لیکن میں اپنی کمائی میں منکرِ خدا کو شریک
نہیں کرنا چاہتا - فہمیدہ - ایسی سختی سے گھر میں کوئی کاہیکو رہنے لگا - نصوح - میں اُس گھر کی فکر میں[4] ہوں
جہاں مجھ کو ہمیشہ رہنا ہے دنیا کا گھر چند روزہ گھر ہے آج اُجڑا تو اور کل اُجڑا تو - ایک نہ ایک دن اُجڑیگا
ضرور - کیا میرے آباد کرنے سے آباد رہ سکتا ہے - فہمیدہ - ہاں لیکن ایک مرے پیچھے اُجڑنا اور
ایک جیتے جی اُجڑنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے - نصوح - لیکن تم دل کی ایسی کچی تھیں تو تم نے ہاتھی[5]
کیوں بھری اور تمھارا یہ حال ہے تو واقع میں خاندان کی اصلاح ہو نہیں سکتی - فہمیدہ - کیا اولاد کے
واسطے جی نہیں کڑھتا - میں نے اِن کو اسی دن کے واسطے پالا تھا کہ یہ بڑے ہو کر مجھ سے چھوٹ
جائیں بے شک مجھ سے تو اتنا صبر نہیں ہو سکتا - اتنا کہہ کر فہمیدہ کا جی[6] بھر آیا اور وہ رونے لگی
نصوح - میں نہیں کہتا کہ تمھارا جی نہیں کڑھتا اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجھکو تمھاری برابر ان کی محبت
ہے لیکن میں نے یہ بھی تو نہیں کہا کہ تم ان کو چھوڑ دو - فہمیدہ - کیوں ابھی تم نے نعیمہ کو سسرال
بھیج دینے کے لیے نہیں کہا - نصوح - کیا نعیمہ کبھی سسرال نہیں گئی اور سسرال بھیج دینا اور چھوڑ دینا
ایک ہی بات ہے - فہمیدہ - لیکن ایک ہنسی خوشی جانا جس طرح دنیا جہان کی بیٹیاں میکے سے

---

[1] لحاظ ۱۲ [2] یعنی روزی دینے میں مضائقہ نہیں کرتا ۱۲ [3] بندش ۱۲ [4] عاقبت [5] ہاتھی کیوں کی تھی ۱۲ [6] بیٹی کی محبت کی وجہ سے دل کو رقت ہو کر وہ رونے لگی ۱۲

جایا کرتی ہیں، اور ایک لڑ کر جانا اور لڑائی بھی ایسی لڑائی کہ عمر بھر ایسی نہیں ہوئی۔ مجھ کو یاد نہیں
کہ میں نے نعیمہ کو کبھی ہاتھ بھی لگایا ہو۔ جواب اس سے زیادہ سخت سخت اُس نے دیے۔ مگر جب
وہ جواب دیتی تھی میں ہنس دیا کرتی تھی۔ اِس مرتبہ نہیں معلوم میں کچھ ایسی آپے سے باہر ہو گئی کہ
چھوٹتے[1] ہی تھپڑ کھینچ مارا اتنا بھی مجھ کو خیال نہ رہا کہ یہ بیاہی ہوئی صاحب اولاد ہے۔ نصوح۔ اگر
تم نے اُس کو تھپڑ نہ مارا ہوتا تو میں تم سے پوچھتا کہ تم کیسی دیندار تھیں کہ ایک شخص نے جس کے
دفع[2] کرنے پر تم کو قدرت حاصل تھی تمھارے منھ پر خدا کی شان میں بے ادبی کی استخفاف[3] و استہزا[4] کے ساتھ
اُس کا نام پاک لیا اور مطلق تم کو بُرا نہ لگا۔ فہمیدہ۔ بُرا نہ لگتا تو میں مارتی ہی کیوں۔ نصوح۔ بے شک
تم نے مارا تو بہت بجا کیا لیکن اب اُس پر افسوس کرنا اپنے تئیں ملزم بناتا ہے۔ فہمیدہ۔ لیکن لڑکی
جو ہاتھ سے جاتی ہے۔ نصوح۔ یہ حالت تمھارے لیے ایک امتحان کی حالت ہے۔ ایمان اور اولاد
دو چیزیں ہیں۔ اور سخت افسوس کی بات ہے کہ ان دونوں کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔
اس واسطے کہ ہماری اولاد دین کی عدو اور ایمان کی دشمن ہے۔ اگر اولاد کا منھ کریں تو دین و
ایمان ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر ایمان کا حفظ[5] کریں تو اولاد چھوٹتی ہے۔ پس تم کو اختیار ہے دونوں
میں سے جس کو چاہو لو۔ فہمیدہ۔ میں ایمان لوں گی میں ایمان لوں گی جو عاقبت میں میرے کام
آئے گا۔ نصوح۔ جزاک[6] اللہ صد آفریں ہے تمھاری فہم[7] پر بے شک ایمان بڑی چیز ہے۔ فہمیدہ۔
رہی اولاد کیا کروں چھاتی[8] پر پتھر رکھوں گی۔ مجھکو کیا خبر تھی کہ اس پیٹ کم بخت کو یوں آگ لگے
گی اور اُس ناشاد[9] کوکھ میں ایسے کیڑے پڑیں گے۔ فہمیدہ۔ یہ کہہ کر بڑی درد و حسرت کے ساتھ
روئی کہ اُسکو دیکھ کر نصوح بھی بے قرار ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نصوح بولا کہ دل کو مضبوط رکھو
اور اللہ کو یاد کرو جب تمھاری نیت بخیر ہے تو سب ان شاء اللہ بہتر ہی بہتر ہوگا۔ وہ بڑا قادر ہے
چاہے تو دم کے دم میں ہماری ساری اولاد کو ولی[10] کر دے۔ دُعا کیجے اللہ ان کو نیک راہ
دکھائے۔ فہمیدہ۔ رواں رواں دعا کر رہا ہے اللہ ہی قبول کرے اور اسی سے کو[11] لگی ہے۔ نصوح

[1] یعنے بلا انتظار۔ بے تامل ۱۲ [2] دور کرنے۔ ہٹانے ۱۲ [3] حقارت کے ساتھ ۱۲ [4] ہنسی اور ٹھٹے کے طور پر ۱۲ [5] خبرداری کریں۔
بچائیں۔ سنبھالیں ۱۲ [6] خدا تم کو اس کا بدلہ دے ۱۲ [7] سمجھ ۱۲ [8] چھاتی پر پتھر رکھنا مصیبت کو برداشت کرنا۔ صبر کرنا ۱۲ [9] کوسناہ
کہ خوش نہ رہے ۱۲ [10] خدا کے دوست یعنے اس کے مقبول بندے ۱۲ [11] آس اُمید ۱۲

بھلا نعیمہ کوٹھری کے اندر کیا کر رہی تھی۔ فہمیدہ۔ رو رہی تھی اور کیا کر رہی تھی۔ میں چلتے ہوئے کہہ آئی تھی کہ کواڑ کھول کر اس کو پانی وانی پلا دینا۔ نصوح۔ اور کھانا۔ فہمیدہ۔ کیا خوب نہ ابھی دو دن نہ چار دن ابھی سے کھانا۔ نصوح۔ یہ تو بڑی خرابی کی بات ہے۔ فہمیدہ۔ اور کیا۔ بُرا روٹھنا تو کھانے ہی کا ہے۔ وہ مجھ سے چاہے مہینوں نہ بولتی مگر کھانا کھا لیتی تو کچھ اندیشے کی بات نہ تھی۔ اُدھر اُس کو تکلیف ہوگی اُدھر بچہ دودھ کو بگڑ کے گا۔ نصوح۔ تم اپنا دودھ پلا دینا۔ فہمیدہ۔ میں تو اُسکو سو دفعہ پلاؤں مگر اللہ رکھے سیانا بچہ ہے۔ ماں کی گود پہچانتا ہے کہتے ہیں کہ چالیس دن کا بچہ ماں کی پرچھائیں[1] دیکھنے لگتا ہے۔ اب تو سوتے کو ایک دفعہ پلا آئی ہوں۔ جاگتے میں پیئے تو جانوں کہ پیا۔ نصوح۔ کھانا کھلانے کی تدبیر ضرور کرنی چاہیے۔ میں جا کر کہوں۔ فہمیدہ۔ نہ خدا کے لیے تم اُترنا ہی مت۔ نصوح۔ میں آہستگی سے سمجھا دوں گا۔ فہمیدہ۔ مردوں کی آہستگی کا کچھ اعتبار نہیں اور پھر تمھاری آہستگی کہ ابھی باتوں ہی باتوں میں تم تلوار کھینچنے لگے تھے۔ نصوح۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ کسی طرح کی سختی نہیں کروں گا۔ فہمیدہ۔ پھر بھی کیا ہوا تمھارا دخل دینا مناسب نہیں۔ آخر ایک آدمی گھر میں ایسا بھی ہونا چاہیے کہ چھوٹے بڑے سب اُس کا لحاظ کریں۔ اور فرض کیا کہ تم گئے اور رنج اُس کا تازہ ہے۔ اُس نے نہ مانا تو پھر بڑی دشواری پڑے گی اور اُس کو یہ شرم دامنگیر[2] ہوگی کہ دیکھو باپ تک مجھکو سمجھا کر ہار گئے اور میں نے کسی کا کہنا نہ مانا اب جو من جاؤں گی تو باپ جی میں کیا کہیں گے۔ نصوح۔ اچھا تو ایک تدبیر کرو۔ اِس کی سہیلیوں میں سے کوئی سمجھدار ہے اُس کو بُلا بھیجو وہ سمجھا بجھا کر اُس کو راضی کر لے گی۔ فہمیدہ۔ ہاں یہ ایک معقول تدبیر ہے۔ میں اپنی بھانجی صالحہ کو بُلاتی ہوں دونوں ہم عمر ہیں اور دونوں کی ملی بھگت[3] بھی بہت ہے۔ نصوح۔ بس تمھارے انتخاب[4] پر میرا صاد[5] ہے۔ تمھاری بہن کے گھر نماز روزے کا بھی خوب چرچا رہا کرتا ہے جمعے کے جمعے وعظ[6] ہوتا ہے صالحہ کے خیالات ضرور دیندارانہ خیالات ہوں گے۔ فہمیدہ۔ اللہ اکبر[7] اُن کے گھر کی دینداری ضرب المثل[8] ہے۔ ہماری بہن اللہ رکھے اتنی بڑی نمازن ہیں کہ اُنھوں نے اپنے ہوش

---

[1] سایہ ۱۲ [2] مشکل ۱۲ [3] لفظی معنی دامن پکڑنے والی مطلب یہ ہے کہ اس بات کی شرم اُس کو من جانے سے روکے گی ۱۲ [4] یعنی دونوں میں میل جول ۱۲ [5] یعنے جو تم نے صالحہ کو چنا اختیار کیا ۱۲ [6] صاد مختصر ہے صحیح کا یعنے میں بھی اُس کو صحیح سمجھتا ہوں ۱۲ [7] نصیحت کے طور پر مولوی لوگ جو بیان کیا کرتے ہیں ۱۲ [8] اللہ سب سے بڑا ہے۔ کسی کی بڑائی کرنی ہوتی ہے تو یہ جملہ کہہ لیا کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ بڑی بڑائی خدا کی ہے ۱۲ [9] لوگ اُن کی دینداری کی مثال دیتے ہیں ۱۲

میں توکسی وقت کی نماز قضا نہیں کی۔ اتنا تو بال بچوں کا بکھیڑا[1] اُن کے ساتھ ہو اور خدا کی مرضی
گھر میں سدا تنگی رہتی ہو سب کام کاج بیچاری کو اپنے ہی ہاتھوں کرنا پڑتا ہو لیکن پنج وقتی نماز اور
فمی بشوق[1] کی منزل کیا امکان کہ قضا ہو۔ نصوح۔ سبحان اللہ[2] وہی لوگ بڑے خوش قسمت ہیں
دنیا کے فقیر دین کے امیر۔ فہمیدہ۔ اور لطف یہ کہ ہر وقت ہشاش[3] بشاس کبھی عُسرت[4] کی شکایت یا
تنگ دستی کا گلہ ہم نے تو اُن کے مُنھ سے سُنا نہیں۔ اور چھوٹے بڑے سب مستغنی[5] اور سیر چشم[6]
ہم کو اتنا تو خدا نے دے رکھا ہو لیکن میں سچ کہتی ہوں کہیں شادی بیاہ میں کسی بیوی کو اپنے سے بہتر
زیور یا کپڑا پہنے دیکھتی ہوں تو ضرور میرا جی[7] کڑھتا ہو۔ اور بچوں کا بھی یہی حال ہو کوئی چیز کسی کے پاس
ذرا دیکھ پائیں جب تک ویسی ہی موجود نہ ہو جائے میری جان[8] کھا جائیں۔ لیکن ہماری بہن کے دل
میں کبھی ایسا خیال ہی نہیں آیا۔ اگر مجھ پر اُن کو حسد[9] ہوتا تو موقع تھا۔ لیکن میرے اور میرے بچوں کے
زیور اور کپڑے دیکھ کر باغ باغ[10] ہو جاتی ہیں اور ہر چیز پر کہے جاتی ہیں ماشاء اللہ چشم بد دور اللہ زیادہ
اللہ نصیب کرے۔ بچے ہیں کہ دُنیا کی نعمت اُن کے سامنے رکھ دو آنکھ اٹھا کر بھی تو نہیں دیکھتے۔ نصوح۔
سچ ہو اَلْغِنیٰ غِنَی النَّفْسِ[11] تونگری[12] بدل ست نہ بمال۔ دُنیا کے مال و حشمت[13] کی اُن کی نظروں میں وقعت
ہی نہیں پھر حسد کیوں کریں۔ فہمیدہ۔ اور مجھ سے اور میرے بچوں سے اس قدر محبت کرتی ہیں کہ
ڈولی سے اُترتی ہیں تو اوپر تلے بلائیں لیے چلی جاتی ہیں۔ بلکہ مجھ کو اُن کے بچوں سے ذرا بھی اُنس
نہیں۔ نصوح۔ اُن کی یہ محبت اور ہمدردی خدا پرستی کی وجہ سے ہو۔ اور کچھ تمھاری تخصیص نہیں سب کے
ساتھ اُن کی یہی کیفیت ہو گی۔ فہمیدہ۔ بچوں کو کچھ ایسا سدھا رکھا ہو کہ کبھی آپس میں لڑتے ہی نہیں۔
ایک ہمارے بچے ہیں کہ ایک دم کو ایک کی ایک سے نہیں بنتی۔ نصوح۔ یہ اُن کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ اور
اُن کے اپنے عمدہ نمونے کا اثر ہو۔ مگر تم اُن کو اکثر مہمان بلا کر اپنے یہاں رکھا کرو کہ ہمارے گھر پر بھی
اُن کا پرتو[14] پڑے۔ فہمیدہ۔ ہماری بہن غیرت مند بڑی ہیں۔ میں نے کئی بار اُن سے کہا تو یہی جواب پایا کہ میرے

---

[1] سورۂ فاتحہ سے چل کر سورۂ مائدہ پھر سورۂ یونس سورۂ بنی اسرائیل پھر سورۂ شعرا پھر سورۂ الصافات پھر سورۂ ق یوں سات دن میں قرآن ختم کیا جائے تو فمی بشوق کی منزل کہلاتی ہو ۱۲ [2] اللہ پاک ہو کسی کی تعریف کرنی ہو تو سبحان اللہ کہہ دیا کرتے ہیں ۱۲ [3] خوش و خرم [4] تنگی ۱۲ [5] بے پروا ۱۲ [6] ندیدہ کی ضد ۱۲ [7] رنج ہوتا ہو ۱۲ [8] حیران کریں۔ دق کریں ۱۲ [9] دوسرے کو خوش حال دیکھ کر جل جانا ۱۲ [10] مارے خوشی کے باغ کی طرح کھلی پڑتی ہیں ۱۲ [11] اصل امیری تو دل کی امیری ہو ۱۲ [12] امیری دل سے ہوتی ہو نہ مال سے ۱۲ [13] ساز و سامان نوکر چاکر وغیرہ ۱۲ [14] سایہ ۱۲

ساتھ بکھیڑا بہت ہی تمھاری سسرال والے تمہیں معلوم دل میں کیا سمجھیں کیا کہیں اس سے میرا آنا نہیں ہو سکتا۔ خدا کرے کہ تم بیٹے بیٹیوں کی شادیاں کرو بیاہ کرو تو دیکھو بے بُلائے پہنچتی ہوں یا نہیں۔ نصوح۔ کوئی سامان ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُن کو فکر معاش سے فارغ البالی[1] ہو۔ فہمیدہ۔ وہ ہمارے بہنوئی صاحب کچھ اس کی پے روی ہی نہیں کرتے جب کبھی اُن سے اس کا مذکور آیا بس ایک چلتی سی بات یہی کہہ دیا کرتے ہیں کہ جتنا ہم کو اب ملتا ہی دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہی کون دردِ سر مول لے۔ نصوح۔ گھر میں تکلیف رہا کرتی ہوگی۔ فہمیدہ۔ تکلیف تو ہونی چاہیے بیس روپے مہینے کی نوکری اور ہمارے بہنوئی کی سی احتیاط اللہ رکھے اتنا بڑا کنبہ۔ مگر جیسا میں نے تم سے کہا جب سُنا اُن کو شکرگزاری ہی کرتے سُنا اور کچھ خدا نے برکت بھی ایسی ہی دی ہی کہ کپڑا۔ لتا کھانا پاتا۔ سامانِ ظاہر حیثیت کے موافق کچھ بُرا نہیں۔ کسی کے قرضدار نہیں۔ نیوتے[2]۔ بیوہار[3] ایسے کھرے کہ اگر کسی نے اُن کے گھر ایک روپیہ دیا ہوگا تو اُنھوں نے دو ضرور دیے ہوں گے غرض کنبے اور برادری میں بھی کسی سے شرمندہ نہیں۔ نصوح۔ بڑی ہی اچھی زندگی ہی۔ فہمیدہ۔ اس میں شک نہیں۔ کیسی ہی مصیبت ہو میں نے اُن کو مضطرا[4] ور بے قرار نہیں دیکھا۔ ہر بات میں اللہ پر توکل خدا پر بھروسا۔ نصوح۔ مجھ کو حیرت ہی کہ تم دونو سگی بہنیں اور عادتوں میں اتنا تفاوت[5]۔ فہمیدہ۔ ماں کے گھر تک تو میرا بھی یہی حال تھا۔ اُنھوں نے ہم دونو کو یکساں سکھایا برابر پڑھایا۔ مگر بُرا مت ماننا۔ میں تمھارے پلّے بندھی۔ تمھارے گھر میں آکر جو دیکھا تو دین کا کچھ تذکرہ نہ پایا۔ رفتہ رفتہ نماز وغیرہ کی سب عادتیں چھوٹ گئیں۔ ہماری ماں اللہ جنت نصیب کرے بڑی ہی دیندار تھیں جب دُلہن کو رخصت کرتے ہیں تو دستور ہی کہ بیٹی کی ماں بیٹے کی ماں سے کہا کرتی ہی کہ میں تمھاری خدمت کو یہ لونڈی دیتی ہوں۔ ہماری ماں نے مجھ کو اب تک یاد ہی رخصت کرتے وقت ان جان سے کہا تھا کہ دیکھو بوا میری لڑکی نے آج تک نماز قضا نہیں کی اب میں اس کو تمھارے سپرد کرتی ہوں اتنا خیال رکھنا کہ اس کی نماز قضا نہ ہو ورنہ میں بری الذمہ[6] ہوں اس کا وبال اس پر پہونچتا یا تھا گردن پر۔ جب میں نئی نئی بیاہ کر آئی تو شرم کے مارے اُٹھتی بیٹھتی نہ تھی چلتی پھرتی میں نہ تھی تمام کنبے کی عورتیں ایک دم کو مجھ سے الگ نہ ہوتی تھیں کہ میں تنہائی پاکر دو رکعت نماز پڑھ لیتی۔ ادھر

۱؎ بے فکری ۱۲ ۲؎ شادی بیاہ میں جو دوست آشنا رشتہ دار ایک دوسرے کی مدد کریں نقد سے یا زیور سے یا کپڑے سے اس کو نیوتا کہتے ہیں ۱۲ ۳؎ لین دین ۱۲ ۴؎ مضطر اور بیقرار ہم معنی ہیں ۱۲ ۵؎ فرق ۱۲ ۶؎ یعنے میرے ذمے الزام نہیں ۱۲

باوجودے کہ میری اماں نے چلتے چلتے اماں جان[1] سے کہہ دیا تھا مگر اُنھوں نے بھی کچھ خیال نہ کیا بس اُسی دن سے میری نماز جانی شروع ہوئی۔ دو چار دن دل کو افسوس رہا ہوتے ہوتے عادت چھوٹ گئی اور ایسی شامت کی ماری آئی کہ پھر مجھ کو نماز نہ پڑھنے کا رنج بھی نہیں ہوتا تھا۔ غرض دنیا کی چند روزہ شرم نے مجھ کو بکی بے دین بنا دیا اور میری وہی کہاوت ہوئی کہ جس نے کی شرم اُس کے پھوٹے کرم[2]۔ لیکن چونکہ نماز کی خوبی بچپن سے ذہن میں بیٹھ چکی تھی اب بھی اتنا تھا کہ جس دن سر دھو[3] یا دو چار وقت کی نماز ضرور پڑھ لیا کرتی تھی۔ یا کوئی بال بچہ بیمار ہوا تو نماز پڑھنے لگی خدا نے اُس تردد کو رفع کر دیا پھر چھوڑ دی۔ اب البتہ میں نے مصمم[4] عہد کر لیا ہی کہ برابر نماز پڑھوں گی خدا میرے قول کو پورا کرے۔ نصوح۔ آمین ثم آمین۔ اس کے بعد فہمیدہ نے نیچے اُتر فوراً صالحہ کے واسطے ڈولی بھیجی اور لونڈیوں سے کہہ دیا کہ کہار سواری لے کر آئیں تو چپکے سے پہلے مجھ کو خبر دینا ✦

نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو

نصوح نے نماز عصر سے فارغ ہو کر منجھلے بیٹے علیم کو پچھوایا کہ دیکھو مدرسے سے آئے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ابھی آئے ہیں اور کپڑے اُتار رہے ہیں تو کہلا بھیجا کہ اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر ذرا کی ذرا میرے پاس ہو جائیں۔ تھوڑی دیر میں علیم مدرسے کا لباس اُتار کتابیں ٹھکانے سے رکھ باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی باپ نے کہا آؤ صاحب آج کل تو میں نے سنا ہی تم کو بہت ہی محنت کرنی پڑتی ہی۔ بیٹا۔ امتحان ششماہی[5] قریب ہی اُسی کے واسطے کچھ تیاری کر رہا ہوں دن تھوڑے سے رہ گئے اور کتابیں دیکھنے کو بہت باقی ہیں۔ ہر چند ارادہ کرتا ہوں کہ رات کو گھر پر کتاب دیکھا کروں مگر نہیں بن پڑتا۔ لوگ جو بھائی جان کے پاس آ کر بیٹھتے ہیں ایسی اودھم[6] مچاتے ہیں کہ طبیعت اُچاٹ[7] ہو کر چلی جاتی ہی۔ باپ۔ پھر تم کچھ اس کا انسداد نہیں کرتے۔ بیٹا اس کا انسداد میرے اختیار سے خارج ہی اور رات رائگاں[8] جاتی ہی۔ دن کو البتہ میں نے مکان کا رہنا چھوڑ دیا صبح ہوئی اور اپنے کسی ہم جماعت کے یہاں چلا گیا۔ باپ۔ اور بڑے امتحان کے واسطے بھی تم کچھ تیاری کر رہے ہو بیٹا

---

[1] نصوح کی ماں مراد ہی ۱۲ [2] نصیب ۱۲ [3] عورتیں اپنے نہانے کو سر دھونا کہا کرتی ہیں ۱۲ [4] پکا ۱۲ [5] چھ ماہی ۱۲ [6] غل شور ۱۲ [7] اُچٹنے سے نکلا ہی یعنی برداشتہ ۱۲ [8] ضائع۔ بے کار ۱۲

ابھی اُس کے بہت دن پڑے ہیں اِس سے فارغ ہو کر دیکھا جائے گا۔ باپ۔ کیا اس کا کوئی وقت مقرر ہے۔ بیٹا۔ جناب ہاں بڑے دن کی تعطیل کے قریب ہوا کرتا ہے۔ باپ نہیں نہیں تمنے میری مراد کو نہین سمجھا میں حسابِ آخرت کو بڑا امتحان کہتا ہوں۔ کیا وہ بڑا امتحان نہیں ہے۔ علیم باپ کا منھ دیکھنے لگا تو پھر باپ نے کہا کیا تم حسابِ آخرت کو بڑا امتحان نہیں سمجھتے یا تم کو اس میں کچھ کلام ہے۔ علیم کیوں نہیں سچ پوچھئے تو سب سے بڑا سخت امتحان وہی ہے۔ باپ۔ تو جب میں تمھارے اِن دنیا وی چھوٹے چھوٹے امتحانوں کی خبر رکھتا ہوں تو کیا اُس بڑے سخت امتحان کی نسبت میں نے تم سے پوچھا تو کچھ بے جا کیا۔ بیٹا۔ جناب میں تو نہیں کہتا کہ آپ نے بے جا کیا ایسا کہنا میرے نزدیک گستاخی اور گناہ دونو ہے۔ باپ۔ اچھا تو میں سُننا چاہتا ہوں کہ تم اُس بڑے سخت امتحان کے واسطے کیا تیاری کر رہے ہو۔ بیٹا۔ جناب سچ تو یہ ہے کہ میں نے اُس امتحان کے واسطے مطلق تیاری نہیں کی۔ باپ۔ کیا یہ غفلت نہیں ہے۔ بیٹا۔ جناب غفلت بھی پرلے درجہ کی غفلت ہے۔ باپ۔ لیکن۔ جب تم ایسے دانشمند ہو کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے امتحانوں کے لیے مہینوں اور برسوں پہلے سے تیاری کرتے ہو تو اُس سخت امتحان سے غافل رہنا بڑے تعجب کی بات ہے۔ بیٹا۔ شامتِ نفس۔ باپ۔ لیکن تمھاری غفلت کا کچھ اَور بھی سبب ضرور ہوگا۔ بیٹا۔ سبب یہی ہے۔ میری سہل انگاری تھی۔ باپ۔ تم جواب دیتے ہو لیکن صرف لفظوں کو پھیر پھار کر۔ میں تم سے غفلت کا سبب پوچھتا ہوں اور تم نے کہا کہ سہل انگاری اور سہل انگاری اور غفلت ایک چیز ہے۔ تو گویا تم نے غفلت کو غفلت کا سبب کہا۔ بیٹا۔ شاید گھر میں دینداری کا چرچا نہ ہونے سے میری غفلت کو ترقی ہوئی ہو۔ باپ بے شک یہی سبب ہے تمھاری غفلت کا۔ اور میں نے تم سے کھود کھود کر اس لیے دریافت کیا کہ تمھاری غفلت میری بے پروائی کی وجہ سے ہے اُس کا الزام مجھ پر ہے۔ اور ضرور ہے کہ میں تمھارے روبرو اُس کا اقرار کروں اور تم چھوٹے ہو کر مجھ کو ملامت کرو۔ بیٹا۔ نہیں جناب قصور سراسر میرا ہے مجھ کو خدا نے اتنی موٹی بات کے سمجھنے کی عقل دی تھی کہ مجھ کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور میرے پیدا کرنے سے صرف یہی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ میں جانوروں کی طرح کھانے اور

سلہ برس میں ۲۵۔ دسمبر کو انگریزوں کا بڑا دن ہوتا ہے اس تیوہار کی چھٹی بھی بڑی ہوتی ہے کیونکہ اخیر سال ہوتا ہے اور دن گھٹنا بڑھنا شروع ہو جاتا ہے ۱۲ ۔ سلہ غفلت۔ بے پروائی ۱۲

پانی سے اپنا پیٹ بھر کر سو رہا کروں۔ باپ۔ تمھاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہو کہ تمھاری دینی معلومات بھی کم درجے کی نہیں ہی۔ لیکن نہ تو دین کے مسائل میں نے تم کو خود سکھائے نہ اُن کے سیکھنے کی کبھی تاکید کی۔ مدرسے میں تاریخ جغرافیہ و ہندسہ و ریاضی کے سوائے کوئی دوسری چیز پڑھاتے نہیں پھر تمنے دینی معلومات حاصل کی تو کہاں سے کی۔ بیٹا۔ اس میں شک نہیں کہ میں نے چھوٹی ہی عمر میں قرآن پڑھا تا لیکن وہ دوسرے ملک کی زبان میں ہی طوطے کی طرح اول سے آخر تک پڑھ گیا مطلق سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا لکھا ہو اور کیا اس کا مطلب ہی پھر مکتب میں گیا تو وہاں بھی کوئی دین کی کتاب پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ قصّے کہانی ان میں بھی اکثر بُری بُری باتیں یہاں تک کہ جن دنوں میں بہار دانش پڑھتا تھا ایک پادری صاحب چاندنی چوک میں سر بازار وعظ کہا کرتے تھے۔ مکتب سے آتے ہوے لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر میں بھی کھڑا ہو جاتا تھا پادری صاحب کے ساتھ کتابوں کا بھی ایک بڑا بھاری ذخیرہ رہتا تھا اور اکثر لوگوں کو اس میں سے کتابیں دیا کرتے تھے۔ ہمارے مکتب سے کئی لڑکے بھی کتابیں لائے تھے۔ اُنھوں نے کتاب کی جلد تو اٹھا لی اور ورقوں کو یا تو پھاڑ کر پھینک دیا یا پتنگیں بنا لے۔ کتابوں کی عمدہ عمدہ جلدیں دیکھ کر مجھ کو بھی لالچ آیا اور میں نے کہا چلو ہم بھی پادری صاحب سے کتاب مانگیں۔ مکتب سے اُٹھ میں سیدھا پادری صاحب کے پاس چلا گیا۔ بہت سے لوگ اُنکو گھیرے ہوے تھے۔ اُن میں ہمارے مکتب کے بھی دو چار لڑکے تھے۔ لوگ اُن کے ساتھ کچھ مذہبی بحث کر رہے تھے اُسکو میں نے خوب نہیں سمجھا۔ مگر ایک بات تھی کہ اکیلے پادری صاحب ایک طرف تھے اور ہندو مسلمان سیکڑوں آدمی ایک طرف لوگ انکو بہت سخت سخت باتیں بھی کہتے تھے کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور لڑ پڑتا مگر پادری صاحب کی پیشانی پر چین بھی تو نہیں آتی تھی سخت بات سُن کر اُلٹے مسکرا دیتے تھے۔ لڑکے ایک شیطان ہوتے ہیں تھوڑی دیر تک تو کھڑے سنتے رہے۔ چلنے لگے تو اُن میں سے ایک نے کہا لو تو ہی بے لُو لُو ہے۔ اُس کی یہ بات سب لوگوں کو ناگوار ہوئی اور دو چار آدمیوں نے اُس کو

لہ مسئلے۔ یعنے باتیں۔ احکام ۱۲ سلہ جن کتابوں میں پچھلے لوگوں خاص کر بادشاہوں کے حالات ہوں تاریخ کی کتابیں کہلاتی ہیں ۱۲ سلہ روئے زمین کے حالات ۱۲ سلہ حساب ۱۲ شہ وہ علم [illegible] جاننے سے سڑکوں اور نہروں کا نکالنا مکانوں پلوں اور قلعوں کا بنانا اور اسی قسم کی اور بہت باتیں آجاتی ہیں ۱۲ سلہ یعنے ملک عرب ۱۲ شہ یعنے بہت سی کتابیں جمع کی ہوئی اُن کے [illegible] ۱۲ شہ موٹی سی وعظ ۱۲ شہ یعنے اپنے جی میں ۱۲ سلہ پیشانی میں شکن چڑھا خفگی کی نشانی ہوتی ہے مطلب یہ کہ اُن کو غصہ نہیں آتا تھا ۱۲ سلہ شریر ۱۲ سلہ مراد ہے مسخرہ ۱۲

مارنے کے لئے پتھر بھی اُٹھائے۔ پادری صاحب نے روکا اور منع کیا کہ خبردار اس سے کچھ مت بولو۔ تُو تُو مَیں مَیں[1] کو بھی کہتے ہیں شاید اُس نے یہ سمجھ کر کہا ہو تو اس کو انعام دینا چاہیے۔ پادری صاحب کی اس بات نے مجھ پر کیا شاید سب لوگوں کے دل پر بڑا ہی اثر کیا۔ اور جب تمام ہوئی لوگ رخصت ہوئے تو کئی آدمی آپس میں کہتے جاتے تھے کہ بھائی اس شخص کا عقیدہ چاہے کیسا ہی ہو لیکن حلم اور بُردباری یہ صفت تو اُس میں اولیاء اللہ[2] کی سی ہے۔ غرض پادری صاحب تو وعظ میں مصروف تھے اور میں اپنی تاک میں تھا کہ ذرا ٹھیر کر ہو یا پادری صاحب کا سلسلۂ سخن[3] منقطع ہو تو کتاب مانگوں۔ لیکن نہیں معلوم پادری صاحب کو میرے قیافے[4] سے یا کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں کچھ اُن سے کہنا چاہتا ہوں آپ ہی پوچھا کہ صاحبزادے تم کچھ مجھ سے کہو گے۔ میں نے کہا کہ آپ سب لوگوں کو کتابیں دیتے ہیں ایک کتاب مجھ کو بھی دیجئے۔ پادری صاحب۔ بہت خوب اس الماری میں سے تم ایک کتاب پسند کر لو۔ میں نے سنہری جلد کی ایک بڑی موٹی سی کتاب چھانٹی تو پادری صاحب نے کہا کہ مجھ کو اس کے دینے میں تو کچھ عذر نہیں لیکن تم اس کو پڑھ بھی سکو گے۔ کون سی کتاب تم پڑھتے ہو۔ میں نے کہا بہار دانش پادری صاحب۔ بھلا تمھارا آج کا سبق ہم بھی سنوں۔ میں نے جزدان[5] میں سے کتاب نکال پڑھنا شروع کیا۔ اُس دن کا سبق کمبخت ایسا فحش اور بیہودہ تھا کہ لوگوں کے مجمع میں مجھ کو اُس کا پڑھنا دشوار تھا۔ بمشکل کوئی دو تین سطریں میں نے پڑھی ہوں گی۔ پادری صاحب نے فرمایا بے شک تم نے جو کتاب پسند کی ہے اُس کو بخوبی پڑھ سکو گے اور وہ کتاب میں تم کو خوشی سے دیتا ہوں لیکن میں افسوس کرتا ہوں کہ کیوں میں نے تم کو ایسی کتاب کے پڑھنے کو کہا جس کے پڑھنے سے تم اور سننے سے میں اور یہ سب صاحب جو کھڑے ہوئے ہیں خدا کے گنہگار ہوئے۔ خدا ہم سب کی خطا کو معاف کرے۔ اور تم چاہے میری دوسری بات مانو یا نہ مانو لیکن اس کتاب کو تو ضرور چھوڑ دو کہ اس کا مطلب تمھارے مذہب کے بھی بالکل خلاف ہے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسے پڑھنے سے نہ پڑھنا تمھارے حق میں بہت بہتر ہے۔ یہ کتاب جو تم پڑھتے ہو تم کو گناہ اور بُرائی سکھاتی اور بداخلاقی[6] اور بیحیائی کی خراب راہ دکھاتی ہے۔ باوجودیکہ لوگ پادری صاحب کی ہر ہر بات کو کاٹتے تھے۔ مگر اس کو سب نے تسلیم کیا۔ پادری صاحب سے جو کتاب میں مانگ کر لایا اس کا نام تو مجھ کو معلوم نہیں مگر سلیس[7]

لہ یعنے عربی زبان میں ۱۲ سلہ اللہ کے مقبول بندے ۱۲ سلہ یعنے اس کی بات کی لڑی ٹوٹے اور ذرا چپ کرے ۱۲ سلہ چہرے کی وضع ۱۲ ھہ کتابوں کے رکھنے کا تھیلا ۱۲ سلہ یعنے بُری عادتیں اختیار کر لینے کی ۱۲ سلہ صاف۔ آسان ۱۲

اُردو میں کسی خداپرست اور پارسا[1] آدمی کے حالات تھے۔ گو حقیقت فی الواقع میں اُس کتاب کو جلد ہی کے
لالچ سے لایا تھا لیکن میں نے کہا کہ لاؤ دیکھوں تو اس میں لکھا کیا ہے۔ چنانچہ میں نے اُس کو
دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں میں اُس کو پڑھتا جاتا تھا میرا دل اُس میں لگتا تھا اور اُس کی باتیں
مجھ کو بھلی معلوم ہوتی جاتی تھیں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے مجھ کو معلوم ہوا کہ میرا طرز زندگی جانوروں
سے بھی بدتر ہے اور میں روے زمین پر بدترین مخلوقات ہوں۔ اکثر اوقات مجھ کو اپنی
حالت پر رونا آتا تھا اور گھر والوں کا وتیرہ[2] دیکھ دیکھ کر مجھ کو ایک وحشت ہوتی تھی۔ یا تو میری یہ
کیفیت تھی کہ مصیبت مند لوگوں کو دیکھ کر ہنسا کرتا تھا یا اُس کتاب کی برکت سے دوسروں کی تکلیف
کو میں اپنی تکلیف سمجھنے لگا مکتب اور بہار دانش دونوں کو تو میں نے اُسی دن سلام[3] کیا تھا جس روز
کہ پادری صاحب نے مجھ کو نصیحت کی۔ گھر میں اکیلا پڑا ہوا دن بھر اُسی کتاب کو دیکھا کرتا۔ مکتب کے
لڑکے چند[4] بار مجھ کو بُلانے آئے مگر میں نہ گیا۔ آخر خود میاں جی[5] صاحب تشریف لائے اور میں نے جی مضبوط
کرکے اُن سے صاف کہہ دیا کہ مجھ کو پڑھنا منظور نہیں۔ آپ اُن دنوں دکن میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک
روز نصیبوں کی شامت میں نہیں معلوم کہاں چلا گیا میری غیبت[6] میں وہ کتاب کہیں بھائی جان کی
نظر پڑ گئی اور شب برات[7] کے کوئی چار یا پانچ دن باقی تھے بھائی جان کو پٹاخوں[8] کے واسطے ردی[9] درکار
تھی بے تامل کتاب کو چیر پھاڑ برابر کر دیا میں نے آکر دیکھا بہتیرا سر پٹکا کیا ہوتا تھا ڈھونڈھا ہوا چوک گیا کہ
پادری صاحب ہوں تو دوسرا نسخہ[10] لاؤں۔ مگر معلوم ہوا کہ صاحب آگرے چلے گئے۔ بس کف افسوس[11]
مل کر رہ گیا۔ بھائی صاحب کے دوستوں سے شکایت کی تو انھوں نے کہا میاں شکر کرو کہ وہ کتاب
پھٹ گئی۔ نہیں تو تم کرستان ہی ہو گئے ہوتے۔ یہ جواب سُن کر تو مجھ کو ایک نئی حیرت پیدا ہوئی
کہ اگر کرستان ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کا حال میں نے اُس کتاب میں پڑھا تو ان کو بُرا سمجھنا
کیا معنے۔ خیر چندے یہ خیالات رہے۔ اُس کے بعد تو میں مدرسے میں داخل ہوا اور دوسری
طرف متوجہ ہو گیا۔ اگر آپ کے نزدیک میرے خیالات دین و مذہب سے کچھ علاقہ رکھتے ہیں تو یہ فرمائش

---

[1] درویش نیک ۱۲ [2] طور طریقہ ۱۲ [3] مراد یہ ہے کہ چھوڑ دیا جیسے کوئی سلام کر کے رخصت ہو ۱۲ [4] کئی دفعہ ۱۲ [5] مکتب کے اُستاد ۱۲ [6] پیٹھ پیچھے ۱۲ [7] مسلمانوں کا مشہور تیوہار جس میں آتشبازی چھوڑی جاتی ہے رمضان سے دو ہفتے پہلے ۱۲ [8] ایک قسم کی آتشبازی جو پٹاخو کی طرح کاغذ میں بارود بند کی ہوتی۔ بارود کو آگ لگانے سے پٹاخا آواز دیتا ہے ۱۲ [9] بے کار کاغذ ۱۲ [10] جھنجھلایا۔ خفا ہوا [11] یعنی ویسی ہی دوسری کتاب ۱۲ [12] یعنی افسوس کے مارے بہتیرے ہاتھ ملے ۱۲

کتاب کا اثر ہی ورنہ دین کا کوئی رسالہ بھی مجھ کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ باپ۔ اہل اسلام اور عیسائیوں کے معتقدات[1] میں کچھ اختلاف ہی مگر پھر بھی جس قدر کہ عیسائیوں کا مذہب اسلام سے ملتا ہوا ہی اتنا کوئی دوسرا مذہب نہیں ملتا۔ قرآن میں کئی جگہ عیسائیوں اور اُن کے بزرگانِ دین قسیسوں[2] اور راہبوں[3] کی تعریف آئی ہی عیسائیوں کی نرم دلی اور خاکساری[4] کی مدح کی ہو۔ اُن کی انجیل[5] کلام الٰہی ہی۔ عیسائیوں کے ساتھ مؤاکلت[6] درست۔ مناکحت[7] روا۔ غرض اِس قدر مغایرت کہ اہل اسلام عیسائیوں کے ساتھ برتتے ہیں میں اس کو ٹھیک نہیں سمجھتا یہ اس ملک کے ہندوؤں کے اختلاط[8] کا اثر ہی افسوس ہی ہم مسلمانوں پر کہ ایسا عمدہ اور پاکیزہ اور مکمل اور بدیہی[9] مذہب رکھ کر مطلقاً اُس کی قدر نہیں کرتے۔ پادریوں کا سا اہتمام تو کہاں نصیب ہونا تھا اتنی بھی توفیق نہیں کہ اپنی اولاد کے دین و مذہب کی تو خبر رکھیں۔ اولاد تو ولا دوسرے سے اپنے ہی مذہب کا ٹھکانا نہیں نام کے مسلمان اور عمل دیکھو تو بدتر از شیطان۔ میں کسی دوسرے کو کیا الزام دوں کہ میں آپ سب سے بدتر نکلتر ہوں کیا یہ کچھ تھوڑی بات ہی کہ تمھاری اتنی عمر ہونے آئی اور بہتیرا ہی کچھ لکھا پڑھا بھی مگر دین کی ایک ہی کتاب تمھاری نظر سے گزری وہ بھی عیسائیوں کی اور اتفاقیہ طور پر۔ خیر بہرکیف اس وقت جو ضرورت مجھکو درپیش ہی یقین ہی کہ تمھارا اُس کتاب کا دیکھ لینا بھی اُس میں بہت کام آئے گا۔ ہمدردی کی جیسی کچھ تاکید ہی تم نے اُس کتاب میں دیکھا ہوگا۔ بیٹا۔ اگر وہ مذہبی کتاب تھی تو میں جانتا ہوں کہ خاکساری و ہمدردی شرطِ عیسائیت ہی۔ باپ شرطِ عیسائیت کیسی بلکہ شرطِ انسانیت ہی سہ

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو + ورنہ طاعت[10] کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں[11]

لیکن میں تم سے سُننا چاہتا ہوں کہ تم اس فرض کی تعمیل کہاں تک کرتے ہو۔ بیٹا۔ جناب شاید اگر میں اس کو ہمدردی کہہ سکوں تو مدرسے کا جو لڑکا مجھ سے کچھ پوچھنا یا پڑھنا چاہتا ہی میں اُس میں مطلق دریغ نہیں کرتا گو میرا ذاتی حرج بھی ہوتا ہو۔ امتحان سالانہ میں مجھ کو نقد روپے ملے تھے میں نے ایک پیسا اپنے اوپر خرچ نہیں کیا محلے میں چند آدمی رہتے ہیں جن کو میں محتاج سمجھتا ہوں وقتاً فوقتاً اُن کو اُس میں سے دیتا رہا بلکہ ایک مرتبہ میں ایک دقت[12] میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔ باپ۔

[1] عقیدے مذہبی خیالات ۱۲ [2] عیسائیوں کے مولوی ۱۲ [3] عیسائی درویش تارک الدنیا ۱۲ [4] عاجزی و فروتنی ۱۲ [5] عیسائیوں کی آسمانی کتاب کا نام ہی ۱۲ [6] ساتھ کھانا ۱۲ [7] آپس میں شادی بیاہ کرنا ۱۲ [8] میل جول ۱۲ [9] ظاہر جس کو بے دلیل ہر شخص مان لے ۱۲ [10] بندگی عبادت ۱۲ [11] فرشتے ۱۲ [12] مشکل ۱۲

وہ کیا۔ بیٹا۔ ایک مرتبہ عید کو ایک بڑی بھاری ٹوپی مجھکو اماں جان نے بنا دی تھی۔ وہی ٹوپی اوڑھے
ہوئے میں خالہ جان کے یہاں جاتا تھا میاں مسکین کے کوچے میں پہنچا تو بہت سے چپراسی پیادے
ایک گھر کو گھیرے ہوئے تھے اور بہت سے تماشائی بھی وہاں جمع تھے۔ یہ دیکھ کر میں بھی لوگوں میں
جا گھسا تو معلوم ہوا کہ ایک نہایت غریب بوڑھی سی عورت ہے چھوٹے چھوٹے کئی بچے ہیں سرکاری
پیادے اُس کے میاں کو پکڑے لیے جا رہے ہیں اس واسطے کہ اُس نے کسی بنیے کے یہاں سے
اُدھار کھایا تھا اور بنیئے نے اُس پر ڈگری جاری کرائی تھی۔ وہ مرد کہتا تھا قرضہ واجب ہے مگر میں
کیا کروں اس وقت بالکل تہی دست ہوں۔ ہر چند اُس بیچارے نے بنیئے کی اور سرکاری پیادوں
کی بہتیری خوشامد کی مگر نہ بنیا مانتا تھا نہ پیادے باز آتے تھے اور پکڑے لیے چلے جاتے تھے
لوگ جو وہاں کھڑے تھے اُنہوں نے بھی کہا لالہ جہاں تم نے اتنے دنوں صبر کیا دس پانچ روز اور
صبر کر جاؤ تو بنیا بولا ابھی کہی میاں جی ابھی کہی برسوں کا نانواں اور روز کی ٹال مٹول
بھگوان جانے ابھی تو کہاں خان صاحب کی اجّت اتروائے لیتا ہوں۔ وہ شخص جس پر ڈگری
جاری تھی غریب تو تھا لیکن غیرت مند بھی تھا بنیئے نے جو عزت اُتروانے کا نام لیا سُرخ ہو گیا
اور گھر میں گھس تلوار میان سے نکال چاہتا تھا کہ بنیئے کا سر الگ کر دے کہ اس کی بیوی
اس کے پیروں میں لپٹ گئی اور رو کر کہنے لگی خدا کے لیے کیا غضب کرتے ہو بھی تمہارا غصہ
ہے تو پہلے مجھ پر اور بچوں پر ہاتھ صاف کرو۔ کیونکہ تمہارے بعد ہمارا تو کہیں بھی ٹھکانا نہیں
ماں کو روتا دیکھ بچے اس طرح ڈاڑھیں مار مار کر روئے کہ میرا دل ہل گیا اور دوڑ کر سب
کے سب باپ کو لپٹ گئے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر خان صاحب بھی ٹھنڈے ہوئے
اور تلوار کو میان کر کھونٹی سے لٹکا دیا اور بی بی سے کہا اچھا نیک بخت پھر مجھ کو اس بے عزتی
سے بچنے کی کوئی تدبیر بتا۔ بی بی نے کہا بلا سے جو چیز گھر میں ہے اُس کو دے کر کسی طرح اپنا پیچھا چھڑاؤ
تم کسی طرح رہ جاؤ تو پھر جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔ تو اب کیا۔ پانی پینے کا کٹورا نہیں معلوم کن دنوں
کی اُٹھی ہلکی بے قلعی دو پتیلیاں بس یہی اُس گھر کی کُل کائنات تھی۔ چاندی کی دو دو چوڑیاں لیکن
ایسی پتلی جیسے تار اُس نیک بخت عورت کے ہاتھوں میں تھیں۔ یہ سب سامان خاں صاحب نے بازار کو

لہ خالی ہاتھ مفلس ۱۲ کہ حکم، ڈگری جو اُن کے نام لکھا ہوا قرضہ ۱۲ کہ روزمرہ ۱۲ کہ خان صاحب ۱۲ شہ عزت ۱۲ کہ مارے غصے کے ۱۲ کہ
پکار کر، رو رو کے ڈاڑھیں مار مار کر رونا کہتے ہیں ۱۲ کہ غصہ دھیما پڑا ۱۲ کہ پیچھا ۱۲ کہ موجود ۱۲

اُس بنئے کے روبرو رکھدیا۔ اول تو بنیا اُن چیزوں کو ہاتھ ہی نہیں لگاتا تھا لوگوں نے بہت کچھ کہا سُنا یہانتک کہ اُن سرکاری پیادوں کو بھی رحم آیا انھوں نے بھی بنئے کو سمجھایا۔ بارے خدا خدا کرکے وہ اِس بات پر رضامند ہوا کہ پانچ روپے اصل اور دو روپے سود ساتوں کے ساتوں دیدیں تو فارغ خطی[۱] لکھدے۔ لیکن خانصاحب کا کل اثاثہ[۲] چار ساڑھے چار سے زیادہ کا نہ تھا۔ تب پھر گھر میں گئے اور بی بی سے کہا کہ ڈھائی روپے کی کسر رہ گئی ہے[۳] تو بی بی نے کہا اب تو کوئی چیز بھی میرے پاس نہیں۔ ہاں لڑکی کے کانوں میں چاندی کی بالیاں ہیں دیکھو جو اِن کو ملا کر پوری پڑے۔ وہ لڑکی کوئی چھے برس کی تھی بس بعینہ جتنی ہماری حمیدہ۔ ماں جو لگی اُسکی بالیاں اُتارنے تو وہ لڑکی اِس حسرت[۴] کے ساتھ روئی کہ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے دل میں کہا کہ الٰہی اسوقت مجھ سے کچھ بھی اِسکی مدد نہیں ہو سکتی۔ فوراً خیال آیا کہ ایک روپیہ اور کوئی دو آنے کے پیسے تو نقد میرے پاس ہیں۔ دیکھوں ٹوپی بک جائے تو شاید خان صاحب کا سارا قرضہ چک[۵] جائے۔ بازار تو قریب تھا ہی فوراً اِس گلی کے باہر نکل آیا۔ رومال تو سر کو لپیٹ لیا اور ٹوپی ہاتھ میں لے ایک گوٹے والے کو دکھائی اُسنے چھوٹی آنکی[۶] میں نے بھی چھوٹتے ہی کہا لا بلا سے چھے ہی دے۔ غرض چھے وہ اور ایک میرے پاس نقد تھا ہی ساتوں روپے لے میں نے چپکے سے اُس عورت کے ہاتھ پر رکھدیے۔ تب تک پیادے خانصاحب کو گرفتار کرکے لیجا چکے تھے اور گھر میں رونا پیٹنا مچ رہا تھا۔ دفعتہً[۷] پورے سات روپے ہاتھ میں دیکھ اُس عورت پر ایک شادی مرگ[۸] کی سی کیفیت طاری[۹] ہو گئی اور اُس خوشی میں اُسنے کچھ نہیں سوجھا کہ بیوی روپیہ کہاں سے آیا لیکن نہ پوچھا کہ خدا کا بھیجا ہوا یہ کو روپے دیکر [illegible] اور خود بچوں سمیت دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔ بات کی بات میں خانصاحب چھوٹ آئے تو بچوں کو کیسی خوشی کہ کودیں اور اچھلیں۔ کبھی باپ کے کندھے پر اور کبھی ماں کی گود میں اور کبھی ایک پر ایک۔ اب اُس عورت کو میرا خیال آیا اور بچوں سے بولی کمبختو کیا اودھم[۱۰] مچائی ہے اور میری طرف اشارہ کرکے کہا، دعا دو اِس اللہ کے بندے کی جان و مال کو جسنے آج باپ کی اور تم سب کی جانیں رکھ لیں۔ نہیں ٹکڑا بھی مانگا نہ ملتا۔ کوئی چچا یا ماموں بیٹھا تھا کہ اُس کو تمھارا درد ہوتا اور اِس مصیبت کیوقت تمھاری دستگیری[۱۱] کرتا

---

[۱] کاغذ جسمیں لکھا ہوتا ہے کہ اب ہمارا لینا کچھ باقی نہیں ۱۲ [۲] سامان ۱۲ [۳] کمی ۱۲ [۴] افسوس ۱۲ [۵] تمام و کمال ادا ہو جائے ۱۲ [۶] یعنی ٹوپی کو چھے روپے کا جانچا ۱۲ [۷] یکا یک ۱۲ [۸] دفعتہً جبکہ خوشی پہنچنے سے مر جانا ۱۲ [۹] چھا گئی ۱۲ [۱۰] غل و شور ۱۲ [۱۱] لفظی معنے ہاتھ پکڑنا مراد ہے مدد کرنا ۱۲

صرف ایک باپ کے دم کا سہارا ہے کہ اسد رکھے اُسکے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں تو محنت سے مزدوری سے خدا کا شکر ہے روکھی سوکھی روز کے روز دو وقت نہیں تو ایک ہی وقت ملے تو جاتی ہے۔ ہمارے حق میں تو یہ لڑکا کیا ہے رحمت کا فرشتہ ہے۔ نہ جان پہچان نہ رشتہ نہ ناتہ اور اِس اللہ کے بندے نے بھر مٹھی روپے دیکر آج ہم سبکو نئے سر سے زندہ کیا وہ بچے جس شکرگزاری کی نظر سے مجھکو دیکھتے تھے اُسکی مسرت[1] اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں روپیہ خرچ کرنیکے بعد مجھکو عمر بھر ایسی خوشی نہیں ہوئی جیسی کہ اُسدن تھی۔ مگر دونوں میاں بی بی کے ذہن میں اُسوقت تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ میں نے روپیہ اُن کو دیدیا۔ وہ سمجھے تھے کہ قرض کے طور پر دیا ہے۔ میں تو کھسکنے[2] کو تھا مگر وہ عورت زبردستی مجھکو اپنے گھر میں لے گئی اور ٹوٹی سی ایک چوکی پڑی تھی میں ہرچند منع کرتا رہا جلدی سے اُسکو اپنے دوپٹے سے جھاڑ مجھ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میاں سے بولی نوج[3] کوئی تم جیسا بیخبر ہو۔ کھڑے کیا ہو جاؤ ایک گلوری[4] بازار سے میاں کے لئے بنوا لاؤ۔ میں نہیں میں پان نہیں کھاتا تکلیف مت کرو۔ عورت بیٹا تمھاری خدمت میں اور ہم کو تکلیف۔ جی چاہتا ہے کہ آنکھیں تمھارے تلووں میں بچھا دوں۔ قربان اِس پیاری پیاری صورت کے نثار[5] اِس بھولی بھولی شکل کے۔ بیٹا تم یہ تو بتاؤ کہ تم ہو کون۔ میں۔ میری خالہ میاں صابر بخش کی سرائے میں رہتی ہیں۔ عورت پھر بیٹا یہ اپنا روپیہ تم ہم سے کب لوگے۔ ہم اپنا اور بچوں کا پیٹ کاٹیں گے اور تمھارا قرضہ سب سے پہلے ادا کریں گے مگر کام اِن دنوں مندا[6] ہے۔ دینگے تو ہم جسطرح بن پڑیگا دو ہی مہینے میں مگر جہاں تم نے اتنی مہربانی کی ہے اللہ اتنا سلوک اور کرو کہ دو روپے مہینہ قسط کا لے لیا کرو۔ میں آپ روپے کے ادا کرنیکا کچھ فکر نہ کیجئے میں نے لینے کی نیت سے نہیں دیا۔ یہ سنکر تمام خاندان کا خاندان اتنا خوش ہوا کہ میں بیان نہیں کرسکتا اور میں اُن میں اِس وقت[7] کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جیسے خوشدل اور شکرگزار رعایا میں کوئی بادشاہ یا حلقہ[8] مریداں[9] ارادتمند[10] میں کوئی پیر و مرشد۔ اُس عورت کے منہ سے مارے خوشی اور شکرگزاری کے بات نہیں نکلتی تھی بار بار میری بلائیں لیتی تھی اور میرے ہاتھوں کو چومتی اور آنکھوں کو لگاتی تھی۔ اُسی کی بلائیں رومال سر پر سے کھسک گیا تو اُسنے دیکھا کہ میرے سر پر ٹوپی نہیں۔ پوچھا تو مجھ کو کہنا پڑا کہ وہی ٹوپی

---

[1] خوشی ۱۲ [2] چپکے سے چل دینا ۱۲ [3] عورتوں کی بولی ہے شاید ہو جیو کا نوج بن گیا ہو ۱۲ [4] پان کا بیڑا ۱۲ [5] قربان ۱۲ [6] عربی میں اسکا ٹھیک ترجمہ کاسد یعنے کام چلتا نہیں ۱۲ [7] عزت ۱۲ [8] گھیرا جیسے شاگرد اُستاد کے پاس گھیرا باندھ کر بیٹھتے ہیں ۱۲ [9] اگر زید مثلاً خالد سے خدا کی راہ کی تعلیم پائے تو زید مرید اور خالد پیر ۱۲ [10] عقیدتمند ۱۲

بیچ کر میں نے روپیہ دیا۔ پھر تو اُس کا یہ حال تھا کہ بچھی جاتی تھی۔ سات روپے کی بھی کچھ حقیقت تھی مگر
اُس نے مجھ کو سیکڑوں ہزاروں ہی دعائیں دی ہوں گی۔ اُس نے جو اتنی احسان مندی ظاہر
کی میں اُلٹا اُسی کا ممنون ہوا۔ جس قدر وہ خوش آمد کرتی تھی میں شرمندہ ہوتا تھا اور جتنا وہ
عاجزی سے پیش آتی تھی میں زمین میں گڑا جاتا تھا۔ غرض میں وہاں سے رخصت ہوا تو ٹوپی نہ ہونے
کی وجہ سے سیدھا گھر لوٹ آیا عین گلی میں بھائی جان سے ملاقات ہوئی اُنھوں نے میری
ہیئت کذائی دیکھ کر تعجب کیا اور پوچھا کہ ایں کیا ٹوپی کے بدلے چنے کھائے۔ میں نے کچھ
جواب نہیں دیا اِسواسطے کہ مجھ کو اس بات کا ظاہر کرنا منظور نہ تھا۔ شام کو بھائی جان سے
اور اماں جان سے تکرار ہوئی۔ بھائی جان کچھ روپے مانگتے تھے اور اماں جان کہتی تھیں بیٹا ان
فضول خرچیوں سے گھر کے دن چلیگا۔ لو پرسوں میں نے تم کو چار روپے دیے تم نے چاروں
کے چاروں برابر کیے۔ ناخن بھر چیز تم گھر میں لائے ہو تو بتا دو۔ اِتنا چٹورپن ایسا اِسراف۔ بھائی
جان نے کہا میں چٹورا نہیں ہوں چٹورے تمھارے منجھلے صاحبزادے ہیں جن کو تم بڑا مولوی سمجھتی ہو
کہ سر کی ٹوپی تک بیچ کر کھا گئے۔ اماں جان نے مجھ کو بلا کر پوچھا۔ میں نے کہا اگر بیچ کر کھا جانا ثابت
ہو جائے تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔ اماں جان۔ پھر کیا کہیں کھو دی۔ میں۔ کھوئی بھی نہیں۔
اماں جان۔ بھائی تو تو عجب تماشے کا لڑکا ہے۔ بیچی نہیں۔ کھوئی نہیں۔ پھر ٹوپی گئی تو کہاں گئی۔
میں۔ اگر آپ کو میری بات کا اعتبار ہے تو بس سمجھ لیجئے کہ میں نے کہیں اُسکو بے جا طور پر صرف
نہیں کیا۔ اماں جان۔ اگر یہی تمھارے لچھن ہیں تو تم نے پڑھ لکھ کر ڈبویا۔ میں اسوقت عجیب
تشکل میں مبتلا تھا ظاہر کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا اور بے ظاہر کیے بن نہیں پڑتی تھی مصرع

گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

مگر مجھ کو یقین تھا کہ جب میرا معاملہ پاک صاف ہے تو گو بالفعل بھائی جان کے کہنے اور میرے چپ رہنے
سے اماں جان کو ایک بدگمانی سی ہو گئی ہے لیکن کبھی نہ کبھی ضرور اُن کے دل سے خدشہ دفع ہو ہی
جائیگا اور کچھ نہو گا تو میرے اگلے پچھلے فعلوں کو دیکھ کر اتنا جی میں سمجھ لیں گی کہ بیٹا بدراہ نہیں ہے نہیں

ملہ یعنی خوشامد کے مارے جھکی جاتی تھی ۱۲ ملہ احسانمند ۱۲ ملہ یعنی مارے شرمندگی کے ۱۲ ملہ صورت موجودہ کہ ننگے سر چلا جا رہا تھا ۱۲ ملہ محاورہ کا لفظ ہے معنی مقصود نہیں ۱۲ ملہ فضول خرچی ۱۲ ملہ کہوں تو مشکل اور نہ کہوں تو مشکل ۱۲ ملہ کھٹکا ۱۲ ملہ دور ۱۲

معلوم ٹوپی کا کیا بھید ہے۔ سو خدا کی قدرت ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ صالحہ بیمار پڑی تو اماں جان اُس کی عیادت کو گئیں۔ میں اُن کے ساتھ تھا۔ ابھی اماں جان سواری سے نہیں اُتری تھیں کہ اُدھر سے وہی خانصاحب چلے آرہے تھے مجھ کو دیکھ کر دور ہی سے دعائیں دینے لگے اور ایسی تپاک[1] اور دل سوزی کیساتھ میری خیر و عافیت پوچھی کہ جیسے کوئی اپنا بزرگ اور اپنا عزیز دریافت حال کرتا ہے۔ خیر میں نے مناسب حالت جواب دیا۔ اماں جان آخر یہ سب باتیں پردے اندر بیٹھی ہوئی سن رہی تھیں اُترتے کے ساتھ ہی مجھ سے پوچھا۔ علیم یہ کون شخص تھا جو تم سے باتیں کرتا تھا۔ میں۔ یہ ایک خانصاحب ہیں اور میاں مسکین کے کوچے میں رہتے ہیں بس میں اسی قدر جانتا ہوں۔ اماں جان۔ لیکن یہ باتیں تو تم سے ایسے گرویدہ[2] ہو ہو کر کرتے تھے کہ گویا برسوں کی جان پہچان ہے۔ میں۔ نہیں شاید ان کو میرا نام بھی معلوم نہیں۔ اماں جان۔ پھر تمہارے ساتھ ایسے خلوص[3] سے کیوں پیش آئے۔ میں۔ بعض لوگوں کا دستور ہوتا ہے کہ ذرا سے تعارف[4] میں بھی بڑے تپاک کے ساتھ پیش آیا کرتے ہیں۔ اگرچہ میرے جواب سے اماں جان کی تشفی[5] نہیں ہوئی مگر اُن کو اندر جانے کی جلدی تھی چلی گئیں۔ خانصاحب نے کہیں اپنے گھر میرا تذکرہ جا کیا۔ میں تو گھر چلا آیا مگر غالب ہے کہ اُن کی بیوی اماں جان کے پاس گئیں اور میرے اُس ٹوپی بیچنے اور روپے دینے کا تمام ماجرا بیان کیا۔ پھر جو اماں جان آئیں تو مجھ سے کہنے لگیں علیم بیٹے تمہاری چوری آخر پکڑی پر پکڑی۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ میری چوری۔ اماں جان۔ جی ہاں چوری ہیں بھلا میں بھی سنوں۔ اماں جان۔ کیوں تم پہلے ٹوپی کا حال بتا لو تب مجھ سے اپنی چوری کی حقیقت سنو۔ اتنا کہنے سے میں سمجھ گیا اور ہنس کر چپ ہو رہا۔ باپ بے شک جتنی باتیں تم نے بیان کیں داخل ہمدردی ہیں۔ خصوصاً یہ خانصاحب کا قصہ ہمدردی کی ایک اعلیٰ درجے کی مثال ہے لیکن چشمے[6] سے پہلے وہ مقامات سیراب[7] ہو جانے چاہئیں جہاں سے وہ چشمہ نکلا ہے اسی طرح پہلے اپنے عزیز و اقارب نیکی اور سلوک کے مستحق ہیں۔ بیٹا۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میرے قریب کے رشتہ دار میرے سلوک کے حاجتمند نہیں ہیں وہ خدا نے اُن کو مجھ سے بے نیاز[8] اور مستغنی[9] کیا ہے۔ باپ کیا سلوک صرف روپے پیسے ہی کے دینے سے ہوتا ہے بیٹا۔ میں تو ایسا ہی سمجھتا تھا۔ باپ۔ نہیں جو جس چیز کا حاجتمند ہے اُس کا رفع حاجت[10] کرنا ہمدردی

---

[1] علالت بیماری ۱۲ [1] بڑے درجے کا شوق ۱۲ [2] ریجھا ہوا ۱۲ [3] سچی محبت ۱۲ [4] جان پہچان ۱۲ [5] تسلی ۱۲ [6] پانی کا سوتا ۱۲ [7] یعنی ان مقامات کو پانی دیا جانا چاہیے [8] و [9] بے پروا ۱۲ [10] حاجت روا کرنا ۱۲

اور نفع رسانی[1] ہی۔ ہمارا خاندان دینداری سے بے بہرہ[2] اور خداشناسی سے بے نصیب[3] ہے۔ اور شیوۂ[4] خدا پرستی میں ہر ہر متنفس کو تعلیم و تلقین کی حاجت اور وعظ و نصیحت کی ضرورت ہی۔ تم نے اس فرض کو ادا کرنا تو درکنار[5] ابھی تک فرض ہی نہیں سمجھا۔ بیٹا۔ آپ بجا فرماتے ہیں۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ باپ۔ اور تم سے کہیں زیادہ غلطی میری ہے۔ بہر کیف اب بھی تلافی مافات[6] کرنی ضرور ہے اور میں نے مصمم[7] ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے گھر میں کسی کو لایعنی[8] طور پر زندگی نہ کرنے دونگا۔ اگرچہ میں اس بات کو نہایت حسرت اور افسوس کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ اب اصلاح کا وقت باقی نہیں اور میرا عزم بے ہنگام[9] ہے لیکن اگر تم میری مدد کرو تو میں کامیابی کی بہت کچھ امید کر سکتا ہوں۔ بیٹا۔ انشاءاللہ آپ مجھ کو نافرمان بیٹا اور ناخلف[9] فرزند نہیں پائینگے۔ مگر مجھ کو حیرت ہے کہ میں آپ کی کیا مدد کر سکونگا۔ باپ۔ تمہاری یہی مدد کرنا ہی کہ بس تم دینداری کا نمونہ بن جاؤ۔ اور اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تم نے بضرورت امتحان سبھی تو بر کر رکھی ہی لیکن مناسب ہی کہ گنجفہ۔ شطرنج۔ کبوتر۔ کنکوا۔ بٹیر۔ مرغ تمام مشاغل لایعنی[10] کے ترک[11] کا عہد واثق[12] کرو۔ بیٹا۔ یہ تو سراسر میری منفعت کی بات ہی۔ اور اگر میں اس میں کسی طرح کا انکار کروں تو آپکی نافرمانی اپنی خرابی خدا کا گناہ دنیا کی بدنامی عاقبت[13] کی رسوائی[14] کوئی پہلو بھی تو اچھا نہیں۔ اور اگر بالفرض آپ کوئی ایسی بات بھی فرماتے جس میں میرا نقصان ہوتا تاہم مجھکو سوائے تعمیل ارشاد کیا چارہ[15] تھا۔ بندہ اور خدا۔ غلام اور مالک۔ رعیت اور بادشاہ۔ نوکر اور آقا۔ شاگرد اور استاد۔ بیٹا اور باپ۔ میں تو جانتا ہوں یہ سب کچھ ایک ہی طرح کی نسبتیں ہیں۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاءاللہ میرا طرز زندگی آئندہ ایسا ہی ہوگا جیسا آپ کو منظور ہی۔ باپ۔ بارک اللہ[16] و جزاک اللہ بس تم نے آج مجھکو مطمئن[17] کر دیا خدا تمکو دنیا اور دین دونوں میں سرخرو[18] رکھے۔ اچھا اب جاؤ اپنا کام کرو ذرا اپنے بڑے بھائی کو میرے پاس بھیجدینا بیٹا۔ شاید آپ ہی گفتگو اُن سے کرنی چاہتے ہیں۔ باپ۔ ضرور۔ بیٹا۔ اگر بالمشافہ[19] اُن سے گفتگو نہ ہوتی تو میرے نزدیک بہتر تھا۔ باپ۔ تمہارا خوف بیجا نہیں ہی میں کئی کئی دن سے اس بات میں غور کر رہا ہوں

---

[1] نفع پہنچانا ۱۲ [2] بے نصیب ۱۲ [3] طریقہ ۱۲ [4] ایک طرف ۱۲ [5] جو بات فوت ہو گئی ہاتھ سے جاتی رہی اُسکا بدل ۱۲ [6] بیہودہ ۱۲ [7] ارادہ ۱۲ [8] بیوقت ۱۲ [9] نالائق ۱۲ [10] بیہودہ مشغلے ۱۲ [11] چھوڑ دینا ۱۲ [12] پکا قول و اقرار ۱۲ [13] آخرۃ ۱۲ [14] فضیحت و بدنامی ۱۲ [15] علاج ۱۲ [16] خدا برکت دے اور اُسکا بدلہ دے ۱۲ [17] یعنی اب میرے دلکو تسلی ہو گئی ۱۲ [18] مراد ہی با آبرو ۱۲ [19] منہ در منہ ۱۲

آخر کار یہی تجویز ٹھہری کہ ایک دفعہ مجھکو رُو در رُو اتمام حجت[1] کر دینا ضرور ہے۔

نصوح نے بڑے بیٹے کلیم کو بلایا اور ہر چند فہمیدہ اور علیم دونوں نے سمجھایا مگر وہ نہ آیا پر نہ آیا

غرض علیم رخصت ہو کر مردانے مکان میں گیا تو میاں کلیم کو پیام[2] طلب جا سنایا۔ کلیم۔ کیا ہے خیریت تو ہے۔ آجکل تو ہم لوگوں پر بڑی عنایت ہے۔ علیم بھلا کبھی عنایت[3] نہیں بھی تھی۔ اتنے میں سلیم بھی دروازے سے نمودار[4] ہوا۔ مگر اس سے پہلے وہ اپنا سر منڈوا چکا تھا۔ اور اس خیال سے کہ ایسا نہو بڑے بھائی جان دیکھ لیں چاہتا تھا کہ چپکے چپکے دبے[5] پاؤں گھر میں گھس جائے۔ لیکن جوں ہی بیچارے نے دروازے کے اندر قدم رکھا تھا کہ کلیم نے آواز دی۔ سلیم تو بھائی کی آواز سن کر کانپ اٹھا اور سمجھا کہ سر[6] منڈاتے ہی اولے پڑے مگر منجھلے بھائی کو بیٹھا ہوا دیکھ کر کسی قدر دم میں[7] دم آیا اور پاس آ کر بے پوچھے کہنے لگا کہ ابا جان کے حکم سے میں نے آج بال منڈوا دیے۔ بڑا بھائی (منجھلے کی طرف مخاطب ہو کر) دیکھیے مصرع صورت[8] بہ بیں حالش مپرس۔ ایک شفقت[9] پدری تو یہ ہے کہ بیچارے کی اچھی خاصی صورت کو لے کر بگاڑ دیا اور برسوں کی کمائی خاک میں ملا دی۔

ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ ۔ ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

کیوں سلیم تمہارا دل تو بالوں کے واسطے بہت کڑھتا ہوگا۔ چھوٹا بھائی۔ میں تو خود ایک مدت سے بالوں کے منڈوا دینے کی فکر میں تھا۔ بلکہ شاید آپ کو یاد ہوگا ایک مرتبہ سر کھول کر حجام کے روبرو بیٹھ گیا تھا آپ خفا ہونے لگے تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بڑا بھائی۔ آہا اب مجھکو یاد آیا کہ تمہارے ان چار یاروں نے جنکو میں مکر و فریب کے عناصر اربعہ[10] سمجھتا ہوں تم کو بہکایا تھا بھلا ایسے کوڑ مغزوں[11] کو کالج میں پڑھنے سے فائدہ۔

صحبت عیسٰے[12] بنائے خر کو انسان کس طرح ۔ تربیت سے واقعی نااہل دانا کب بنے

چھوٹا بھائی۔ آپ ناحق ان بیچاروں کو برا کہتے ہیں۔ یہی بات تو ابا جان نے بھی کہی۔ بڑا بھائی۔ ابا جان نے

۱؎ اپنی طرف سے اسکو سمجھا دینا کہ کل کو مجھپر کوئی بات نہ آئے ۱۲ ۲؎ بلاوے کا پیغام ۱۲ ۳؎ مہربانی ۱۲ ۴؎ ظاہر ۱۲ ۵؎ آہستہ کہ پاؤں کی آواز نہ نکلے ۱۲ ۶؎ یہ کہاوت ہے ۷؎ ہمت بندھی ۱۲ ۸؎ صورت ہی دیکھ لو حال کے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ۱۲ ۹؎ باپ کی محبت ۱۲ ۱۰؎ آب خاک باد و آتش چار عنصر کہلاتے ہیں جنکے ملنے سے دنیا کی کل چیزیں بنتی ہیں ۱۲ ۱۱؎ احمق بیعقل ۱۲ ۱۲؎ حضرت عیسٰے کی سواری میں گدھا رہتا تھا تو شاعر کہتا ہے کہ حضرت عیسٰے کے پاس رہنے سے گدھا بدستور گدھا رہا آدمی نہ بنا اسیطرح نالایق کو کتنا ہی تعلیم کرو کیا وہ دانا بن سکتا ہے ہرگز نہیں ۱۲

ابھی بیماری سے اُٹھ کر کہی یا کبھی پہلے بھی کہی تھی۔ چھوٹا بھائی۔ نہیں پہلے تو کبھی کچھ نہیں کہا۔ بڑا بھائی
پھر سمجھ لو کہ ابّا جان کو خلل دماغ ہے۔ میں نے تو شروع ہی میں کہدیا تھا کہ ڈاکٹر نے جو اسہال بند کرنے کی دوا
دی ہے ابخرے دماغ کو چڑھ گئے ہیں۔ منجھلا بھائی۔ یہ کیسی بات آپ کہتے ہیں۔ ابھی میں ابّا جان کے
پاس سے چلا آتا ہوں۔ دو گھنٹے تک برابر مجھ سے گفتگو کرتے رہے ہیں۔ میرے نزدیک تو اُنکے خیالات
پہلے سے کہیں عمدہ اور معقول ہو گئے ہیں۔ بڑا بھائی۔ سنتا ہوں کہ ان دنوں نماز بہت پڑھا کرتے
ہیں۔ منجھلا بھائی۔ تو کیا اسی کو آپ نے خلل دماغ قرار دیا۔ بڑا بھائی۔ کیا خلل دماغ کے سر میں سینگ
لگے ہوتے ہیں۔ بیمار ہو کر اُٹھے تھے کوئی بڑا بھاری جلسہ کرتے کہ شہر میں نام ہوتا۔ اُٹھے بھی تو اونگھتے
ہوئے دو چار مرتبہ میں نے اُن کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ یہ نوری جولاہا تو امام بنتا ہے اور محلے کے
سقے۔ حجّام۔ کنجڑے۔ مسجد کے مسافر۔ اس قسم کے لوگ اُس کے مقتدی ہوتے ہیں۔ اور ان ہی میں
یہ حضرت بھی ہوتے ہیں۔ بھائی میں تو تم سے سچ کہوں یہ دیکھ کر مجھکو اسقدر شرم آتی ہے کہ میں نے
اُدھر کا رستہ چلنا چھوڑ دیا اور یہ ملّا نے جو خدا کی قدرت ہمارے ابّا جان کے ہمنشین بنے ہیں اس قدر تو
ذلیل اوقات ہیں کہ دعوت کے لقموں اور مسجد کی روٹیوں پر تو انکی گذر ہے مگر مغرور بھی پرلے ہی سرے کے
ہوتے ہیں۔ کبھی راہ چلتے مٹھ بھیڑ ہو جاتی ہے تو خیر یہ تو خیال نہیں کہ سلام نہ کریں لیکن اتنے بڑے بڑے
کہ نہ بندگی نہ آداب نہ تسلیم دور ہی سے السلام علیکم کا پتھر کھینچ کر مارتے ہیں۔ ہاتھ یہ نہیں اُٹھاتے
سر یہ نہیں جھکاتے اور اس پر طرہ یہ کہ دس قدم سے مصافحے کو ہاتھ پھیلا کر لیکتے ہیں۔ مصرع
درازدستیِ این کوتہ آستیناں بیں۔ سلیم تم کو مرفٹ سر ہی منڈانے کا حکم تھا۔ یا نماز کی بھی ہدایت
ہوئی ہے۔ چھوٹا بھائی۔ جناب نماز کے لیے تو سخت تاکید کی۔ کہ خبردار کسی وقت کی قضا نہ ہونے
پائے۔ اور اسکے علاوہ کنکوّا اڑانا شطرنج کھیلنا جانوروں کی لڑائی میں شریک ہونا جھوٹ
بولنا قسم کھانا۔ بیہودہ بات بکنا بُرے لڑکوں میں بیٹھنا۔ ان سب باتوں سے منع کیا ہے۔ بڑا بھائی کیوں
نہیں تم سے ایک ہی بات کہدی کہ مر رہو۔ منجھلا بھائی یہ جملہ سنکر بے اختیار ہنس پڑا اور کہنے لگا کیا آپکے نزدیک

لہ جنون ۱۲ ؎ بھاپ بیٹھ بھی گویا ایک صحن کی ہنڈیا ہے جس سے بھاپ اُٹھ کر سر کو چڑھتی ہے ۱۲ ؎ محاورہ ہے ۱۲ ؎ کلیم کی مراد ہے [illegible] ۱۲
؎ آگے کھڑے ہو کر [illegible] ۱۲ [illegible] ۱۲ [illegible] پیچھے کھڑے ہو کر جو لوگ نماز پڑھیں ۱۲ ؎ پاس کے بیٹھنے والے ۱۲ [illegible]
[illegible] آستین والوں کی درازدستی تو دیکھو
[illegible] ۱۲

اِن شرطوں کی تعمیل کرنا اور مرنا دونو برابر ہیں۔ بڑا بھائی ۔ جب تمام کھیلوں کی ممانعت اور لوگوں سے ملنے اور بات کرنے کی بندی ہوئی تو تم ہی انصاف کرو کہ ایسے جینے اور مرنے میں کیا امتیاز ہو سکتا ہی ؎

زندگی زندہ دلی کا ہی نام　　مُردہ دِل خاک جیا کرتے ہیں

منجھلا بھائی ۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری بالفعل کی زندگی کی نسبت اُس طرح کی زندگی میں جو ابا جان تعلیم کرتے ہیں روحی مسرت زیادہ ہی۔ اگرچہ میں کھیل کود کی چیزوں میں خصوصاً اِن دنوں کم مصروف ہوتا ہوں اسواسطے کہ مدرسے کے کام سے فرصت نہیں ملتی مگر جتنا مصروف ہوتا ہوں اُس سے سوائے کوفت[۱] اور کبیدگی[۲] کے میں تو کوئی نتیجہ نہیں دیکھتا۔ رہا یار دوستوں کا مشغلہ سو میں اِن میں سے کسی کو کسی کا دوست نہیں سمجھتا۔ بھلا کوئی سے دو ایسے بتا دیجیے جنہیں ہر روز تو تو مَیں مَیں[۳] کی نوبت نہ پہنچتی ہو۔ بڑا بھائی ۔ پھر بھی یہ لوگ اُن مجاہوں اور کنجڑوں اور مسجد کے مسافروں سے بہتر ہیں جو نمازیں پڑھ پڑھ کر شریف بننا چاہتے ہیں ؎

زنہار[۴] ازاں قوم نباشی کہ فریبند　　حق را بسجودے و نبی را بہ درودے

منجھلا بھائی ۔ اگر شریف ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ ہم اور ہمارے یار دوست ہیں تو میرے نزدیک ایسی شرافت پر کوئی معقول پسند آدمی ناز[۵] نہیں کر سکتا بھلا کونسی بیہودگی ہی جو ہم لوگ نہیں کرتے خصوصاً جب کہ اکٹھے ہوں۔ کس قسم کی بے تہذیبی ہی جسکے مرتکب[۶] ہم نہیں ہوتے خاص کر اُس وقت کہ ایک دوسرے سے ملیں۔ دھول دھپا۔ لام کاف[۷]۔ چھیڑ چھاڑ ۔ مار کٹائی ۔ دھینگا مشتی[۸] ۔ ہاتھا پائی۔ کس خاص چیز کا نام لوں۔ ایک جلسہ اور دنیا بھر کی تفضیح ۔ ایک مجمع اور زمانے کی رسوائی نام کے شریف اور پاجیوں کی سی عادت۔ کہنے کو بھلے مانس اور بازاریوں جیسی طبیعت۔ بڑا بھائی ۔ چلو خیر معلوم ہوتا ہی کہ تم توبیعت[۹] کرنیکو تیار بیٹھے ہو۔ منجھلا بھائی ۔ تیار کیسا ابھی تو بیعت کیئے چلا آتا ہوں۔ بڑا بھائی ۔ سلیم تم اپنی کہو۔ چھوٹا بھائی ۔ جناب میں ان سے پہلے مُنڈ چکا ہوں ۔ بڑا بھائی ۔ تمھارا منڈنا سند نہیں تمھارا معاملہ مصرع ؎ درتنانی[۱۰] بستم میرسد + کا معاملہ ہی مگر د منجھلے بھائی کی طرف اشارہ کرکے)

---

[۱] طبیعت کی خستگی یعنی ملال ۱۲ [۲] رنجیدگی ۱۲ [۳] مراد ہی زبانی تکرار ۱۲ [۴] خبردار اُن میں جا کر نہ ملنا جو سجدہ کرکے خدا کو اور درود بھیجکر پیغمبر کو دھوکا دینے کی فکر میں ہیں ۱۲ [۵] گھمنڈ ۱۲ [۶] یعنی ہمسے سرزد نہیں ہوتے۔ ہم اُسکو نہیں کرتے ۱۲ [۷] مراد ہی گالی گلوچ ۱۲ [۸] ہاتھا پائی مار کٹائی ۱۲ [۹] جب کسی کو مرید کرتے ہیں تو پیر کے ہاتھ میں مرید اپنا ہاتھ دیکر اقرار کرتا ہی کہ خدا کی یاد میں ثابت قدم رہونگا یہ بیعت ہی ۱۲ [۱۰] اگر نہ بھی لو تو زبردستی دیا جاتا ہی ۱۲

اِن کو توڑا تو اُنھوں نے اپنے نزدیک بڑا کفر توڑا ۔ رہ گیا اکیلا میں ۔ منجھلا بھائی ۔ آپ اُسی وقت تک اکیلے ہیں کہ ابا جان تک نہیں پہنچے ۔ گئے اور داخل حلقہ[1] ہوئے ۔ بڑا بھائی ۔ اجی بس سکو دل سے دور رکھیں مصرع یاں وہ نشے نہیں جنھیں ترشی[2] اُتار دے ۔ منجھلا بھائی ۔ ابا جان سے ملنا شرط ہی ۔ بڑا بھائی ۔ آخر کریں گے کیا ۔ منجھلا بھائی ۔ سمجھائیں گے ۔ بڑا بھائی مصرع میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے ۔ منجھلا بھائی ۔ وہ باتیں ہی اس طرح کی کہتے ہیں کہ لوہے کو پگھلائیں پتھر کو موم بنائیں ۔ بڑا بھائی ۔ تو بس میں جا بھی چکا ۔ منجھلا بھائی ۔ یہ بات تو آپ کی بالکل نامناسب ہی ۔ بڑا بھائی ۔ ہو مصرع رندِ[3] عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار ۔ منجھلا بھائی ۔ لیکن شاید ابا جان نے آپ کو کچھ اور ہی بات کہنے کو بلایا ہو ۔ بڑا بھائی ۔ اجی تانت[4] باجی راگ پایا اسکے سوا اور کوئی بات نہیں منجھلا بھائی ۔ اگر ابا جان نے دوبارہ بلوا بھیجا ۔ بڑا بھائی ۔ تو میں جانوں گا کہ ضرور اُن کو خلل دماغ ہی ۔ منجھلا بھائی ۔ والد جیسے میرے ویسے آپ کے ۔ آپ کو اختیار ہی اُن کی شان میں جو چاہیں سو کہیں لیکن اتنا میں آپسے کہے دیتا ہوں کہ اِس اصرار کا انجام اچھا نہیں ۔ بڑا بھائی اتنا میں بھی سمجھتا ہوں لیکن میں اس انجام کی کچھ پروا نہیں کرتا ۔ منجھلا بھائی ۔ لیکن اس بگاڑ میں آپ فائدہ کیا سمجھتے ہیں ۔ بڑا بھائی اور میرا نقصان ہی کیا ہی ۔ منجھلا بھائی ۔ اگر اور کچھ نقصان نہ بھی ہو تو ابا جان کی ناخوشی کیا کچھ تھوڑا نقصان ہی ۔ بڑا بھائی مصرع رنج[5] و آزردگی غیر سبب را چہ علاج ۔ منجھلا بھائی ۔ اول تو ابھی آزردگی کی نوبت نہیں آئی لیکن اگر خدا[6] نخواستہ آئے گی تو لوگ اِس کو بے سبب نہیں کہیں گے اور سبب کی ابتدا آپ کی طرف سے ہوتی ہی کہ اُنھوں نے بلایا ہی اور آپ نہیں جاتے ۔ بھلا دنیا میں کوئی باپ ایسا ہوگا کہ فرزند اُس کی نافرمانی کرے اور وہ ناخوش نہ ہو ۔ بڑا بھائی ۔ انکو میرے افعال سے بحث کیا اور میرے اعمال سے تعرض[7] کیوں ۔ منجھلا بھائی ۔ اول تو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ آپ سے کیا کہیں گے ۔ لیکن مانا کہ وہی کہیں جو مجھ سے اور سلیم سے کہا تو کیا اُن کو نصیحت کا اختیار اور ہدایت کا منصب نہیں ہی ۔ بڑا بھائی ۔ ہی لیکن حمیدہ پر اور سلیم پر اور تم پر کیوں کہ

---

[1] مراد ہو وہی مریدوں کا حلقہ ۱۲ [2] کھٹائی ۱۲ [3] آوارہ آدمی جو سارے جہان کے جلانے کے فکر میں ہو اسکو مصلحت سے کیا سروکار ۱۲ [4] مثل ہو یعنی مثلاً دو تارے کی تانت کو چھیڑنے سے آواز نکلی تو سمجھنے والے سمجھ گئے کہ دو تارا بجانیوالا کیا راگ گائیگا اسیطرح کلیم باپکے بلانے سے سمجھ گیا کہ کیا کہیں گے ۱۲ [5] بے وجہ جو آزردگی ہو اُسکا علاج کیا ۱۲ [6] خدا نہ کرے ۱۲ [7] روک ٹوک ۱۲ منہ

تم بطوع[۱] خاطر ان کی نصیحت سننی چاہتے ہو۔ منجھلا بھائی۔ کیوں جیسے ہم اُن کے فرزند ویسے آپ۔ بڑا بھائی۔ میں فرزند بھی تھا اب سینگ[۲] کٹا کر بچھڑوں میں ملنا میرے لیئے عار ہی اور میں اپنے تئیں اُنکی حکومت سے مستثنیٰ[۳] اور انکے اختیارات سے آزاد سمجھتا ہوں۔ منجھلا بھائی۔ لیکن شریفوں میں یہ دستور نہیں ہی کہ اولاد بڑی ہو جائے تو ماں باپ کا ادب اور لحاظ اُٹھا دے۔ میں دیکھتا تھا کہ ابا جان اِس قدر جد مرحوم[۴] کا پاس کرتے تھے کہ ان کے سامنے حقہ پینا کیسا پان کھاتے میں بھی اُنکو تامل ہوتا تھا کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ بڑا بھائی۔ لیکن میں نے بھی اسوقت تک ابا جان کو اُلٹکر جواب نہیں دیا منجھلا بھائی۔ درست ہی۔ لیکن یا یہ آنچ[۵] شورا شوری یا بایں بے نمکی۔ بڑا بھائی۔ تالی[۶] دونوں ہاتھوں سے بجتی ہی اب بھی اگر ابا جان میرے حال سے تعرض نہ کریں تو میں کسی طرح کی نافرمانی[۷] یا گستاخی کرنی نہیں چاہتا۔ منجھلا بھائی۔ تو اِس صورت میں کچھ آپ کی اطاعت[۸] بھی محمود[۹] نہیں ہی۔ بڑا بھائی۔ میں مدح[۱۰] سے باز آیا مجھکو میرے حال پر رہنے دیں اور میرے نیک و بد سے متعرض نہوں ؎

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو ۔۔۔ تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

منجھلا بھائی۔ اسکا مطلب یہ کہ آپ اِن سے قطع تعلق کر چکے۔ بڑا بھائی۔ کیا ضرور ہی کہ جب میں پھر لڑکوں کی طرح مکتب میں پڑھوں تب ہی بیٹا کہلاؤں ورنہ فرزندی سے عاق[۱۱] کیا جاؤں۔ منجھلا بھائی۔ کوئی آپ سے مکتب میں پڑھنے کے لیئے نہیں کہتا اور یہ بھی امید نہیں ہی کہ ابا جان آپ کی بڑائی کا پاس نہ کریں۔ بڑا بھائی۔ جب کہ مجھ کو اپنا نیک و بد سمجھتے اور نفع و نقصان میں امتیاز کرنیکی عقل ہی تو مجھ سے کہنا کہ یہ کرو اور یہ مت کرو گو یا مجھ کو بے تمیز لڑکا بنانا ہی۔ منجھلا بھائی۔ کیا انسان کی رائے غلطی نہیں کرتی۔ بڑا بھائی۔ ایسا احتمال اُن کی رائے پر بھی ہو سکتا ہی۔ منجھلا بھائی۔ تو کیوں نہیں آپ ان ہی سے جا کر گفتگو کرتے کہ بحث ہو ہوا کر ایک بات قرار پائے۔ بڑا بھائی۔ مجھ کو گفتگو کرنے کی کچھ ضرورت نہیں مصرع ہر کسے مصلحت خویش نکو میداند[۱۲]۔ منجھلا بھائی۔ اُن ہی کو ضرورت سہی اور جبکہ آپ کو اپنی رائے پر وثوق[۱۳] ہی پھر آپ بالمشافہہ گفتگو کرنے سے گریز[۱۴] کیوں کرتے ہیں۔ بڑا بھائی۔ دنیا میں کوئی مباحثہ

[۱] دل کی خوشی سے ۱۲ [۲] یہ کہاوت ہی ۱۲ [۳] خارج ۱۲ [۴] دادا جن پر خدا رحم کرے۔ مرے ہوؤں کو اسی طرح یاد کرتے ہیں ۱۲ [۵] شیخ تو اِس قدر تیزی یا آتنا پھیکا پن ۱۲ [۶] یہ کہاوت ہی یعنی لڑائی ایک طرف سے نہیں ہوتی ۱۲ [۷] فرمانبرداری ۱۲ [۸] عمدہ تعریف کے لائق ۱۲ [۹] تعریف ۱۲ [۱۰] خارج ۱۲ [۱۱] ہر شخص اپنی مصلحت اپنا آپ سمجھتا ہے ۱۲ [۱۲] بھروسا ۱۲ [۱۳] روگردانی ۱۲ [۱۴] بھاگنا ۱۲

طے[1] ہوا ہی جو یہ ہوگا۔ منجھلا بھائی۔ ہٹ دھرمی اور تعصب[2] اور سخن پروری[3] نہو تو ہر بحث کا خاتمہ ہی۔ بڑا بھائی۔ ہمارے ابا جان کو بھی ایک بات کی رٹ[4] لگ جاتی ہی۔ اب نماز روزے کا خیال آگیا ہی تو بس اُسی کی دُھن[5] ہی۔ چند روز بعد دیکھ لینا وہی ابا جان ہیں وہی ہم ہیں اور وہی کھیل تماشے ہیں۔ منجھلا بھائی۔ آپ چونکہ مجھ سے بڑے ہیں بے شک زیادہ واقفیت رکھتے ہیں۔ لیکن میں بھی ابا جان کے مزاج سے ناآشنا نہیں ہوں۔ اصلاح خاندان کا ان کو تہ دل سے خیال ہی۔ اور اس خصوص میں اُنکو ایک اہتمام خاص ہی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کا ارادہ متزلزل[6] اور عزم ناپائدار ہو اور آپ کے بارے میں جو کچھ اُن کو منظور ہو مگر آپ کے سوا میں تو گھر بھر میں کسی کو نہیں دیکھتا کہ وہ گھر میں رہے اور اپنا پرانا ڈھرا[7] نہ چھوڑے۔ بڑا بھائی۔ ذرا اماں جان سے اور مجھ سے دو دو باتیں ہو جائیں تو تم کو ارادے کا استحکام[8] اور عزم کا استقلال خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ چھوٹا بھائی۔ اماں جان تو آج بڑی خفا بیٹھی ہیں۔ بڑا بھائی۔ کیوں۔ چھوٹا بھائی۔ آپکو نہیں معلوم آپا جان سے اور اُن سے آج بڑی لڑائی ہوئی۔ بڑا بھائی۔ کس بات پر۔ چھوٹا بھائی۔ آپا جان لڑکا حمیدہ کو دیکر ہاتھ منھ دھونے چلی گئیں۔ حمیدہ لڑکے کو بٹھا نماز پڑھنے لگی۔ آپا جان نے نماز پڑھتی کو ڈھکیل دیا۔ اُسکی ناک میں تخت کی کیل لگ گئی۔ ڈھیر سا خون نکلا۔ اسی پر تکرار ہونے لگی۔ آپا جان نے کئی مرتبہ تو بہ توبہ نماز کو بُرا کہا۔ اماں جان نے بار بار منع کیا نہ مانا۔ آخر اماں جان نے تھپڑ کھینچ مارا۔ بڑا بھائی۔ سچ کہو۔ چھوٹا بھائی آپ چل کر دیکھ لیجئے آپا جان کوٹھری میں پڑی رو رہی ہیں۔ صبح سے کھانا نہیں کھایا۔ منجھلا بھائی۔ واقعی کچھ لڑائی ضرور ہوئی ہی۔ میں جو آپا جان کے پاس گیا تو آتے جاتے سب کو چپ دیکھا اور سمجھا کہ بے سبب نہیں ہی۔ بڑا بھائی کہیں گھر بھر نے متوالی کودوں[9] تو نہیں کھائی۔ ابھی سے جہاد بھی شروع ہو گیا۔ حمیدہ کا نماز پڑھنا دیکھو اور ایک ذرا سی بات پر بیچاری نعیمہ کے مار کھانے پر خیال کرو۔ منجھلا بھائی۔ میرے نزدیک تو ان میں سے کوئی بات بھی تعجب کی نہیں۔ حمیدہ نے نماز پڑھی تو کیا کمال کیا باتیں تو بڑی بوڑھیوں کی سی کرتی ہی۔ بڑا بھائی۔ تو کیا ضرور ہی کہ باتیں بڑی بوڑھیوں کی سی کرے تو نماز بھی بڑی بوڑھیوں کی سی پڑھے۔ اسکی عمر گڑیاں کھیلنے اور ہنڈ کلھیاں[11]

---

[1] فیصلہ ۔ چکوتا ۱۲ [2] پچ ۔ طرفداری ۱۲ [3] بات کا نباہ ۱۲ [4] بکواس ۱۲ [5] دھت ۔ ہر وقت ایک بات کے پیچھے پڑے رہنا ۱۲ [6] ڈگمگایا ہوا [7] رستہ ۱۲ [8] مضبوطی ۱۲ [9] کودوں ایک قسم کا غلہ ہی غریب لوگوں کے کھانیکا۔ بعض اوقات اسمیں ایک طرح کی سمیت آجاتی ہی جو کھاتا ہی باولا ہو جاتا ہی یہانتک کہ جانور ۱۲ [10] مذہبی جنگ ۱۲ [11] لڑکیاں چھوٹی چھوٹی ہنڈیوں میں کھانا پکانے کی نقل کیا کرتی ہیں ۱۲

پکانے کی ہو نہ زہد[1] و مراقبے[2] کی۔ منجھلا بھائی۔ کیا یہ ایسی مشکل بات ہو کہ حمیدہ اُس کو نہیں سمجھ سکتی۔ بڑا بھائی
مار مار کر سمجھایا جائے تو شاید صدرے[3] اور شمس بازغے[4] کو بھی کہہ دے گی کہ ہاں سمجھ گئی۔ منجھلا بھائی۔ لیکن
اس کو تو مار نہیں پٹی۔ بڑا بھائی۔ ایک کو پٹی تو گویا سبھی کو پٹی۔ جب نعیمہ ہی کو اماں جان نے تھپڑ کھینچ مارا
تو اب کس کی عزت رہ گئی۔ بڑی بیٹی بیاہی ہوئی صاحب اولاد کو مارنا شرافت و دیندارانہ ہے ؎

نے کعبے[5] نے دیر کے قابل مذہب اِن کا سیر کے قابل

اسلام ہو ایسے دین کو کہ انسان اپنے آپے سے باہر ہو جائے اور دنیا کے نیک و بد پر کچھ نظر[6] نہ کرے۔ آخر یہ
خبر ممکن نہیں کہ اسکی سسرال نہ پہنچے۔ سمدھیانے والے کیا کہیں گے۔ غیرت ہو تو گھر بھر چلو بھر[7] پانی میں ڈوب
مریں۔ حیا ہو تو کنبے میں منھ نہ دکھائیں اسی پر تم مجھکو ابا جان کے پاس جانیکی رائے دیتے ہو اگر کہیں مجھ پر بھی
ایسا ہی دست شفقت پھیر دیا تو پھر مصرع[8] آں منم کاندرمیان خاک و خوں بینی سرے۔ اور مجھ کو نعیمہ کے جانبر
ہونے کی بھی امید نہیں مصرع سن لیجیو کہ آج اگر ہے تو کل نہیں۔ منجھلا بھائی۔ اس بات کا مجھ کو
بھی تعجب ہو لیکن جب تک اماں جان کے منھ سے تمام کیفیت نہ سن لوں میں نہیں کہہ سکتا کہ انھوں نے
بیجا کیا یا بجا کیا۔ بڑا بھائی۔ تمھارے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہوتا اور پھر تم بجا اور بیجا میں تردد رکھتے تو
میں تمکو خلفِ[9] ارشد اور فرزند سعادت مند جانتا ؎

جس پہ بیتی ہو یہ وہی جانے جو کہ بے درد ہو وہ کیا جانے

منجھلا بھائی۔ شاید وقت پر طبیعت کا حال دگرگوں[10] ہو جائے تو خبر نہیں ورنہ میں تو ماں باپ کی
تادیب[11] کو موجب بے حرمتی[12] نہیں سمجھتا۔ بڑا بھائی۔ شاید ایسی ہی باتوں نے اِن کو دلیر کر دیا ہو۔
منجھلا بھائی۔ جس کو خدا ماں یا باپ بناتا ہو تو اُسکو اتنی بات کے سمجھنے کی عقل بھی دیتا ہو کہ اولاد
پر اس کو کیسے کیسے اختیارات حاصل ہیں۔ بڑا بھائی۔ غرض تمھارے نزدیک

[1] ترک دنیا ۱۲ [2] گردن جھکا کر تا بہ دیر سوچتے رہنا۔ فقیروں کی ریاضت میں مراقبہ بھی ہے ۱۲ [3] صدرالدین شیرازی
کی مشہور اعلیٰ درجے کی فلسفے کی کتاب ۱۲ [4] یہ بھی بڑی اونچی حکمت کی کتاب ہے ۱۲ [5] یعنی عجیب طرح کا مذہب ہے۔ نہ اسلام ہو کہ
کعبے میں کھپے اور نہ کھلی بت پرستی ہو کہ بت خانہ میں جا داخل ہو ۱۲ [6] یہ کہاوت ہے ۱۲ [7] میں تو ایسا آدمی ہوں کہ پھر خاک
اور خون میں میرا سر پڑا ہوا دکھائی دے یعنی جان کھو دوں ۱۲ [8] زندہ بچ جانے والی ۱۲ [9] سپوت ۱۲ [10] دوسرے رنگ
کا ۱۲ [11] ادب دینا ۱۲ [12] بے عزتی ۱۲

ماں باپ کو اختیار ہے کہ اولاد گو بڑی بھی ہو جائے مگر ان کو بے تمیز بچوں کی طرح ماریں پیٹیں تو کچھ الزام نہیں - منجھلا بھائی مجھ سے فتویٰ[1] طلب نہیں ہے کہ ایک عام رائے دوں البتہ اپنے گھر کے اس خاص معاملے میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اماں جان نے جب بہت ہی ضرورت سمجھی ہو گی تو ابا جان پر ہاتھ اٹھایا ہو گا - اور فرض کیا کہ اماں جان ہی کی زیادتی سہی تو کیا ایک طمانچے کے مارنے سے انکی عمر بھر کی شفقتیں اکارت اور سالہا سال کی نیکی برباد - ؎

آں[2] کہ بجائے تست ہر دم کرمے ؏ عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے

ابھی ابا جان کی جو محبت اماں جان کو ہو گی مجھ کو اور آپ کو اس کا ایک شمہ[3] تو ہو لے - بڑا بھائی غرض کچھ ہو ؎ میرے[4] وحشت خانے میں جوش جنوں کی دھوم ہے ؏ عافیت مفقود اور آسودگی معدوم ہے

بھائی بھائی یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں سولن نامی لونڈی دوڑی آئی اور علیم سے کہا میاں یہ چھتے ہیں میری بات کا جواب تم نے ہست[5] نیست کچھ نہ دیا - سولن کو تو علیم نے یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تو چل ہم کہہ کر ابھی آتے ہیں اور بڑے بھائی سے کہا کہ ابا جان آپ کے منتظر بیٹھے ہیں جائیے کھڑے کھڑے ہو آئیے بڑا بھائی - اگر مجھ کو یہ یقین ہوتا کہ میرا جانا اور چلا آنا ایک سرسری بات ہے تو میں اب تک جا کر کبھی چلا نہ آیا ہوتا - منجھلا بھائی آپ نے یہ کیونکر تجویز کر لیا کہ سرسری نہیں ہے - بڑا بھائی خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا - منجھلا بھائی - بس شاید ابا جان کو اتنی ہی بات آپ کے منہ سے سننی منظور ہے -

بڑا بھائی - مصرع ؏ ہر سخن موقعے[7] و ہر نکتہ مکانے دارد ؏ منجھلا بھائی مجھ کو حیرت ہے کہ آپ کو تردد کس بات کا ہے - بڑا بھائی - میں ان کے مزاج سے خائف[8] اور اپنی عادت سے مجبور رہوں - منجھلا بھائی - لیکن جانے میں جس بات کا احتمال ہے نہ جانے میں اس کا تیقن ہے - بڑا بھائی احتمال تم کو ہی مجھ کو - میں سمجھا بیٹھا ہوں کہ بالاخانے پر چڑھا اور آفت نازل ہوئی - منجھلا بھائی - میں زیادہ اصرار کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا آپ کو اختیار ہے جو چاہیے سو کیجئے لیکن کہے دیتا ہوں کہ اسکا انجام بخیر نہیں معلوم ہوتا - بڑا بھائی مصرع ؏ ہر چہ[9] بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

۱؎ مذہب کا حکم مولویوں سے مسئلہ پوچھیں اُس کا جواب ۱۲ ۲؎ جو ہر دم تجھ پر مہربانی کرے تو اگر ساری عمر میں اس سے کوئی ظلم بھی سرزد ہو تو اس کو معاف کرنا چاہیے ۱۲ ۳؎ قدرے سا ۱۲ ۴؎ میرا گھر وحشت خانہ ہے اور جنون نے ایسی دھوم مچا رکھی ہے کہ آرام اور امن دونوں معدوم ہیں ۱۲ ۵؎ ہاں نہیں ۱۲ ۶؎ آسان ۱۲ ۷؎ ہر بات کا موقع اور ہر چٹکلے کے کہنے کا محل ہوتا ہے ۱۲ ۸؎ ڈرتا ہوں ۱۲ ۹؎ جو ہونا ہے سو ہو اب تو ہم ناؤ کو پانی میں ڈال چکے ۱۲

منجھلا بھائی ۔ تو پھر میں ابا جان سے کہلائے بھیجتا ہوں ۔ بڑا بھائی ۔ یہ تم کو اختیار ہے ۔ میں
جب ان کے بلانے سے جانا لابد نہیں سمجھتا تو ان کے پوچھنے سے جواب دینے کو کب ضروری
جانتا ہوں ۔ منجھلا بھائی ۔ مایوس ہو کر اٹھا اور تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آیا اور کہنے لگا کہ میرا
پاؤں آگے نہیں پڑتا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہوں تو کیا کہوں یہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ
کا نہ جانا بڑی ہی خرابی برپا کرے گا ۔ نہیں معلوم اس وقت آپ کو کیا ہو گیا ہے ۔ آپ جاتے
اور ان کی بات کو نہ مانتے تاہم چنداں قباحت نہ تھی لیکن نہ جانے میں بگاڑ کا ابتدا فساد کا آغاز
نافرمانی کا شروع آپ کی طرف سے ہوتا ہے ۔ تمام دنیا آپ کو اس کا الزام دے گی اور سارا جہان آپ پر
قصور عائد کرے گا اور چونکہ میں اس کا نتیجہ سراسر آپ کے حق میں زبوں سمجھتا ہوں میں نہیں چاہتا
کہ میری اس میں شرکت ہو ۔ آپ کو جانا منظور نہیں تو بہتر ہو گا کہ آپ کسی دوسرے کے ہاتھ کہلا بھیجئے
بڑا بھائی ۔ لیکن مجھ سے انھوں نے پوچھا نہیں تو میں کیوں کہلا بھیجوں ۔ منجھلا بھائی ۔ ایسا روکھا
جواب سن کر پھر چلا ۔ بے چارہ عجب ضغطے[1] میں تھا کہ ادھر باپ نے بہ تاکید پوچھ بھیجا ہے تو
جواب میں کچھ ہاں یا نہیں کہنا چاہیے ۔ اور چونکہ سمجھ چکا تھا کہ نہ جانا بھائی کی ہمیشہ ہمیشہ
تباہی کا موجب ہو گا اندر سے جی نہیں مانتا تھا کہ اس کی بربادی کی بات منہ سے نکالے ۔
اسی گھبراہٹ میں دوڑا ہوا ماں کے پاس گیا اور کہا کہ اماں جان غضب ہوا چاہتا ہے ۔
ماں بے چاری نعیمہ کے سوچ میں بیٹھی ہوئی تھی کیونکہ کوٹھڑی میں فرش پر ایک حالت[2] سے
پڑے پڑے نعیمہ کو سارا دن گذرا ۔ نہ تو اس نے سر اٹھایا نہ کوئی چیز اس کے منہ میں گئی
ماں نے گلوریاں خاصدان[3] میں بھروا کر پاس رکھوا دی تھیں وہ بھی سب اسی طرح رکھی
رکھی سوکھ گئیں ۔ پانی اور کھانے کا کیا مذکور ۔ لڑکا گھڑی دو گھڑی تو چپکا رہا پھر اس نے الگ
رونا شروع کیا ۔ سارا گھر اس کو سنبھالتا تھا مگر اس نے تالو سے زبان نہ لگائی ۔ بہتیرا نانی بہلا
پھسلا کر دودھ دیتی مگر گود میں سے نکل نکل پڑتا تھا ۔ نہ اٹھے سلجھے نہ بیٹھے چین ۔ سب کو حیران
کر مارا ۔ دن تو خیر بری بھلی طرح گذر بھی گیا اب مصرع ۔ رات آئی تو یہ جانا کہ قیامت
آئی ۔ صالحہ کو جو بلوایا تھا تو ایک یوں ہی سا[4] پیام کہلا بھیجا تھا وہاں سے جواب آیا کہ آج

[1] کشمکش ۔ [2] بنے ہوئے پان ۔ [3] گلوریاں رکھنے کا ظرف ۔ [4] سرسری ۔

شام کو گھر میں مولوی صاحب کا وعظ ہے انشاء اللہ کل بڑے تڑکے نماز صبح پڑھ کر میں پہنچوں گی ۔
اسی اضطراب[1] میں میاں علیم نے جو ایک دم سے جا کر کہا کہ غضب ہوا جاتا ہے ماں کا کلیجہ دھک[2]
سے ہو گیا۔ اور سمجھی کہ نعیمہ کی خیر نہیں ۔ گھبرا کر پوچھا کیا ۔ بیٹا ۔ بھائی جان کو ابا جان چار گھڑی دن
رہے سے بلا رہے ہیں یہ وقت ہونے آیا نہیں جاتے ۔ میں مردانے میں پردہ کرا دوں آپ ذرا
چل کر سمجھا دیجئے شاید مان جائیں ۔ میں تو کہہ کر تھک گیا ۔ فہمیدہ کا حال یہ تھا کہ نعیمہ سے بد تر
اس کی کیفیت تھی ۔ لوگوں کے دکھانے کو دستر خوان پر بیٹھ تو گئی تھی مگر ایک دانہ حلق سے نہیں
اترا ۔ جیسی بیٹھی تھی ویسی ہی منہ جھٹلا[3] کر اٹھ کھڑی ہوئی ۔ بار بار کسی نہ کسی بہانے سے کوٹھری کے
پاس جاتی ۔ کواڑوں کے پاس کھڑی ہو ہو کر درزوں میں جھانکتی ۔ اور نعیمہ کے رونے کی آہٹ
لیتی ۔ گھر والوں سے جو سامنے آنکلتا اسکو بھیجتی کہ جاؤ ہو سکے تو مناؤ ۔ لیکن کسی کو اتنا جیجہ[4] نہ تھا
کہ کوٹھری کے اندر قدم رکھتا ۔ بیدارا جس نے نعیمہ کو پالا تھا اور ہر طرح کا دعویٰ رکھتی تھی
لڑکے کو لیکر دودھ پلوانے کے بہانے سے پاس جا کر بیٹھی ۔ ابھی منہ سے بات بھی نہیں کہنے پائی
تھی کہ نعیمہ نے ایک ایسی دولتی چلائی کہ بیدارا کئی لڑھکنیاں کھا کر گیند کی طرح لڑھکتی لڑھکاتی باہر آ گری
خدا نے بڑی خیر کی کہ لڑکا نہا بچہ سمیت گود سے نکل پڑا ورنہ اتنی دور میں نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جاتا
بیدارا کی مدارات دیکھکر پھر تو جس سے فہمیدہ کوٹھری میں جانے کا نام لیتی وہ کانوں پر ہاتھ دھرتی کہ نہ
بیوی میری ہڈیوں میں تو خدا کی لاٹھی سہارنے کا بوتا نہیں ہے ۔ جانتے سب تھے کہ نعیمہ کو منائیں مگر
کوٹھری میں جانے سے ایسا ڈرتے تھے کہ گویا اندر کالی ناگن بیٹھی ہے پاؤں رکھا اور اس نے ڈس لیا ۔
باہر اس ذرا سے فتنے یعنی نعیمہ کے بچے نے آفت توڑ رکھی تھی ۔ اگالدان ۔ پاندان ۔ سینیاں ۔
بجاتے کنڈیاں کھڑکھڑاتے مگر اس عزیز کے کان پر جوں نہ چلتی تھی ۔ گود میں لٹاؤ ۔ جھولے میں
سلاؤ ۔ کندھے لگاؤ ۔ لئے لئے پھرو مگر کسی طرح اسکو قرار نہ تھا ۔ بے زبان بچہ منہ سے بولتا نہیں چالتا
نہیں ابرو جاتا ہے ۔ کوئی کیا جانے کہ اسکو کس بات کی تکلیف ہے ۔ پہلے تو یہ خیال ہوا کہ بھیرا نیم تو نہیں
تھوک دی ۔ مسور برابر جھوٹ خاصی مٹر جتنی گولی دی مطلق اثر نہیں ۔ جانا کہ شاید ہنسلی جاتی رہی وہ

---

[1] گھبراہٹ ۱۲ [2] یعنے دھڑکنے لگا ۱۲ [3] منہ جھوٹا کر کے ۔ چونکہ کھانے کے بعد کلی کرنی ضرور ہے تو گویا اٹھا نا کھانا تھا بسے منہ جھوٹا ہو جاتا ہے ۱۲ [4] کلیجہ منہ ۱۲ [5] جس گدی پر بچے بچوں کو لٹاتے ہیں ۱۲ [6] پناہ مانگتی ۱۲ [7] یہ کہاوت ہے یعنی ایسی سخت مار کی برداشت نہیں ہو سکتی ۱۲ [8] سانپ [9] کاٹ لیا ۱۲ [10] خبر نہیں ہوتی تھی ۱۲ [11] گلے کی ہڈی جگہ سے سرک جاتی ہے تو اسکو ہنسلی کا جانا بولتے ہیں ۱۲

بھی ملوائی اور رونا چلایا سمجھے کہ پیٹ میں درد ہے۔ دودھ میں سہاگہ گھسکر دیا پھر بھی نہ چپ ہوا۔ آخر جب خوب ہلاک ہولیا تو ہار کر کوئی دو گھڑی دن رہے نانی کے کندھے لگ کر سو گیا۔ یہ بیچاری بھی دن بھر کی تھکی ماندی نہا منہ اس پر دل اداس طبیعت مغموم۔ بت کی طرح ایک دیوار سے لگی ہوئی بیٹھی اونگھ رہی تھی کہ پہلے صالحہ کا جواب آیا اوپر سے میاں علیم بھائی کا مژدہ لے کر پہنچے۔ سنکر رہی سہی عقل بھی کھوئی گئی۔ تھوڑی دیر تک تو چپ سناٹے میں بیٹھی رہی۔ اس کے بعد اپنے آپے میں آئی تو علیم سے کہا پھر بیٹا تم نے بڑے بھائی کو کچھ نہ سمجھایا۔ بیٹا۔ میں نے کتنا کتنا سمجھایا۔ ماں نعیمہ کا حال تم نے کچھ سنا۔ بیٹا۔ جی ہاں سنا۔ ماں۔ بس خدا نے دو نو کو ایک سانچے میں ڈھالا ہے۔ مجھ کو تو امید نہیں کہ کلیم روبراہ ہو۔ جب اس کو خدا ہی کا خوف اور باپ ہی کا ڈر نہ ہوا تو بھلا میں کون بلا ہوں تم کہتے ہو چلو میں اپنی طرف سے کہہ سن بہتیرا کچھ دوں گی۔ کیوں علیم بھلا تمھارے نزدیک میری زیادتی تھی یا نعیمہ کی۔ بیٹا۔ میں نے مفصل حال تو سنا نہیں لیکن جس قدر سنا اس سے سراسر آپا کا قصور معلوم ہوتا ہے اور مجھ کو زیادہ تحقیقات کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ میں نے سنتے کے ساتھ ہی کہدیا تھا کہ اماں جان نے جب ایسی ہی سخت ضرورت سمجھی ہوگی تو آپا پر ہاتھ اٹھایا ہوگا۔ ماں۔ علیم کیا میں تم سے کہوں خدا کی شان میں ایک بے ادبی کہ معاذ اللہ میں تو تھرا اٹھی کہ ایسا نہ ہو کہیں چھت گر پڑے اور جان جان منع کرتے کرتے بیٹا۔ بے شک آپ نے مارا تو بہت واجب کیا۔ خیر آپا کا تو چنداں اندیشہ نہیں۔ آپ ہی غصہ اتر جائے گا۔ بڑے بھائی کا بڑا کھٹکا ہے۔ یہاں کل تک وارا نیارا ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ماں۔ دونوں ایک دوسرے کے قدم بہ قدم ہیں۔ اس نعیمہ نے کیا وارا نیارا کرنے میں کچھ اٹھا رکھا ہے۔ سارا سارا دن گذر گیا نہ پانی پیا۔ نہ کھانا کھایا۔ نہ بچے کو دودھ پلایا۔ بیٹا۔ بچے کو دودھ نہیں پلایا بھلا اس بیچارے کا کیا قصور ماں۔ بیدارا ایک دفعہ لے کر گئی تھی بیچاری کے ایسی لات ماری کہ پچھے صحنچی میں ہلدی تھوپے پڑی کراہ رہی ہے۔ بیٹا۔ میں چلوں دور سمجھاؤں۔ ماں۔ نہ بیٹا اپنی عزت اپنے ہاتھ تم گئے اور چھوٹے تو ہو ہی کچھ جا بیجا کہہ بیٹھی تو ناحق تم کو برا لگے کیا فائدہ۔ بیٹا۔ جب وہ میری بڑی ہیں تو مجھ کو ان کا

لے خوشخبری ۱۲ تے بالکل ۱۲ سے خدا کی پناہ ۱۲ کے ڈر کے مارے کانپ اٹھی ۱۲ شہ فیصلہ ۱۲ تہ چوٹ میں ہلدی لگاتے ہیں وہ علاج ہے ۱۲ شہ آہ آہ کر رہی ہے ۱۲

کتنا بُرا کیوں لگے گا۔ ماں۔ تو بھی تمھارے جانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ میں نے صالحہ کو بُلوا بھیجا ہے
وہ آئے گی تو اُس کو اپنے طور پر ٹھیک ٹھاک کرے گی۔ بیٹا۔ واقعی یہ آپ نے خوب تجویز کی مگر اب
رات ہوگئی کب آئے گی۔ ماں۔ اُن کے یہاں اس وقت وعظ ہے اس سبب سے اُس نے کہلا بھیجا
ہے کہ کل صبح تڑکے پہنچوں گی خیر جوں توں رات کٹ ہی جائے گی۔ بیٹا۔ میں جا کر صالحہ کو لے
آؤں اتنے میں آپ بھائی جان سے باتیں کیجیے۔ ماں۔ ہاں بہتر تو یہ ہوگا۔ میں نے اس کو حال
کہلا نہیں بھیجا ورنہ وہ تو سنتے کے ساتھ دوڑی آتی۔ غرض علیم تو صالحہ کو لینے گیا اور فہمیدہ پردہ
کروا مردانے میں پہنچی۔ اتنی ہی دیر میں یہاں تاش کھیلنی شروع ہو گئی تھی۔ فہمیدہ جو گئی تو چاندنی
پر تاش کے ورق بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ فہمیدہ نے دیکھ کر کہا آگ لگے اس کھیل کو کھیل نہ ہوا
بلائے جان ہوا کہ رات کو بھی بند نہیں ہوتا۔ بیٹا۔ نکما بیٹھا ہوا آدمی کچھ کرے یا نہ کرے مصرع
بے کار مباش کچھ کیا کر [1]۔ ماں۔ بیٹا خدا نہ کرے کہ تم نکمے ہو۔ کرنے والا ہو تو کام بہتیرے۔ باپ
تم کو کئی دفعہ بلا چکے تو مجھے تم سے اتنا کہنا ہے کہ جاؤ سن تو آؤ کیا کہتے ہیں۔ بیٹا۔ بس میں
نے یہیں سے بیٹھے بیٹھے سن لیا۔ ماں۔ کچھ سنا نہ سنا! جاؤ ہوا اچھی بات نہیں۔ بیٹا۔ اچھی
بات کیا نہیں میں جانتا ہوں جو وہ کہیں گے۔ ماں۔ تم جانتے سہی مگر جا کر سن لینے میں بھی بیٹا کچھ
قباحت ہے۔ بیٹا۔ مصرع قباحت سہی قباحت ہے خرابی سہی خرابی ہے۔ ماں۔ میں بھی سنوں بیٹا۔
اب مجھی سے کہلواتی ہو تم آپ سمجھ جاؤ۔ ماں۔ میں تو تمھاری پہیلی نہیں سمجھتی۔ بیٹا۔ ایسی پہیلیاں
نعیمہ [2] خوب بوجھتی ہے۔ ماں۔ خدا کسی کو ایسی اُلٹی سمجھ نہ دے جیسی نعیمہ کی ہے۔ تم اسکی زبان سے
کہ خدا تک کا لحاظ اُس نے اُٹھا دیا۔ نماز کو اُٹھک بیٹھک۔ خدا کی شان میں توبہ توبہ یہ کلمے کہ کیا
خدا۔ بے دین سے بے دین بھی ایسی بات مُنہ سے نہیں نکالتا ابھی تک آفت گھر پر آ چکی ہے کہ ایک چھوڑ
تین تین مردے اسی گھر سے اُٹھے مگر مطلق خوف نہیں ذرا سا ڈر نہیں۔ بیٹا۔ وبا بھی ایک مرگ [3]
انبوہ تھا اچھے بُرے سبھی قسم کے لوگ مرے۔ ماں۔ تو کیا اچھوں کو مرتا دیکھ کر آدمی بُرا بن جائے۔
بیٹا۔ نہیں میں تو یہ نہیں کہتا کہ بُرا ہونا اچھا ہے۔ ماں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بُرائی ہوگی کہ آدمی

---

[1] بے کار مت رہ کچھ کیے جایا کر ۱۲ [2] یعنی نعیمہ کو تم اچھا سمجھتی ہو وہ خوب سمجھتی ہے باپ تک کیوں نہیں جاتا غرض یہ کیا ہے
ڈرتا ہوں ۱۲ نصوح کا باپ [illegible] ۱۲ [3] [illegible] فارسی کی مثل ہے مرگ انبوہ
جشنے دارد یعنی عام مری پھیلے تو کوئی کسی کو نہ روئے ۱۲

خدا کو خدا نہ سمجھے۔ بیٹا۔ اچھی[1] خدا کو خدا کون نہیں سمجھتا نعیمہ کے منہ سے نہیں معلوم کیوں کر ایک بات نکل گئی ہوگی۔ ماں۔ پھر تم کو باپ کے پاس جانے میں کیا تامل ہے۔ بیٹا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ نماز پڑھنے کا قول کراتے ہیں۔ کھیل کود کو منع کرتے ہیں۔ ماں۔ ابھی تو تم نے کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں تو کیا نماز اس کا حکم نہیں ہے۔ بیٹا۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ نماز اس کا حکم نہیں ہے لیکن مجھ سے ایسے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔ ماں۔ تو تم نے یہ ناحق کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں اگر تم خدا کو خدا سمجھتے تو ضرور اس کا حکم مانتے۔ چلو بیٹا دنیا اور دین دونو سے آزاد ہوئے ادھر باپ بلائے اور نہ جاؤ تو گویا باپ کو باپ نہ جانا ادھر خدا فرمائے اور نماز نہ پڑھو یعنی خدا کو خدا نہ سمجھا۔ بیٹا۔ مجھ کو حیرت ہے گھر میں کیوں یہ نئے نئے دستور اور قاعدے جاری کیے جاتے ہیں۔ وہی خدا ہے اور وہی ہم سب ہیں تو جس طرح پہلے سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اب بھی رہنے دیں۔ دوسرے کے افعال سے کیا بحث اور کسی کے اعمال سے کیا سروکار۔ اگر کوئی بے دین ہے تو اپنے لیے اور کوئی زاہد اور پرہیزگار ہے تو اپنے واسطے۔ ماں۔ سروکار کیوں نہیں۔ اولاد کی تعلیم ماں باپ پر فرض ہے۔ بیٹا۔ پہلے سے فرض تھی یا اب علالت[2] میں کوئی خاص وحی[3] نازل ہوئی ہے۔ ماں۔ اگر تم ایسی حقارت سے باپ کا ذکر کرتے ہو تو یہ تمھاری سعادت مندی[4] کی دلیل ہے۔ تم تو کتابیں پڑھتے ہو ماں باپ کا کیسا کچھ ادب لکھا ہے۔ لوگوں میں بھی اسکی ایک کہاوت مشہور ہے۔ باادب[5] بانصیب تمھارے باپ بےچارے نے تو ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھکو الہام ہوتا ہے یا مجھ پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔ بیٹا۔ اگر وحی نہیں ہے تو اسی علالت کا اثر ہے۔ ماں۔ تم باپ تک گئے ہوتے تو کبھی ایسا شبہہ نہ کرتے۔ یہ تمھاری نئی تجویز نہیں ہے۔ تم تو ابتدائے علالت سے باپ کو جنون اور سرسام[6] بتاتے ہو۔ لیکن۔ کیا مجنون کا یہی کام ہے کہ عاقبت تک کی آل اندیشی[7] کرے دیوانے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ آخرت تک کا انجام سوچیں۔ ایک مرتبہ ذرا کی ذرا چلکر ان کی باتیں سنو اور پھر ان کو مجنون سمجھو تو البتہ میں قائل ہو جاؤں گی۔ بیٹا۔ کیا میں بھی سلیم ہوں کہ ان کی باتوں میں آجاؤں گی۔ ماں۔ ہماری نظروں میں تو تم سلیم سے بھی چھوٹے ہو

---

[1] خاص عورتوں کو خطاب کرنے کا محاورہ ہے ۱۲ [2] بیماری ۱۲ [3] خدا کا حکم جو پیغمبر کو فرشتے کی معرفت یا اور طرح سے پہنچے ۱۲ [4] فہمیدہ نے طنز کی راہ سے کہا ۱۲ [5] جو بڑوں کا ادب کرتا ہے وہ خوش نصیب ہوتا ہے اس کا دوسرا ٹکڑا ہے بے ادب بے نصیب ۱۲ [6] ایک خطرناک بیماری ہے سر کو بخار سے چڑھکر حواس مختل ہو جاتے ہیں ۱۲ [7] عاقبت اندیشی ۱۲ خ

بیٹا - بس یہ مہربانی[1] نعیمہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ ماں - اگر مہربانی ہی مہربانی ہوتی تو شاید تم کو اس کے کہنے کی نوبت بھی نہ آتی - کیوں کہ مہربانی اسی کے ساتھ کی جاتی ہے جو اس کی قدر کرے اور مہربانی کرنیوالے کا احسان مانے - مجبوری تو یہی ہے کہ نری مہربانی نہیں ہے بلکہ اپنی گردن کا بوجھ اور اپنے سر کا فرض اتارنا ہے - بیٹا - یہ نیا مسئلہ ہے کہ بڈھے طوطوں[2] کو مار مار کر پڑھایا جائے - ماں تم نا اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہو - بیٹا - میں دودھ پیتا ہوا بے تمیز بچہ سہی لیکن میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے افعال سے تعرض کرے - میں اپنا برا بھلا آپ سمجھ سکتا ہوں - ماں - ماں باپ بھی اولاد کے بدخواہ نہیں ہوتے ہم لوگ بھی تمھاری ہی بہتری کے لیے کہتے ہیں - بیٹا - مجھکو اپنی بہتری منظور نہیں ہے - ماں - میں جانتی ہوں کہ یہ بات تم اس وقت ضد سے کہہ رہے ہو بھلا دنیا میں کوئی بھی ایسا ہے جو اپنی بہتری نہیں چاہتا - بیٹا - جب میں تمھاری مداخلت اپنے افعال میں نہیں جائز رکھتا تو تم بیٹھے بٹھائے مجھ کو چھیڑنے والی کون - ماں - میں تمھاری ماں و[3] تمھارے باپ - بیٹا - یہ بھی اچھی زبردستی ہے مانو[4] نہ مانو میں تیرا مہمان[5] - مجھ کو تمھارے ماں باپ ہونے سے انکار نہیں - گفتگو اس بات میں ہے کہ تم کو میرے افعال میں زبردستی دخل دینے کا استحقاق ہے یا نہیں - سو میں سمجھتا ہوں کہ نہیں ہے - تم کہتی ہو کہ ہم بمجبوری دخل دیتے ہیں اس واسطے کہ ماں باپ پر اولاد کا تعلیم کرنا فرض ہے - سو اول تو میں اس کو داخل تعلیم ہی نہیں سمجھتا اور مانا کہ داخل تعلیم ہو بھی تو میرے نزدیک صرف دس بارہ برس کی عمر تک اولاد محتاج تعلیم ہے اس کے بعد ماں باپ کو ان کے بارے میں کچھ دخل نہیں وہ اپنا نفع نقصان خود سمجھ سکتے ہیں - اگر یہی منظور تھا کہ میں بڑا ہو کر مسجد کا ملانا یا قبرستان[6] کا قرآن خوان یا لنگرخانہ خیراتی کا گدا ہوں تو شروع سے مجھکو ایسی ہی تعلیم کی ہوتی کہ اب تک بھلا کچھ نہیں تو میں دو چار حج بھی کر آیا ہوتا تجوید میں میری قرأت[7] کی دھوم ہوتی تراویح[8] میں میرے لحجہ قرآن خوانی کی شہرت کہیں مردہ مرتا جاتے نماز جنازے[9] کہیں قربانی ہوتی کھال میرا پاس آتی - صدقے کا میں آڑھتیا ہوتا زکوٰۃ کا ٹھیکہ دار ... ... دعوتوں کا

[1] یا سیاست کی طرف اشارہ ہے کہ فہمیدہ نے نعیمہ کو مارا تھا ۱۲ [2] یہ کہاوت ہے طوطا بڈھا ہوا تو نہیں پڑھتا ۱۲ [3] ... دشمن برا چاہنے والے ۱۲ [4] تم مانو یا نہ مانو اور کہو یا نہ کہو میں تمھارے گھر میں مہمان ہوں ۱۲ [5] لوگ مردوں کو ثواب پہنچانے کے لیے قبر پر قرآن پڑھوایا کرتے ہیں ۱۲ [6] قرآن کو ٹھیک ٹھیک پڑھنا اور حرفوں کو انکے درست مخرج سے نکالنا ۱۲ [7] رمضان میں نماز عشا کے بعد نفل ۱۲ [8] جس کپڑے پر کھڑے ہو کر امام نماز پڑھائے ۱۲

مستحق خیرات کا حقدار۔ نہ یہ کہ پڑھاؤ کچھ پوچھو کچھ۔ سکھاؤ اور چیز اور امتحان لو دوسری چیز میں۔
دنیا میں جیسے اور شریف معزز خاندانوں کے بیٹے ہیں اگر میں سب میں اچھا نہیں تو کسی سے برا بھی
نہیں۔ مشاعرے میں میری غزل ساتھ کے مشق کرنے والوں میں سب سے بڑھی چڑھی ہوتی ہے۔ شطرنج میں مرزا
شاہ رخ اور خیر بڑے کھیلنے والوں میں ہیں اور حق یہ ہے کہ اچھی طرح کھیلتے ہیں دوسرا اگر کوئی مجھکو مات
کر دے تو البتہ میں اس کی ٹانگ تلے سے نکل جاؤں۔ ہمارے محلے میں میاں تیر بادشاہی پیادوں
کے جمعدار بڑے شاطروں میں شمار ہوتے ہیں فرزین اٹھا کر ان کے ساتھ کھیلتا ہوں۔ گنجفہ اگرچہ میں کم
کھیلتا ہوں لیکن بیٹھ جاؤں تو ایسا بھی نہیں کہ کوئی صفو تا دری چڑھ جائے۔ اور قریب قریب یہی
حال تاش اور چوسر کا ہے۔ کبوتر جیسے آج ہماری چھتری کے دم دار ہیں شہر میں شاید دو چار جگہ اور ہونگے
پتنگ میں ایسا لڑاتا ہوں کہ ایک ڈھیلچے سے دو ٹھڈے کی کل ایک نہیں تو سیکڑوں کاٹی ہونگی
لکھنے سے میں عاری نہیں۔ پڑھنے سے میں عاجز نہیں میں نہیں جانتا کہ امیر زادوں کا وہ کونسا ہنر ہے جو مجھ کو
نہیں آتا۔ قسمت سے ناچار ہوں اے ذوق وگرنہ ۔ سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا
کل کی بات ہے کہ میری یہ حالت ہوتی تھی اور مجھ پر شاباش پڑتی تھی۔ اب فقط میں ایسا بے ہنر
ہو گیا ہوں کہ مجھے سیکھنے اور تعلیم پانے کی ضرورت ہے۔ مصرع ہائے ہم کیا تھے کیا ہو گئے کیا کیا ہو کر میرا
کوئی فعل ہے جو تم کو یا ابا جان کو معلوم نہیں۔ کیا ابا جان نے میری غزلیں نہیں سنیں۔ میں ان کے ہاتھ
کے صاف دیے ہوئے شعر دکھا سکتا ہوں۔ ابھی پورا ایک مہینا بھی نہیں گزرا کہ شطرنج کا ایک مشکل نقشہ
ابا جان نے کسی اخبار میں دیکھا تھا اس کو میں نے حل کیا۔ کبوتر اڑاتے تم نے نہیں دیکھے یا پتنگ کبھی
لڑاتے انھوں نے نہیں سنی۔ کبھی تم نے روکا یا انھوں نے ٹوکا۔ اب یہ نئی بات البتہ سننے میں آتی
ہے کہ نماز پڑھو۔ مسجد میں معتکف بن کر بیٹھو کھیلو مت۔ کسی یار آشنا سے ملو مت۔ بازار مت جاؤ۔
سیتے تم نے کہیں مت نکلو شہر پاک ہو۔ بھلا کوئی مجھ سے یہ باتیں ہونیوالی ہیں ع

لہ یعنی اونٹ شاہی پیادے [illegible] کے نیچے ہو کر نکلے ۔ لہ شطرنج کھیلتے میرا استاد ۔ لہ وزیر شطرنج میں سب
[illegible] اپنے پاس بیٹھے ہوں اور بیٹھ پڑیں۔ گنجفے میں [illegible] ایسا ہی ہوتا ہے ۔ لہ یاد وہ [illegible] تکان اڑانیوالا
[illegible] شطرنج [illegible] ہوتی [illegible] بالکل ٹھیک کی ایک قسم ہے جیسے گویا دو پتنگ اور بیچ میں چرخ
[illegible] سے مجبور ہوں ورنہ سب فن میں [illegible] قسمت اور ناچار اور طاق نہایت مناسب طور پر استعمال کیے ہیں
[illegible] استاد یا [illegible] کسی شعر کو پسند [illegible] کر دیا کرتا ہے جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ صحیح ہے ۱۲ ۔ لہ [illegible]
[illegible] کھیلنے سے بھی منع کرتے ہیں انکو اتفاق لیتے ہیں ۱۲

جو دل قمار خانے میں بت سے لگا چکے وہ کعبتین[1] چھوڑ کے کعبے کو جا چکے

ماں - میں سچ کہتی ہوں کہ جتنی باتیں تم نے کہیں تمہارے باپ جن کو تم مجنون اور مختل الحواس[2] اس تجویز کرتے ہو سب پہلے سے سمجھے ہوئے بیٹھے ہیں اور اُن کو معلوم ہو کہ تم سے اِن عادتوں کا ترک[3] ہونا دشوار ہو اور ابتدا میں تم کو تعلیم نہ کرنے کا تذکرہ کر کر کے اِس قدر حسرت کے ساتھ روتے ہیں کہ دیکھنے والا تاب[4] نہیں لا سکتا - غضب تو یہی ہو کہ تم اُن تک چلتے نہیں ورنہ تم کو معلوم ہو جاتا کہ باپ کے دل کی کیا کیفیت ہو - وہ خود قائل ہیں کہ اولاد کا کچھ قصور نہیں اِن کے بگاڑ کا وبال ان کی خرابی کا الزام سب میری گردن پر ہو - اپنے تئیں کوستے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اِن کا باپ تھا یا عدو[5] تھا کہ میں نے جان بوجھ کر اِن کا ستیاناس کیا دیدہ و دانستہ ان کو غارت کیا - اب کس منھ سے اِن کو سمجھاؤں اور کیونکر اِن سے آنکھیں ملاؤں - مگر پھر آپ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر میں نے اپنے فرض کے ادا کرنے میں اب تک کوتاہی کی تو کیا تلافی مافات[6] سے غافل رہنا ترک فرض سے کچھ کم ہو - ناچار اپنے مقدور بھر کوشش کروں گا مجبوراً حتی الوسع زحمت اُٹھاؤں گا - بیٹیا - خیر ایسا ہی فرض کا خیال ہو تو دوسرے بچوں کو اپنی رائے کے مطابق تعلیم کریں مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں - ماں - کیوں - کیا خدا نخواستہ[7] تم اولاد میں نہیں ہو - بیٹیا ہوں لیکن مجھ سے بھی آخر تمہ نہ چلے بس اُن کے ذمے سے فرض ساقط[8] ہو گیا - ماں - یہی حجت دوسرے بھی پیش کر سکتے ہیں - بیٹیا - جھک مارنیکی بات ہو - چھوٹوں کو ماننا چاہیئے - ماں کیا چھوٹے سدا چھوٹے رہیں گے - بیٹیا - بڑے ہوئے پیچھے بے شک اُنکو بھی آزادی ہونی چاہیئے - ماں گھر میں اگر کوئی انتظام کرنا منظور رہو تو جب تک چھوٹے بڑے سب اُسکی تعمیل نہ کریں وہ انتظام چل نہیں سکتا - بیٹیا - چلے یا نہ چلے بی بی میں تم سے صاف کہوں مجھ سے تو یہ نماز روزے کا کھڑاک[9] سنبھلنے والا نہیں - یہ سر حاضر ہو نعیمہ کیطرح چاہو مجھ کو بھی دو چار جوتیاں مار لو - ماں - آہی نماز کچھ ایسی مشکل ہو کہ جوتیاں کھانی قبول پر نماز پڑھنی منظور نہیں - بیٹیا - مجھ کو تو ایسی ہی مشکل معلوم ہوتی ہو - ماں - خیر تم میری اور باپ کی خاطر سے پڑھ لیا کرنا - بیٹیا - مجھ سے ہو ہی نہیں سکتی

---

[1] کعبتین جوئے کے پاسے - مطلب یہ کہ جواری جس کو جوئے کی لت ہو وہ کعبتین چھوڑ کے کعبے کو کیوں جانے لگا [2] جسکے ہوش درست نہ ہوں ۱۲ [3] چھوٹنا ۱۲ [4] برداشت نہیں کر سکتا ۱۲ [5] دشمن ۱۲ [6] جو چیز کرنے سے رہ گئی اُسکا بدل ۱۲ [7] خدا نہ کرے ۱۲ [8] اُتر گیا ۱۲ [9] بکھیڑا ۱۲

ماں۔ تو یوں کہو تم کو بات کے کہنے کی ضد ہی۔ بیٹا۔ جو کچھ سمجھو۔ ماں۔ بھلا پھر اس کا انجام کیا ہوگا۔ بیٹا
ہوگا کیا بہت کریں گے خفا ہونگے۔ دو چار دن میں سامنے نہ جاؤں گا آخر تم کہہ سنکر بات کو رفت[1] و گزشت
کرا ہی دوگی۔ کیوں بی اماں کرادو گی نا۔ ہماری اماں جان نہیں۔ ماں۔ اگر یہی انجام ہوتا تو میں تم سے
اتنا اصرار ہرگز نہ کرتی۔ بیٹا۔ پھر کیا مجھے پھانسی دلوا دیں گے مار ڈالیں گے کیا کریں گے۔ ماں۔ بھلا۔
بیٹا کوئی کسی کو مار سکتا ہی ایک ذرا سا ہاتھ لگنے پر تو نعیمہ نے یہ آفت توڑ رکھی ہی کہ اللہ پناہ دے جان سے
مارنا تو خدا کا گناہ اور حاکم کا جرم۔ بیٹا۔ شاید یہ کریں کہ گھر سے نکال دیں۔ ماں۔ شاید۔ تم تو بیٹے ہو
اُن کو اس بلا کا اہتمام ہی کہ اگر میں کبھی ان کی رائے کے خلاف کر دوں تو تیس[2] برس کا گھر خاک میں ملانے
کو تیار ہیں۔ بیٹا۔ شاید اسی ڈر کے مارے تم سب کے سب ان ہی کی سی کہنے لگے۔ ماں نہیں اسوقت تک
تو کسی کے ساتھ کسی طرح کی سختی کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ باتیں ہی وہ اس غضب کی کرتے ہیں کہ
گنجایش انکار باقی نہیں رہتی۔ لیکن ہاں جو تمھاری طرح کوئی کٹھ حجتی کرتا تو ضرور بگڑتے۔ بیٹا۔ میں اُن
کی خفگی سے تو خیر کسی قدر ڈرتا بھی تھا لیکن گھر سے نکلنے کی تو بندہ درگاہ ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ اور
گھر کی طمع سے جو نماز پڑھنے میں اُسکو بھی کچھ[3] کہتا ہوں۔ اپنے کھانے کپڑے پر گھمنڈ کرتے ہوں گے
میں اُن جیسے دس کو کھانا کپڑا دے سکتا ہوں۔ ماں۔ باپ بیچارے نے تو یہ بات کبھی منہ سے نہیں نکالی
تم اپنے دل سے جو چاہو سو کہو۔ بیٹا۔ نہیں۔ اُن کے اصرار سے معلوم ہوتا ہی کہ کھانے کپڑے کا ڈراوا
دکھا کر چاہتے ہیں کہ دین کا ٹوکرا زبردستی ہم لوگوں کے سر پر لا دیں۔ سو یہ دل سے دور رکھیں میں
خود گھر سے دل برداشتہ[4] ہو رہا ہوں۔ نہیں معلوم کیا سبب تھا کہ میں اب تک رہ گیا۔ اگر پہلے سے ذرا بھی
مجھکو معلوم ہوا ہوتا تو خدا کی قسم کبھی کا گھر سے ایسا گیا ہوتا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اور اب یکلینا
دیکھو[5] انہ را ہوئے بس ست۔ ماں۔ بیٹا۔ تم کیسی باتیں کرتے ہو باپ تک تم گئے نہیں نہ اپنی کہی نہ اُنکی سُنی
آپ ہی آپ تم نے ایک بات فرض کر لی اور اُس پر غصہ کرنے لگے۔ بیٹا۔ درست۔ چھیڑ چھاڑ میری
طرف سے شروع ہوئی یا اُن کیطرف سے۔ ماں۔ اپنی بہتری کی بات کو تم نے چھیڑ چھاڑ سمجھا! ورنہ اگر اُن
ہی کیطرف سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی سہی تو تم کو گھر سے ناراض ہونیکا کیا سبب۔ گھر میں تو میں بھی ہوں اللہ رکھے

[1] گئی گزری ہوئی ۱۲ [2] معلوم ہوتا ہی کہ فہمیدہ کے بیاہ کو اسوقت تیس برس ہوئے تھے ۱۲ [3] یعنی لعنت کرتا ہوں ۱۲
[4] میرا دل اُچاٹ ہو رہا ہی ۱۲ [5] بادلے آدمی کو اشارہ بس کرتا ہی ۱۲

تمھارے بھائی بہن نہیں ہیں ہم سب نے تمھارا کیا قصور کیا ہی۔ بیٹا۔ تم سب تو اُن ہی سے ملے ہوئے ہو اچھا اگر تم کو میرا پاس ہو تو میرا ساتھ دو۔ ماں۔ اگر تمھارے باپ کی زیادتی ہوتی تو بے شک میں تمھاری طرفداری کرتی۔ اِنسان وہ کام کرے کہ دس[۱] بھلے آدمیوں میں بات آ پڑے تو لوگ اُس کو الزام نہ دیں فرض کیا کہ تم اتنی ہی بات پر گھر سے خفا ہو کر چلے گئے تو لوگ تم ہی کو قصوروار ٹھہرائیں گے۔ بیٹا۔ لوگ میرے قاضی[۲] نہیں مفتی نہیں میں کسی کی رعیت نہیں۔ جب میں اپنے سگے باپ کے کہنے کی پروا نہیں کرتا تو لوگ پڑے بھونکا[۳] کریں۔ ماں۔ بیٹا دنیا میں رہکر تو ایسی آزادی نبھ نہیں سکتی۔ بیٹا۔ اجی ایسی نبھے کہ جسے کہتے ہیں[۴]

کیسا اسکو نباہتا ہوں ٭ اِن شاء اللہ دیکھئے گا

ماں۔ تو کیا تم گھر سے چلے جاؤ گے۔ بیٹا۔ کوئی مجھ کو روک بھی سکتا ہی۔[۵]

مانع[۶] دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں ٭ ایک چکر ہو مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

ماں۔ کیوں روکنے والی میں موجود بیٹھی ہوں۔ کیا میرا تم پر بھی حق نہیں یہ کہکر فہمیدہ کا دل بھر آیا۔ اور اُسپر رقّت طاری ہوئی۔ میں نے تمکو نو مہینے اِسی دن کے واسطے پیٹ میں رکھا تھا اور اِسی لئے تمھارے پالنے کی مصیبتیں اُٹھائی تھیں کہ جب بہار دیکھنے کے دن آئیں تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ کلیم! سچ کہتی ہوں ذرا جا دیکھو قیامت تک تو دودھ بخشنے[۷] ہی کی نہیں۔ بیٹا۔ مصرع این[۸] ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر + ماں۔ بھلا ایسے جانے میں کیا فلاح و برکت ہو گی کہ باپ کو نارضامند کر کے جاؤ اور ماں کو ناخوش اور بے وجہ اور بے سبب۔ بیٹا۔ خیر اب تو یہی دل پر ٹھنی ہی۔ مصرع سر جائے[۹] پہ درد سر نہ جائے + اور کچھ خاص کر یہی سبب نہیں مدتوں سے میرا دل گھر میں بیٹھے بیٹھے اُکتا گیا تھا اور ہمیشہ خیال آیا کرتا تھا کہ چلوں ذرا باہر کی بھی ہوا کھاؤں مصرع چل در میکدہ تک ہی حرکت[۱۰] میں برکت ہاں۔ گھر سے ناراض ہو کر جاؤ گے تو اچھا باپ دادے کا نام تمام شہر میں اُچھلے گا۔ بیٹا۔ جب باپ نے میرا پاس آبرو نہ کیا تو خاندان کی عزت رہے تو بلا سے اور جائے تو بلا سے۔ ماں۔ باپ دادوں کی عزت تو رہے یا جائے تم نے

[۱] ۹۱ وسلہ اسلام کی عملداری تھی تو قاضی اور مفتی شرع محمدی کے مطابق جھگڑے فیصل کیا کرتے تھے ۱۲ [۳] سگے کے ساتھ بھونکنا بہت مناسب واقع ہوا ہی ۱۲ [۵] کوئی تدبیر نہیں کہ مجھکو جنگل میں پڑے پھرنے سے روکے لوگوں نے میرے پاؤں میں جو زنجیر ڈالی ہو اُسکو بھی پاؤں کا چکر سمجھو اور پاؤں میں جو چکر کا نشان ہوتا ہی تو کہتے ہیں کہ اسکو ساری عمر سفر رہتا ہی ۱۲ [۷] عورتوں کا مسئلہ ہی کہ جبتک ماں اولاد کو اپنا دودھ نہ بخشے اُنکی نجات نہیں ۱۲ [۸] عاشقی میں جہاں اور غم ہیں یہ بھی سہی ۱۲ [۹] یعنی بلا سے سر جائے تو جائے مگر جو خیال ہی وہ کم نہ ہو ۱۲ [۱۰] یہ عربی کی مثل ہی فی الحرکت برکت شاعر کہتا ہی کہ شراب خانے کے دروازے تک چل کچھ نہ کچھ فائدہ ہی پہنچ رہیگا ۱۲

گھر سے باہر قدم رکھا اور تمہاری بات دو کوڑی کی ہوئی۔ یہی تمہارے دوست آشنا جو رات دن تمہاری للّو پتّو میں لگے رہتے ہیں سلام تک کے روادار تو ہونے ہی کے نہیں۔ ہمدردی اور غمگساری کا تو کیا ذکر ہے۔ بیٹا۔ گھر سے نکل کر کیا میں نے دلّی میں رہنے کی قسم کھائی ہے۔ مُلک خدا تنگ نیست۔ پائے گدا لنگ نیست۔ جدھر کو مُنہ اُٹھا چل کھڑے ہوئے۔ ماں۔ بھلا میں سنوں کہ تم نے کونسا ٹھکانا سوچا ہے بیٹا ۵ جب سیلدہ چھوٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید ہے مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو۔

ماں۔ بھلا پھر اس میں خوبی کیا نکلی کہ تم نے عیش چھوڑا۔ آرام چھوڑا۔ گھر چھوڑا۔ عزیز و اقارب چھوڑے اور ان سب کے بدلے ملا تو کیا ملا بدنامی کا خلعت رسوائی کا خطاب۔ مفلسی اور محتاجی کا انعام تکلیف و مصیبت کا پروانہ۔ تردّد و پریشانی کا فرمان۔ موٹی سی موٹی سمجھ اور چھوٹی سی چھوٹی عقل بھی اسکو جائز نہیں رکھتی۔ بیٹا عقل چہ گیتی ست کہ پیش مرداں بیاید۔ ماں۔ تم تو باپ کو باؤلا اور مجنون بتاتے تھے مگر باؤلوں کی سی باتیں دیوانوں کی سی حرکتیں تم خود کرتے ہو۔ دیکھو کہے دیتی ہوں بہت پچتاؤ گے بہت افسوس کرو گے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم میری بات مانو لیکن جسکو تم اپنے نزدیک معقول پسند اور دانشمند سمجھتے ہو اس سے پوچھو۔ صلاح لو مشورہ کرو۔ دیکھو تو کیا کہتا ہے۔ بیٹا۔ مصرع رائے اپنی صلاح ہے اپنی۔ ماں۔ بھلا اتنا تو تم سمجھو کہ میں جو تم سے اتنا اصرار کر رہی ہوں اور اتنی دیر سے تمہارے پیچھے سر کھپا رہی ہوں اس میں کچھ میرا نفع یا تمہارے باپ کا فائدہ ہے۔ اگر تم نیک بنو گے تو کچھ ہم کو بخشد و گے یا کوراہ چلو گے تو کچھ ہم سے چھین لو گے۔ مگر خدا نے یہ اولاد کی ماتما لعنت ایسی ہمارے پیچھے لگا دی ہے کہ جی نہیں مانتا اور دل صبر نہیں کرتا کہ تم کو بگڑتے دیکھیں اور نہ روکیں۔ تم خرابی کے لچھّن اختیار کرو اور ہم منع نہ کریں۔ ماں اور بیٹے میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ بیدارا اندر سے ایک خط لیے ہوئے نکلی اور وہ خط اُس نے لاکلیم کے ہاتھ دیا۔ رات کا وقت اور بیدارا کا اندر سے لیکر نکلنا فہمیدہ سمجھ گئی کہ ضرور کلیم کے باپ کا خط ہے جب تک کلیم خط پڑھتا رہا فہمیدہ چپ بیٹھی دیکھا کی۔ خط پڑھنے کے بعد کلیم چاہتا تھا کہ پھر وہی بات شروع کرے اتنے میں فہمیدہ نے پوچھا باپ نے کیا لکھا ہے۔ بیٹا۔ اُن کو تو جانتی ہو جس بات کے پیچھے پڑتے ہیں تو پہروں کی خبر لاتے ہیں۔ پھر بلایا ہے۔ ماں۔ صرف بلانے کا اتنا بڑا

---

۱ یعنی تم بیقدر ہو جاؤ گے ۱۲ ۲ خوش آمد ۱۲ ۳ دنیا میں جگہ کی کمی نہیں ہیں لنگڑا یا لولا نہیں ۱۲ ۴ جب تمہارا خانہ جہاں میں رہنا پسند کرنا تھا چھٹ گیا تو پھر مجھکو سب جگہ برابر ہے ۱۲ ۵ یا اس قسم کی اور چند باتیں آوارہ لوگوں نے بنا رکھی ہیں ۱۲ ۶ ... صحبتوں میں بولی جاتی ہیں۔ ان کو مستند مثل مت سمجھ لینا ۱۲ ۷ سر کھپا رہی ہوں بک رہی ہوں ۱۲ ۸ بدراہ ۱۲ ۹ محبت ۱۲

تمہاری خط ذرا ایں بھی دیکھوں فہمیدہ نے خط لیکر پڑھا تو اُس میں لکھا تھا (خط) اے جان پدر
اَرشدک اللہ تعالیٰ میں نے تم کو پہلے علیم اور پھر رسولن کے ہاتھ بلوایا اور تم نہ تو آئے اور نہ معذوری
و معذرت کہلا بھیجی جس سے ظاہر ہے کہ تم نے مجھکو ہیچ اور میرے حکم کو بے وقعت محض سمجھا۔ اگرچہ میرے نزدیک
دنیا کا ضروری سے ضروری کام بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ باپ بلائے اور بیٹا اُس کام کے حیلے سے
باپ کے پاس حاضر ہونے میں مکث کرے لیکن اگر کوئی ضرورت ایسی درپیش تھی کہ تم اس کو میری طلب پر
مقدم رکھنا چاہتے تھے تو اُس ضرورت کو مجھ پر ظاہر اور اپنی مجبوری سے مجھ کو مطمئن کرنا بھی تم پر لازم
تھا۔ نہ صرف اس نظر سے کہ میں تمہارا باپ ہوں اور تم میرے بیٹے بلکہ آداب تمدن اور اخلاق معاشرت
اسی طرح کے برتاؤ کے مقتضی ہیں۔ دنیا کا انتظام جس قاعدے اور دستور سے چلتا ہے تم اپنے تئیں
اُس سے بے خبر اور ناواقف نہیں کہہ سکتے۔ ہر گھر میں ایک مالک۔ ہر محلے میں ایک رئیس۔ ہر بازار
میں ایک چودھری۔ ہر شہر میں ایک حاکم۔ ہر ملک میں ایک پادشاہ۔ ہر فوج میں ایک سپہ سالار۔ ہر کام کا
ایک افسر۔ ہر فرقے کا ایک سرگروہ ہوتا ہے۔ الغرض ہر گھر میں ایک چھوٹی سی سلطنت ہے۔ اور جو شخص اُس
گھر میں بڑا بوڑھا ہے وہ اُس میں بمنزلہ بادشاہ کے ہے۔ اور گھر کے دوسرے لوگ بطور رعایا اُس کے محکوم ہیں اگر
ملک کی بدنظمی حاکم ملک کی غفلت اور بےعنوانی سے ہوتی ہے تو ضرور اِس گھر میں جو خرابی ہے اُسکا الزام مجھ پر ہے۔
اور میں نہایت ندامت اور حسرت کیساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ ابتک میں بہت ہی غافل بادشاہ اور بڑا ہی بےخبر حاکم رہا ہوں۔ میری
غفلت نے میرے ملک کو غارت اور میری سلطنت کو تباہ کر دیا میری بےخبری نے نہ صرف مجھکو ضعیف الاختیار بنایا بلکہ
رعیت کو بھی ایسا سقیم الحال کر دیا کہ اب اُنکے پنپنے کی امید نہیں جسطرح چھوٹے چھوٹے نواب اور رجواڑے
سلاطین وقت کے حضور میں اپنے ملکوں کی بدنظمی کیواسطے جوابدہی کیا کرتے ہیں اور اُنکو غفلت اور
بےعنوانی کی سزا ملتی ہے۔ واجد علیشاہ سے سلطنت منتزع ہوئی۔ والی ٹونک مسند حکومت سے اُتار دئے گئے
میں بھی بادشاہ دو جہاں کے حضور میں اپنے گھر کی خرابی کا جوابدہ ہوں۔ اور دوسروں کو سزا یاب
ہوتے دیکھکر اب مجھکو سچا اور پورا تنبہ ہوا ہے۔ اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آیندہ سے میری خانہ داری

---

۱ اے باپ کی جان تم کو خدا نیک ہدایت دے ۱۲ ۲ عذر ۱۲ ۳ ذلیل ۱۲ ۴ توقف۔ دیر ۱۲ ۵ مطلب ہے کہ میرے بلانے کو پیچھے ڈالکر اُس کام کو پہلے کرنا چاہتے تھے ۱۲ ۶ لوگوں میں ملجلکر رہنے کا ادب ۱۲ ۷ میل ملاپ کے قاعدے ۱۲ ۸ چاہتے ہیں ۱۲ ۹ بجائے ۱۲ ۱۰ بے طوری بے قاعدگی ۱۲ ۱۱ جس کے اختیارات بودے اور کمزور ہوں ۱۲ ۱۲ خستہ حال ۱۲ ۱۳ لکھنؤ کے بادشاہ تھے سلطنت سے اُتار دیے گئے مدتوں کلکتے میں نظربند رہے اب مر گئے ۱۲ ۱۴ چھین لیگئی ۱۲ ۱۵ آگہی ۱۲

ملک میں جتنے رخنے[1] ہیں بند۔ جتنے خلل ہیں مسدود۔ جتنے نقص ہیں پورے۔ جتنے سقم ہیں دفع کئے جائیں

بڑی خطرناک قباحت جو میں اپنے ملک خانہ داری میں پاتا ہوں یہ ہے کہ میں اور میری رعایا یعنی تم لوگ
شاہنشاہ[2] دوجہاں سے سرکشی و بغاوت پر آمادہ و کمربستہ ہو۔ اور خراج عبادت جو ہمکو وقت مقرر پر ادا کرنا
چاہیے بالکل باقی پڑا ہے خراج جو ہم پر عائد کیا گیا ہے میں دیکھتا ہوں تو نہایت ہی ہلکا اور نرم اور رعایتی ہے۔ اگر ہم چاہتے
تو کوئی قسط بھی باقی نہ رہتی اور جو مطالبہ شاہی تھا بے زحمت اپنے وقت پر خزانہ عامرہ سرکاری میں داخل ہو جایا کرتا
بایں ہمہ کوتاہی ہماری طرف سے ہوئی ظاہر ہے۔ اس نادہندی کی کوئی نامعقول تاویل بھی تو ہم نہیں کر سکتے۔ اب دو
حال سے خالی نہیں۔ یا تو پچھلا خراج تمام و کمال بے باق کریں اور اپنا قصور معاف کرائیں اور آئندہ کو عہد کریں کہ
کبھی باقی نہ رکھیں گے۔ یا بادشاہ کیساتھ لڑیں اور مقابلہ کریں اور ہو سکے تو اپنے تئیں اُسکے ربقۂ[3] اطاعت سے آزاد
کرلیں۔ شاہی قوت اور ہمارا ضعف[4] تو ظاہر ہے۔ بھلا ہماری تو کیا ہستی ہے فرعون[5] اور نمرود اور شداد اور ہامان
اور قارون کیسے کیسے جابر و مقتدر[6] ہو گزرے ہیں باغی ہوئے تو کسی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ پس سوائے
اطاعت و انقیاد[7] دوسرا چارہ نہیں۔ رعایائے ملک میں تم کو سرآوردہ[8] اور ممتاز سمجھ کر صلاح و مشورے کیلئے
بلایا تھا۔ تمھارے نہ آنے سے ثابت ہوا کہ تمکو سرکار کا ذرا سا بھی خوف نہیں۔ اب تک میں نے تشبیہ و
تمثیل میں تم سے گفتگو کی اور اس سے تمکو معلوم ہو جائیگا کہ کس مجبوری سے میں تمھارے معاملات میں
دخل دیتا اور تمھارے افعال سے تعرض کرتا ہوں۔ میرا دخل و تعرض بے شک تمکو دخل بیجا اور تعرض ناروا
معلوم ہوتا ہوگا۔ لیکن ذرا اپنی اور میری ذمہ داری کو انصاف کیساتھ موازنہ[9] کروگے تو سمجھ لوگے کہ
اسکو بیجا اور ناروا سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ جن شرطوں کا میں تمکو پابند کرنا چاہتا ہوں میں اپنے تئیں اور کسی کے تئیں
اُن سے مستثنے نہیں کرتا۔ پھر شکایت کیا اور گلہ کیوں۔ تم جیسے نوجوان آدمیوں کو مذہب کے بارے میں کبھی کبھی خدشات
بھی واقع ہوا کرتے ہیں اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں خدشے کا واقع ہونا دلیل جستجو ہے اور جستجو کا انجام ہے حصول۔
جوئندہ[10] یابندہ۔ اگر تم میں سے کوئی ایسا خدشہ پیش کرنا چاہے تو میں اُس کا جواب دینے کو موجود ہوں

[1] سوراخ ۱۲ [2] پہلے جملے کا ٹھیک ترجمہ ہے ۱۲ [3] مراد ہے خدائے تعالیٰ ۱۲ [4] فرمانبرداری کی رسّی جو گلے میں پڑی ہے ۱۲ [5] کمزوری ۱۲ [6] فرعون مصر کا بادشاہ تھا ہامان اسکا وزیر دونو کافر حضرت موسیٰؑ نے دونو کو ہلاک کیا۔ قارون حضرت موسےٰؑ کا رشتہ دار تھا حضرت موسےٰؑ کا کہنا نہ مانا گھربار سمیت زمین میں دھنس گیا۔ نمرود و شداد دو کافر بادشاہ تھے خدا سے منحرف۔ نمرود کو مچھر نے ہلاک کیا شداد نے بہشت کا جواب اُن میں یک باغ بنوایا اسمیں گھسنے نہ پایا کہ مرگیا ۱۲ [7] سخت گیر ۱۲ [8] مقدور والے ۱۲ [9] دسته فرمانبرداری ۱۲ [10] علاج ۱۲ [11] سب میں بڑے ۱۲ [12] مقابلہ ۱۲ [13] جو ڈھونڈھتا ہے پاتا ہے ۱۲

جہاں تک میں سمجھتا ہوں مذہب کے اصول ایسے سچے اور یقینی اور بدیہی اصول ہیں کہ ان میں رد و انکار کا دخل ہو ہی نہیں سکتا۔ چونکہ ابتدائے شعور سے اب تک ہم لوگ غفلت اور سستی اور بے پروائی اور خدا وند جل و علا شانہٗ کی مخالفت اور عدول حکمی اور نافرمانی میں زندگی بسر کرتے رہے اور گناہ اور خطا کاری کی عادتیں ہمارے دلوں میں راسخ ہو گئی ہیں البتہ میں جانتا ہوں اور مانتا ہوں کہ ایک مدت میں زنگ معصیت ہمارے سینوں سے دور ہو کر یہ آئینہ ایمان کی جلا سے منور ہوں گے لیکن بالفعل میرا مطلب اسی قدر تھا کہ ہر شخص مناسب حالت اپنا اپنا فکر کر چلے۔ جب میں اپنی اور تم سب کی پچھلی زندگی پر نظر کرتا ہوں تو اپنی بوٹیاں توڑ توڑ کر کھاتا ہوں۔ کیونکہ اس ساری خرابی کا بانی اور اس تمام تربدی کا موجد میں ہوں۔ اے کاش میرا اتنا ہی قصور ہوتا کہ میں اپنی ذات سے گنہگار قرار دیا جاتا نہیں۔ تم سب کے گناہوں میں میرا ساجھا اور تم سب کی خطاؤں میں میری شرکت ہے۔ میں خدا کا گنہگار الگ ہوں اور تمہارا قصوروار الگ لیکن افسوس کہ اس گناہ کا کفارہ اور اس قصور کی تلافی میرے اختیار سے خارج ہے ہاں مگر تم مجھ پر رحم کر کے اپنی اصلاح وضع کرو۔ کیا تمہاری سعادت مندی اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ تمہارے سبب قیامت میں میری رسوائی ہو۔ کیا تمہاری حمیت اس بات کو پسند کرتی ہے کہ تمہاری وجہ سے حشر کے دن میں خدا کے غضب میں پکڑا جاؤں۔ چونکہ تم میرے بڑے بیٹے ہو مجھ کو سب سے زیادہ تمہارا بھروسا تھا کہ تم اس مشکل میں میرا ساتھ دو گے۔ میری مدد کرو گے۔ نہ کہ تم نے ملنے سے بھی کنارہ کیا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میری آس ٹوٹ گئی۔ اور میرے ذہن مندوبے تمام بگڑ گئے اتنی بڑی مہم اور میں اکیلا۔ اتنا مشکل کام اور میں تنہا۔ تم جانتے ہو کہ تمہارا انحراف میرے انتظام میں کتنا خلل ڈالے گا۔ چھوٹے بڑے سب تمکو سند گردانیں گے۔ اور بات بات میں تمہارا حوالہ دیں گے اگر تم اسی مصلحت سے میرے شرائط کو قبول کر لیتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا۔ تم نے ابتدا ہی سے وہ سختی اختیار کی جس کی مجھ کو انجام میں بھی تم سے توقع نہ تھی۔ جتنی مشکلیں مجھ کو پیش آنے والی ہیں میں اُن سے بے خبر نہیں ہوں۔ اور اگر اس ارادے کا ترک کر دینا میرے اختیار میں ہوتا تو میں تم سے سچ کہتا ہوں میں اس بات کو منھ ہی سے نہ نکالتا لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ میں کوئی انوکھا آدمی نہیں ہوں۔ آخر مجھ کو ایک نہ ایک دن مرنا ہی

---

[1] کھلی ہوئی بات جس کے لیے دلیل کی ضرورت نہو ۱۲ [2] اسکی شان بزرگ اور بڑی ہے ۱۲ [3] جم گئی ہیں ۱۲ [4] نافرمانی ۱۲ [5] آئینے کو مانجنا کہ صاف ہو [6] دکھائی دینے لگے ۱۲ [7] یعنی مارے غصے کے ۱۲ [8] بنیاد ڈالنے والا ۱۲ [9] ایجاد کرنیوالا ۱۲ [10] گناہ کا اُتارا ۱۲ [11] غیرت ۱۲ [12] پھر بیٹھنا ۱۲ [13] نئی طرح کا ۱۲ +

ابھی جب میں نے ہیضہ کیا تو کیا مرنے میں کچھ باقی رہ گیا تھا۔ خدا کی قدرت تھی کہ اُس نے مجھ کو از سر نو پھر جلا دیا لیکن بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی۔

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت ❊ پھر آخر کو مرنا ہی حضرت سلامت

اور جس طرح مرنا یقینی ہی یہ بھی یقینی ہی کہ مجھ کو اپنے اعمال و افعال کے واسطے خدا کے حضور میں جواب دہی کرنی پڑے گی اور نہ صرف اپنے اعمال و افعال کے واسطے بلکہ تم سب کے اعمال و افعال کے واسطے بھی پس سوائے اس کے کہ میں اپنا اور تم سب کا طرز زندگی بدل دوں اَور کچھ چارہ نہیں۔ اگر تم میرے پاس آئے ہوتے۔ اور مجھ سے تم سے بات چیت ہوئی ہوتی تو میں تمھاری رائے دریافت کرکے ایک خاص طور پر تم سے گفتگو کرتا۔ اب مجھ کو معلوم نہیں کہ جتنی باتیں میں نے کہیں اُن میں کونسی تم کو تسلیم ہی اور کس سے تم کو انکار ہی۔ پس اب زیادہ لکھنا میں فضول و عبث سمجھتا ہوں۔ لیکن جو کچھ میرے ذہن میں تھا میں لکھ چکا ہیں تم سے اس کے جواب کا متقاضی نہیں اور اس کے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ میں اپنے تقاضے کا لاحاصل اور بے اثر ہونا دیکھ نہیں سکتا۔ دوسرے صرف ایک ہی جواب ہی کہ اس کو میں بطیب خاطر سن سکتا ہوں۔ وہ یہ کہ تم میری شرطوں کو منظور کرو ورنہ میں اپنے تئیں مواخذہ عاقبت سے بچانے کے لیے البتہ ان چند روزہ رشتوں کا پاس اور ان عارضی قرابتوں کی پروا نہیں کر سکتا۔ اور یہ میرے بارے درجے کی تدبیر ہی۔ اور میں خدا سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگتا ہوں کہ مجھکو اس کے اختیار کرنے کی ضرورت واقع نہ ہو والدعا۔ خط پڑھکر نعیمہ بیٹے سے کہنے لگی۔ دیکھا بیٹا۔ مصرع جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا۔ ماں کیا اب بھی تم کو باپ کی نسبت جنون کا احتمال ہی۔ بیٹا احتمال کیسا اب تو یقین کامل ہی۔ بقول شخصے مصرع دیوانہ گر نہیں ہی تو ہشیار بھی نہیں۔ اپنے تئیں بادشاہ سمجھنا جنون نہیں تو کیا ہی۔ ماں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ بیٹا کیوں آپ نے اِنَّا لِلّٰهِ کس بات پر کہا۔ ماں تمھاری اُلٹی سمجھ اور تمھاری بدقسمتی پر۔ بیٹا مصرع۔ بہتر وہی جو کچھ بدی ہی ماں تو کیا سچ مچ تم باپ کے پاس نہیں جاؤ گے۔ بیٹا اب تو میلہ نہ جانا اُن پر بھی ظاہر ہو گیا۔ پھر کیا ضرورت ہی کہ کل جیسی ہوئی دیکھی جائے گی۔ ماں۔ دیکھو پھر میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ رات کو اطمینان سے تم اس خط کے مطلب پر غور کرو تمھارے باپ نے کوئی بات بے جا نہیں لکھی۔ جو شخص اس خط کو دیکھے گا تم ہی کو قائل معقول کرے گا

۱ے نئے سر سے ۱۲ ۲ے خوشی سے ۱۲ ۳ے آخرت کی پکڑ ۱۲ ۴ے اور دعا۔ یہ لفظ چھوٹوں کے نام کے خط کے اخیر میں لکھ دیا کرتے ہیں ۱۲ ۵ے ہم خدا کے ہیں اور ہم اُسی کی طرف پھیر دیے جاتے ہیں۔ یہ افسوس کے مقام پر کہا جاتا ہی ۱۲ ۶ے جو قسمت کا لکھا ہی ۱۲ +

نعیمہ کی خالہ زاد بہن صالحہ نے اس کو آکر منایا۔ کھانا کھلایا اور (اسی کے ساتھ نعیمہ خالہ کے یہاں چلی گئی)

ابھی فہمیدہ یہ بات پوری بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ صالحہ کی ڈولی آپہونچی۔ اُترتے کے ساتھ خالہ سے پہلے یہی پوچھا کہو آپا[1] نے کچھ کھایا پیا یا نہیں۔ خالہ۔ کچھ بھی نہیں۔ صالحہ۔ ہیں کہاں۔ خالہ۔ درے[2] کے اندر کوٹھری میں۔ صالحہ۔ آخر بات کیا ہوئی تھی۔ خالہ۔ کیا علیم نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ صالحہ۔ اتنا ہی کہا کہ لڑائی ہولی ہی صبح سے کھانا نہیں کھایا۔ میں ہرچند پوچھتی رہی کچھ نہیں بتایا اور کہا کہ بھائی وہیں چل کر پوچھ لینا۔ تب خالہ نے شروع سے آخر تک سب ماجرا کہہ سنایا صالحہ بڑی دانشمند لڑکی تھی اور اگرچہ نعیمہ سے عمر میں کچھ چھوٹی تھی مگر دونوں میں بڑا ہی میل ملاپ تھا۔ صالحہ کو جو وقت پیش آنیوالی تھی اُس کو سوچ سمجھ کر اُس نے خالہ سے کہا کہ ان شاء اللہ آپا کو میں راضی کروں گی مگر میرے سوائے اُس مکان میں دوسرا آدمی کوئی نہ رہے۔ کیونکہ گھر میں جتنے آدمی ہیں آخر سب اس حال سے واقف ہیں۔ اِن میں سے کوئی سامنے جائے گا تو آپا کو ضرور حجاب[3] ہوگا بات صالحہ نے معقول سوچی تھی کیونکہ جب ایک مجمع میں کسی آدمی کی بے عزتی ہوتی ہے تو جو لوگ اُس کی تفضیح[4] دیکھ چکے ہیں وہ سب کو اپنا دشمن ٹھہرا لیتا ہے۔ شاید اس خیال سے کہ یہ سب کھڑے دیکھتے رہے اور انھوں نے میری کچھ مدد نہ کی۔ اور ان میں سے جب کوئی شخص سامنے آتا ہے تو اُس ستم رسیدہ[5] کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اِسی نے مجھ کو فضیحت کرایا تھا۔ پس ضرور اُس کے غصے کو ترقی اور اُس کے غضب کو زیادتی ہوتی ہے۔ اور بیچاری بیدارا نے جو ناحق ایک ولتی[6] کھائی تو اِسی وجہ سے۔ ورنہ اُس کا کیا قصور تھا۔ وہ ماں بیٹیوں کے بیچ میں کچھ بولی نہیں چالی نہیں۔ نہ کسی طرح کا دخل دیا۔ نہ کسی کی طرف داری کی۔ اور دخل دینے کی فرصت کس کو ملی۔ ماں بیٹیوں میں ایک بات پر ردّوکد[7] ہونی شروع ہوئی جیسے ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔ ماں نے دفعۃً بیٹی کو طمانچہ کھینچ مارا غرض بات کی بات میں تو تیاری۔ سامان۔ ارادے۔ چڑھائی۔ مارکٹائی۔ ہار جیت سب کچھ ہوگیا۔ کھڑے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہے۔ صالحہ نے جو اپنا انتظام خالہ کو سُنایا انھوں نے بھی پسند کیا

[1] مراد ہے نعیمہ ۱۲ [2] لفظی معنے پردہ [3] یہاں مراد ہے شرمندگی ۱۲ [4] رسوائی ۱۲ [5] مظلوم ۱۲ [6] تکرار ۱۲

اور سب لوگوں سے کہہ دیا کہ اُس قطعے میں کوئی نہ جائے۔ ہر ایک کو سونے بیٹھنے کا ٹھکانا بتا دیا۔ اور اپنے واسطے یہ تجویز کی کہ ہم گھر والے سب مردانے میں پردہ کرا کر سو رہیں گے۔ بلکہ صالحہ نے کہا بھی کہ آپ کوٹھے پر سوئیں۔ خالہ نے جواب دیا کہ ابھی مجھ کو اُن بڑے حضرت میاں کلیم کے ساتھ سر مارنا[1] ہے صالحہ۔ کیا اُن سے بھی لڑائی ہوئی ہے۔ خالہ۔ لڑائی کیسی اُن سے تو جُھٹم جُھٹّا ہو رہی ہے۔ صالحہ۔ کس بات پر۔ خالہ۔ بات تو اتنی ہی ہے کہ باپ نے اُن کو نماز روزے کے واسطے نصیحت کرنے کو اپنے پاس اوپر بلوایا یہ نہیں گئے۔ صالحہ۔ خالو جان نے بلوایا اور نہیں گئے۔ خالہ تم کو نہ جانے پر تعجب ہوتا ہے باتیں سنو تو حیران ہو جاؤ۔ باپ کو دیوانہ اور مجنون۔ نماز کو کھٹراگ۔ دین کے پیشواؤں کو مُلّانے قل اعوذیئے۔ مردہ شو۔ ٹکڑگدے۔ بھک منگے۔ صالحہ۔ کسی نے آپ سے غلط کہہ دیا ہوگا۔ خالہ میرے رو در رو۔ صالحہ۔ پھر کسی سے اُن کو سمجھوایا ہوتا۔ خالہ۔ ایک سمجھانا۔ علیم نے بہتیرا سر مارا میں شام سے اب تک کہتے کہتے تھک گئی۔ جن مصیبتوں سے آج کا دن کٹا ہے خدا ہی جانتا ہے۔ دانہ تک میرے یا حمیدہ کے منہ میں گیا ہو تو جس طرح کی چاہو قسم لے لو۔ اُس پر نعیمہ کا فکر۔ کلیم کا تردّد۔ اور سب سے بڑھ کر نعیمہ کے بچے کا سنبھالنا کہ آج اُس کو دن بھر روتے گزرا ہے۔ صالحہ آپ کھانا کھائیے۔ دوسرا وقت بھی ناوقت ہو گیا۔ یقین ہے کہ آپ کے کھاتے کھاتے میں آپا کیواسطے کھانا منگواتی ہوں۔ خالہ۔ میری کیا جلدی ہے میں کھا ہی لوں گی حمیدہ بے چاری کے صبر کو دیکھو کہ اُس نے کھانے کا نام بھی تو نہیں لیا۔ کل اسی وقت کا کھائے ہوئے ہے۔ خالی پیٹ میں دن بھر پانی انڈیلتی رہی ہے۔ میں نے ہر چند کہا۔ نہ مانا۔ آخر بھوکی سو رہی۔ صالحہ۔ کیا آپ حمیدہ پر بھی کچھ خفا ہوئی تھیں۔ خالہ مطلق نہیں۔ اُس نے بہن کے افسوس میں کھانا نہیں کھایا بہن کا وہ حال کہ بس چلے تو جان سے مار ڈالنے میں تامل نہیں۔ اور اس کی یہ کیفیت کہ بہن پر اپنا دم دیتی ہے۔ بھانجے کو اسقدر چاہتی ہے کہ رات کو بھی تو ساتھ لیکر سوتی ہے صالحہ۔ حمیدہ کو آپ جگائیے اور اطمینان سے آپ بھی کھانا کھائیے اور اُسکو بھی کھلائیے آپا کا اب کچھ فکر نہ کیجئے یہ کہکر صالحہ اندر مکان میں گھستے ہی پکاری۔ کیوں بی میری آپا کہاں ہیں گھر میں کوئی ہو تو جواب دے۔ سب سے پہلے باورچی خانے میں گئی۔ وہاں نہ دیکھا دالان میں آئی۔ وہاں بھی نہ پایا تو سہ درے میں ڈھونڈھتی پھری غرض تلاش کرتے کرتے آخر کار

[1] بکنا سمجھانا ۱۲

درے والی کوٹھری کے پاس آکر جھانکنے لگی جہاں نعیمہ تھی۔ نعیمہ دن بھر تو فرش پر پڑی رہی۔ مگر صالحہ کی آواز سنتے کے ساتھ جلدی سے اُٹھ منھ لپیٹ پلنگ پر جالیٹی اور دروازے کی طرف پیٹھ کرلی۔ صالحہ نے پہلے تو اَن جان بن کر پوچھا یہ پلنگ پر کون لیٹا ہے۔ پھر آپ ہی آپ کہنے لگی آہا آپا ہیں آئین اکیلی کوٹھری میں اور ایسے سویرے۔ اتنا کہا اور دوڑ کر نعیمہ سے لپٹ گئی۔ نعیمہ نے جب سے صالحہ کی آواز سُنی اُس کو ایک طرح کی حیرت تھی کہ سان نہ گمان دفعتًہ یہ کہاں آموجود ہوئیں۔ مگر یہ بات اُس کے ذہن میں کبھی نہیں گذری کہ بلوائی ہوئی آئی ہے۔ نعیمہ نے اُس وقت اپنے تئیں ایسا بنا لیا کہ گویا دیر سے پڑی سوتی ہے۔ اور بھاری سی آواز بنا کر بولی اے ہے بھائی ہم کو دق نہ کرو سونے دو۔ صالحہ اے بی آپا میں ہوں صالحہ اُٹھو منھ تو کھولو۔ ابھی سے کیوں سو رہیں۔ جی کیسا ہے۔ اگرچہ نعیمہ نے چاہا تھا کہ صالحہ پر اپنی کیفیت ظاہر نہ کرے مگر اُس نے ایسی ہمدردی سے پوچھا کہ نعیمہ ضبط نہ کر سکی اور رونے لگی اُس کو روتا دیکھ صالحہ نے اور اصرار سے پوچھنا شروع کیا۔ سر دکھتا ہے۔ پیٹ میں درد ہے۔ بچے کا جی کیسا ہے۔ سسرال والوں نے کچھ کہلا بھیجا ہے۔ گھر میں کسی سے لڑائی ہوئی ہے۔ صالحہ بہتیرا پوچھتی تھی مگر نعیمہ باتوں سے کو ڈھلکتی جاتی تھی اور کچھ جواب نہیں دیتی تھی۔ آخر صالحہ نے کہا۔ نہ بتاؤ تو مجھی کو کھاؤ۔ تب نعیمہ خفا ہو کر بولی چل مکّارہ مجھ سے باتیں بنانے آئی ہے کیا تجھ کو خبر نہیں۔ صالحہ۔ ابھی مولوی ہدایۃ اللہ صاحب کے وعظ سے اٹھی چلی آتی ہوں۔ یہاں آئی تو خالہ امّاں اور گھر والے سب مردانے مکان میں ہیں اتنا سنا کہ بڑے بھائی خفا ہو کر گھر سے جا رہے ہیں۔ مجھ کو تم سے ملنے کی جلدی تھی۔ خالہ امّاں کو سلام کر سیدھی اندر چلی آئی۔ یہاں آکر دیکھا نہ تو آدمی نہ آدمزاد تم کو سارے گھر میں ڈھونڈھتی پڑی پھری۔ نعیمہ۔ کیوں بڑے بھائی کس بات پر گھر سے نکل رہے ہیں۔ صالحہ۔ لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ خالو ابّا نے کہلا بھیجا ہے کہ نماز پڑھیں تو میرے گھر میں رہیں نہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ نعیمہ آگ لگے اس نماز کو۔ یہ کیا اب گھر میں کسی کو تھوڑا ہی رہنے دے گی یہ تو حمیدہ کے سوائے سبھی کو نکلوائے گی۔ صالحہ۔ تو کیا آپا تم بڑے بھائی ہی کے واسطے پڑی رو رہی تھیں۔ نعیمہ۔ مجھ کو تو بے چارے بڑے بھائی کی خبر بھی نہیں اُن سے پہلے میں آپ نکلنے کو بیٹھی ہوں۔ صالحہ۔ توبہ آپا تو بہ کیسی بدفال منہ سے نکالتی ہو کہ خدا پناہ میں رکھے۔ اللہ نہ کرے کہ کسی بھلے مانس شراف کی بہو بیٹی گھر سے نکلے۔ نعیمہ

سئلہ۔ یہ لفظ ایسا کثیر الاستعمال ہے کہ بہن کی جگہ بھی بولا کرتے ہیں ۱۲

جب سے اس نماز روزے کا چرچا ہمارے گھر میں ہوا ہی بھلمنساہت اور شرافت سب گئی گزری ہوئی اب آئی ہو تو دو چار دن رہ کر ہر ایک کا رنگ ڈھنگ دیکھنا۔ نہ وہ زمین رہی نہ وہ آسمان۔ گھر کا باوا آدم ہی کچھ بدل سا گیا ہی۔ نہ وہ ہنسی ہی۔ نہ وہ دل لگی ہی۔ نہ وہ چرچے ہیں۔ نہ وہ مذاق ہی۔ نہ وہ چہچہے ہیں گھر میں ایک اُداسی چھائی رہتی ہی۔ ورنہ ابھی ایک مہینے کا مذکور ہی کہ محلے کی عورتیں تمام تمام دن بھری رہا کرتی تھیں۔ کوئی گیت گا رہی ہی۔ کوئی کہانی کہہ رہی ہی۔ یہ ہمسائی اجو بہ کچھ اس طرح کی زندہ دل ہیں کہ ہر روز نئی نئی نقلیں کر کے سب کو ہنساتے ہنساتے لٹا لٹا دیتی تھیں۔ اب کوئی گھر میں آ کر تھوکتا بھی نہیں گھر ہی کہ کم بخت اکیلا پڑا بھائیں بھائیں کیا کرتا ہی۔ صالحہ۔ آخر اس کا سبب کیا۔ نعیمہ۔ سبب تمھاری خالہ جان اور حمیدہ کے ابا جان کی بدمزاجی کسیکو کیا غرض کیا مطلب کہ اپنے کام کاج کا حرج کرے اور پرائے گھر آ کر بیٹھے کیا لوگوں کے گھروں میں بیٹھنے کی جگہ نہیں۔ لوگوں کی خاطر داری ہوتی تھی محبت سے اُن کے ساتھ پیش آتی تھیں لوگ دوڑے آتے تھے۔ اب یہ حال ہی کہ ہر وقت مُنہ کُپّے کی طرح پھولا رہتا ہی۔ غیر آدمی کیوں برداشت کرنے لگے سب کے سب چلتے پھرتے نظر آئے ابا جان کے اچھے ہونے پر ڈومنیوں نے سیکڑوں ہی پھیرے کیے سبھی نے کہا۔ ہمسائی اجو بہ نے منتیں کیں۔ ہاتھ جوڑے۔ ایک نہ مانی آخر وہ رت جگا تو خاک بھی نہوا نگوڑے مسجد کے مُلّانوں کو بُلا کر کھلا دیا۔ اب تو بوا دن رات نماز کا وظیفہ ہی وہ دیکھو تخت پر ہر وقت نماز کا چیتھڑا بچھا رہتا ہی۔ وضو کا کھڑا کیا مجال کہ کسی وقت پاس سے الگ ہو جائے۔ کام کاج سے فارغ ہوئیں تو یا نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔ یا کتاب پڑھنے بیٹھ گئیں۔ ایک حمیدہ کٹنی اُن کو ایسی ملگئی ہی کہ اور اُن کو اکسایا کرتی ہی۔ میرا بس چلے تو کتیا کو ایسا ماروں کہ یاد کرے۔ صالحہ۔ ای ہی حمیدہ تو نگوڑی ایسی غریب اور بھولی لڑکی ہی کہ میں نے تو آج تک کوئی اُس کی شرارت کی بات دیکھی کیا سُنی بھی نہیں اور تم کو تو اتنا چاہتی ہی کہ کاہے کو کوئی بہن کسی بہن کو چاہے گی۔ رمضان کی بات مجھ کو اب تک نہیں بھولی تم کو تو یاد ہو گا کہ اخیر عشرے میں میں نے اسکو بلوا بھیجا تھا۔ گھر میں سبھی کو افطاری تقسیم ہوتی تھی۔ اُسکو بھی حصہ ملتا تھا۔ بچہ سمجھ کر ہر چیز میں سے کچھ کچھ زیادہ دے دیتے تھے

---

[1] یعنے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ گویا یہ لوگ حضرت آدم کی اولاد نہیں کوئی نئی طرح کے آدمی ہیں ۱۲ [2] تھوکنا حقارت کی وجہ سے ہوتا ہی یعنی یہ گھر لوگوں کی نظر میں ایسا ذلیل ہو گیا ہی کہ لوگ اب اسکو حقارت کے قابل بھی نہیں سمجھتے ۱۲ [3] ویرانی اور سناٹے کی آواز ۱۲ [4] جا نماز کو حقارت سے چیتھڑا کہا ۱۲ [5] وضو کرنے کی برتن کی خرابی ہی ۱۲ [6] اُبھارا ۱۲ [7] جس سے روزہ کھولا جاتا ہی ۱۲

مگر اُس کو منہ پر رکھنا قسم تھا۔ لوگ کھاتے اور یہ مُنہ دیکھتی۔ بہتیرا سمجھاتے کہ بھائی یہ کیا بُری عادت ہے چیز
ہوتے ساتھ تم نہیں کھاتیں۔ مگر یہ اللہ کی بندی چکھتی تک بھی تو نہیں تھی۔ پہلے مجھ کو خیال ہوا کہ
شاید خست[1] کی وجہ سے نہیں کھاتی۔ مگر میں نے پوچھا تو کہنے لگی آپا بغیر کوئی چیز میرے حلق سے نہیں
اُترتی۔ دیکھو دن بھر تمھارے لڑکے کو لیے رہتی ہے۔ اور لڑکے کو بھی کچھ ایسا آرام ملتا ہے کہ کیسا ہی پُھرکتا
ہو اُس کی گود میں گیا اور چُپ۔ اور تمھاری کیا خصوصیت ہے ہر ایک سے وہ اسی طرح محبت سے ملتی ہے
میں تو تم سے سچ کہوں مجھ کو تو بہت ہی پیار آتا ہے۔ جب آتی ہوں خوب بھینچ بھینچ کر کئی کئی دفعہ گلے
لگاتی ہوں۔ نعیمہ۔ جس کو دیکھتی ہوں حمیدہ ہی کا کلمہ[2] بھرتا ہے۔ اور میری یہ کیفیت ہے کہ اُسکو دیکھ دیکھ
کر میری آنکھوں میں خون[3] اُترتا ہے۔ صالحہ۔ اچھی کیوں۔ نعیمہ۔ مجھ کو اماں جان سے اسی نے بُرا
بنوایا۔ ورنہ آج تک مجھ کو اماں نے کبھی ہوں بھی تو نہیں کہا تھا۔ یا آج چھوٹتے کے ساتھ نہ بات
نہ چیت مجھ کو تھپڑ کھینچ مارا۔ خیر الٰہی حمیدہ بندی تجھ کو ان ہی ہاتھوں سے امّاں جان جوتیاں ماریں
تب میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے۔ اور جیسی تو آج کل سر چڑھی ہے ویسی ہی نظروں سے گرے تب
میرے دل کی مراد بر آئے۔ صالحہ۔ خالہ امّاں نے تم کو تھپڑ مارا یہ کب اور کیوں۔ نعیمہ۔ آج صبح ذرا کی
ذرا لڑکا حمیدہ کو دے کر میں ہاتھ مُنہ دھونے چلی گئی۔ تم کہتی ہو کہ بھانجے پر فدا ہے۔ لڑکے کو روتا ہوا
زمین میں پٹک دیا اُسکو تنا بھی تو ترس نہ آیا کہ ابھی پسلی[4] کے دُکھ سے مر مر کر بچا ہے یوں جو زمین میں بٹھائے
دیتی ہوں ایسا نہ ہو کہیں اس کو صبح کی ٹھنڈی ہوا لگ جائے اور پھر بیمار پڑے۔ بس اتنا قصور میرا
ضرور ہے کہ میں نے ہولے سے حمیدہ کو ہاتھ لگایا۔ ہاتھ کا لگانا تھا کہ وہ فیلمائی[5] دھڑام[6] سے تخت پر گر
پڑی۔ کہیں ذرا سی خراش[7] آ گئی۔ صالحہ۔ کیا کہوں مجھ کو تو یقین نہیں آتا کہ حمیدہ اور بھانجے کو
بے سبب روتا ہوا زمین میں بٹھا دے۔ اور خالہ جان حمیدہ کی طرف ہو کر تمکو ماریں۔ بھلا جاؤں خالہ جان
سے پوچھوں۔ نعیمہ۔ حمیدہ کے بہانے کا سبب میں بتاؤں۔ اُنکی نماز قضا ہوتی تھی۔ اور اُنکی امّاں جان
اس بات پر بگڑیں کہ میں نے نماز کو کیوں بُرا کہا۔ صالحہ۔ پھر تم نے نماز کو بُرا کہا تھا۔ نعیمہ۔ کہا تھا۔ اور اب کہتی ہوں
امّاں کو تو کچھ نہیں کہا۔ نماز کا بُرا کہنا اُن کو کیوں بُرا لگا۔ صالحہ۔ بھلا کوئی آدمی تمھارے ماں باپ کو بُرا کہے
تو تم کو بُرا لگے یا نہ لگے۔ نعیمہ۔ امّاں جان کو کوئی شوق سے بُرا کہے۔ مجھ کو ذرا تو بُرا لگنے ہی کا نہیں

[1] کنجوسی ۱۲ [2] محاورہ ہے مراد یہ ہے کہ حمیدہ کا معتقد ہے اُس کو اچھا سمجھتا ہے ۱۲ [3] غصے کے مارے ۱۲ [4] ام الصبیان۔ باؤ دھنا یا ۱۲
[5] مکار ۱۲ [6] گرنے کی آواز ۱۲ [7] کھرونچ ۱۲

صالحہ۔ آج یا سدا سے۔ نعیمہ۔ مسکرانے لگی اور بولی کمبخت بے حیا ہنسی کو دیکھو کہ خود بخود چلی آتی ہے۔ نہ بوا ایسی
باتیں ہم سے نہ کرو۔ صالحہ۔ کیا خوب۔ میں تمھارے ایسے غصے سے نہیں ڈرتی۔ بہت کرو گی خالہ جان
نے تم کو ایک طمانچہ مارا ہے تم مجھ کو ایک طمانچہ مار لینا۔ لیکن اماں باوا کا اتنا پاس نہیں تھا تو سسرال والوں
سے لڑیں کیوں۔ نعیمہ۔ بات بات میں ناحق کوئی بُرا کہا کرے تو جی جلے نہ جلے۔ صالحہ۔ میں کب کہتی ہوں کہ نہ جلے۔
لیکن خالہ جان نے نماز کا پاس کیا اور اُنکو تمھاری بات بُری لگی تو کیا بیجا ہوا۔ نعیمہ۔ تو کیا نماز اُن کی اماں ہے یا نانی
ہے۔ صالحہ۔ جن کو ایمان ہے اُن کو ماں سے بڑھ کر پیاری اور نانی سے زیادہ عزیز۔ نعیمہ۔ تو کیا میں تمھارے نزدیک
بے ایمان ہوں۔ صالحہ۔ آدمی ہی بے ایمان بھی ہوتے ہیں۔ جو بے ایمانوں کا کام کرے۔ وہ بے ایمان
میں ہوئی تو میں۔ اور تم ہوئیں تو تم۔ نعیمہ۔ دیکھو صالحہ خدا کی قسم ایسی باتوں پر لڑائی ہو جاوے گی۔ بے ایمان
تم ہو گی تمھارے رہنے سہنے بے ایمان ہوں گے۔ صالحہ۔ خدا کے فضل سے میں تو بے ایمان نہیں ہوں۔ مگر
رہتے سہتے کون ہوے تم۔ نعیمہ۔ بھلا ایمان سے کہنا تم نے کونسی میری بات بے ایمانوں کی سی دیکھی۔ صالحہ
ایمان سے مت کہلواؤ۔ نعیمہ۔ نہیں تمھیں خدا کی قسم۔ بھلا کوئی بات تو بتا دو۔ صالحہ۔ پھر بُرا تو نہیں مانوگی۔
نعیمہ۔ سچی بات میں بُرا ماننے کی کیا وجہ۔ صالحہ۔ سچ اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ تمھارے قول و فعل کوئی بھی
ایمانداروں کے سے نہیں۔ اور مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے تم خود ہی بتا دو کہ میں فلانا کام ایمان والوں کا سا
کرتی ہوں۔ کھانا۔ پینا۔ سونا۔ گھر کا کام دھندا۔ بچوں کا پالنا۔ یہ تو دنیا میں جو بھلے بُرے سبھی کیا کرتے ہیں۔ بھلا
ایک کام تو ایسا بتاؤ جس سے تمھارا ایماندار ہونا پہچانا جائے۔ نعیمہ۔ بھلا دنیا میں تمھارے نزدیک کوئی بھی
ایماندار ہے یا نہیں۔ صالحہ۔ کیوں نہیں۔ اللہ کے بندے سیکڑوں ہزاروں۔ نعیمہ۔ بھلا میں بھی کسی کا نام سنوں۔
صالحہ۔ دور کیوں جاؤ۔ یہ تمھاری ہی گلی میں ایک حضرت بی رہتی ہیں جنکے لڑکے بھائی علیم کے ساتھ مدرسے میں
پڑھنے جاتے ہیں۔ بس ایماندار اُن کو کہتے ہیں۔ دیکھو تو کیا نیک زندگی ہے۔ نعیمہ۔ میں تو انکو دن بھر سیتے ہی
دیکھتی ہوں۔ صالحہ۔ سچ ہے۔ مگر خدا کے واسطے غریب غربا کے لیے مفت اور امیروں کے مزدوری پر۔ لیکن جتنی
سلائی ہوتی ہے سب اللہ کے نام دے دیتی ہیں۔ ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کرتیں۔ یہ عمر اور کڑاکے کے
جاڑوں میں پہر رات رہے سے اُٹھ کر خدا کی عبادت۔ گھر میں نوکر نہ چاکر۔ اپنے ہاتھوں سارے گھر کا کام
کاج۔ اور اُس پر نماز کی یہ پابندی کہ نمازِ تہجد تک قضا نہیں ہونے پاتی۔ محلے میں کتنی لڑکیوں کو انھوں نے

۱؎ آدھی رات کے بعد کی نفل ۱۲

پڑھنا سکھایا۔ کتنیوں کو حیوان سے آدمی بنایا۔ اور حسبۃً للہ[1] بے غرض بے مطلب۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی کہ مسجد کے کوئی پندرہ بیس[2] مسافر دونو وقت روٹی پکوانے کو آٹا بھیج دیتے ہیں اپنے ہاتھوں سب کا آٹا گوندھنا پکانا گھر سے وال سالن جو کچھ وقت پر موجود ہوا دینا۔ اکثر ایسا ہوا ہی کہ سالن نہیں بچا آپ روکھی ہی روٹی کھا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بے چارے مسافر اکثر جوار باجرے کا آٹا لے آتے ہیں۔ وہ تو آپ رکھ لیتی ہیں۔ اور اپنے گھر سے اُن کو گیہوں کی روٹی بھیج دیتی ہیں۔ ایک دن باجرے کی روٹی وہ بھی روکھی بیٹھی کھا رہی تھیں۔ نوالہ حلق سے نہیں اُترتا تھا۔ ہر ہر لقمے کے بعد پانی پینے کی ضرورت ہوتی تھی۔ میں جو جا نکلی تو مجھ کو دیکھ کر کہنے لگیں بیٹا مجھ کو باجرے کی روٹی بہت ہی بھاتی ہی۔ کچھ ایسی سوندھی[3] اور میٹھی اور خستہ[4] ہوتی ہی کہ سبحان اللہ[5]۔ ایک طالب علم نے اُن سے گاڑھے کی مرزائی سلوائی۔ اور شاید وہ پہلا ہی کپڑا تھا کہ اُس بیچارے کو سلونے کا اتفاق ہوا۔ اس واسطے کہ جب وہ شخص کپڑا لے کر دروازے پر آیا تو حضرت بی صاحبہ نے اُس سے کہا کہ بیٹا اپنی پرانی مرزائی بھی بھیج دو کہ اُس کو دیکھ کر قطع کر لوں۔ تو اُس نے نہایت حسرت کے ساتھ کہا کہ مائی صاحب میرے پاس کوئی مرزائی نہیں ہی۔ حضرت بی صاحب۔ بیٹا مرزائی نہو تو انگرکھا ہی سہی۔ خیر کچھ اٹکل تو مل جائے گی۔ طالب علم۔ انگرکھا بھی نہیں۔ مجبور ہو کر پردے میں حضرت بی صاحب نے پوچھ لیا۔ کہ کمر کتنی ہی۔ چولی کتنی نیچی رہے گی آستین کس قدر لمبی ہوگی۔ اس طالب علم نے بتایا۔ لیکن دیکھا تو کپڑا کمی کرتا تھا۔ تب اُس طالبِ علم نے کہا کہ مائی صاحب جس طرح ہو سکے کھینچ تان کر اسی میں بنا دو۔ اور آج نمازِ جمعہ سے پہلے سی دو کہ الوداع[6] کا دن ہی۔ میں جامع مسجد میں پہن کر جاؤں گا۔ غرض مرزائی سی گئی۔ تو اُس کے بدن میں ٹھیک نہ آئی۔ وہ بیچارہ مایوس[7] ہو کر رو دیا۔ اور اُس نا اُمیدی میں حضرت بی صاحب پر اتنا خفا ہوا کہ شاید کوئی گھر کی لونڈی پر بھی نہیں ہوتا۔ اندھی۔ بے وقوف بے تمیز۔ پھوہڑ۔ بدسلیقہ۔ بے رحم۔ جو جو کچھ اُس کے منہ میں آیا بے دریغ کہہ ڈالا۔ باوجودے کہ گھر میں سب کو بُرا معلوم ہوا۔ لیکن حضرت بی صاحبہ روتی جاتی تھیں اور اُلٹی اُس کی استمالت[8] کرتی تھیں۔ بڑے نواسے کا نیا تہ در زرچکن کا کرتہ اس کو دیا۔ لیکن اُس نے دُور اٹھا کر پھینک دیا اور کہا

---

[1] خدا کے واسطے ۱۲ [2] ایک طرح کی ہلکی ہلکی خوشبو جیسی مٹی میں ہوتی ہی ۱۲ [3] بھر بھری ۱۲ [4] اللہ پاک ہی کسی چیز کی مدح کرنی ہوتی ہی تو سبحان اللہ کہہ لیا کرتے ہیں ۱۲ [5] رمضان کا اخیر جمعہ ۱۲ [6] نا اُمید ۱۲ [7] دلجوئی ۱۲

مجھ کو بدن کے ڈھکنے کے واسطے کپڑے کی ضرورت ہے یہ واہیات کپڑا پیرے کس کام کا ہے جس کو پہن کر آدمی ننگے کا ننگا۔ حضرت بی نے اپنے نواسوں کی تمام گٹھریاں کھول ڈالیں۔ خاصہ۔ تن زیب۔ ململ ڈھاکہ پاٹن۔ ڈوریہ۔ رینگ۔ شبنم۔ نینو۔ سینو۔ سوزن کار طرح طرح کے قیمتی خوش وضع اور طرحدار کپڑے انکو دکھائے اور ایک اُس کو پسند نہ ہوا کسی کو تو اُس نے کہا مردوں کے استعمال کے قابل نہیں کسی کی نسبت تجویز کیا کہ یہ متکبروں[۵] کی پوشاک ہے۔ آخر حضرت بی نے بازار سے کورا لٹھا منگوا نماز جمعہ سے پہلے اُس کی مرزائی تیار کی۔ تب وہ طالب علم مُلا حضرت بی کی طرح کوئی اپنا بیٹا[۹] ہو تب ایمان کا دعوٰے کرے۔ اب تم خود غور کر لو کہ دن رات میں تم ایمان داروں کے سے کتنے کام کرتی ہو۔
نعیمہ۔ ایک حضرت بی ایسی ہوئیں۔ بھلا کوئی دوسری عورت بھی اس مزاج کی شہر میں ہے۔ صالحہ چونکہ تم اس طرح کے لوگوں سے نفرت رکھتی ہو اس واسطے تم کو معلوم نہیں۔ ورنہ شہر میں بہتیرے خدا کے نیک بندے پڑے ہیں۔ کہاں تک اُن کے نام گنواؤں۔ ہے کیا کوئی کم کوئی زیادہ۔ ایک میری ہی اماں ہیں وہ بھی اپنے محلے کی حضرت بی ہیں۔ نعیمہ۔ دو چار آدمی اس طرح کے ہوے سہی میں تو اپنی ہی جیسی عورتیں اکثر دیکھتی ہوں۔ صالحہ۔ بے شک دنیا میں نیک کم ہیں۔ اور بُرے بہت۔ نعیمہ۔ میں جانتی ہوں عورتوں کے واسطے بہت نماز روزے کی کچھ ضرورت نہیں بس ان کی یہی عبادت ہے کہ گھر کا کام کاج دیکھیں بچوں کی خبر گیری کریں۔ اُن کو خانہ داری کے بکھیڑوں سے اتنی فرصت کہاں ملتی ہے کہ نمازیں پڑھا کریں۔ مرد البتہ نہ کھانے پکانے کا فکر نہ بچوں کا جھگڑا جتنی چاہیں عبادت کریں۔ صالحہ مردوں کو کمانے کا تھوڑا کام ہے کہ بے چارے دن دن بھر اُسی میں لگے رہتے ہیں۔ محلے کے وبکیوں کو دیکھو کہ منہ اندھیرے سے جو کھٹا کھٹ شروع کرتے ہیں تو آدھی آدھی رات تک کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی۔ پھر بھی جتنا خدا کا خیال مرد رکھتے ہیں عورتیں کمبخت اُس کا آدھا پاؤ بھی نہیں رکھتیں۔ نعیمہ۔ تم چاہے کچھ ہی کہو عورت مرد کی برابری تو ہرگز نہ ہوگی۔ ضرور اللہ میاں نے عورتوں کے حق میں کچھ نہ کچھ آسانی رکھی ہوگی۔ صالحہ۔ سبب۔ نعیمہ۔ بھلا کہیں نگوڑی عورتوں سے محنت ہو سکتی ہے۔ صالحہ۔ عبادت میں نہ چکی[۵] اُٹھانا ہے۔ نہ لکڑیاں ڈھونی ہیں کہ عورتیں کمزوری کا عذر اور نزاکت کا حیلہ پیش کریں۔ بلکہ ایک حساب سے تو عورتوں کو زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ کیونکہ اول تو عورتوں کو عبادت کی فرصت زیادہ ملتی ہے۔ دوسرے

---

۵ مغرور ۱۲ ۹ غرارہ تو عصہ ۱۲ ✣

خدا کی نعمتوں میں سے عورتیں زیادہ حصہ پاتی ہیں۔ کھانے پینے میں مرد عورت سب برابر کپڑے میں مرد بیچارے ایک حصہ تو عورتیں ویسے دس۔ نہ عورتوں کا ایک پائے جامہ نہ مردوں کا ایک برس کا سارا لباس۔ اور یوں بھی عورتوں کی پوشاک عموماً عمدہ اور بیش قیمت ہوتی ہے بہ نسبت مردوں کے بڑی رقم ہے زیور۔ عورتوں کو سونے کی کانٹن[1] میں قبر کھود کر گاڑ دو تب بھی بس نہیں۔ اور مرد بیچارے جو ثقہ[2] اور وضع دار ہیں چاندی کا چھلا تک بھی نہیں پہنتے۔ اِس پر بھی عورتیں عبادت میں کمی کریں تو اُن کی وہی کہاوت ہے کھانے کو بچّہ[3] اور کام کو ننّا بچّہ۔ نعیمہ۔ تم تو اچھی میری قسمت کی پیچ پچ مولوی صاحب بن کر آئیں۔ صالحہ۔ مولویوں کے درجے مولویوں کے ساتھ ہیں۔ میں بیچاری کس لائق ہوں۔ مولویوں کی جوتیوں کی برابری بھی نہیں کر سکتی۔ نعیمہ۔ افسوس ہے کہ تم ہماری امّاں کے یہاں پیدا نہ ہوئیں۔ صالحہ۔ افسوس کی کیا بات ہے۔ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں شکر کا مقام ہے۔ نعیمہ۔ کیوں۔ صالحہ۔ تم بتاؤ کہ تم نے کیا سمجھ کر افسوس کیا۔ نعیمہ۔ میں نے تو یہ سمجھ کر افسوس کیا کہ تم ہماری امّاں کے یہاں ہوئی ہوتیں تو دونوں کو اچھا تھا۔ ہماری امّاں اب تم ہی جیسی بیٹی ڈھونڈھتی ہیں اور تم بھی امیر گھر پاتیں تو کھانا کپڑا زیور نوکر سبھی طرح کی خوشی تھی۔ صالحہ۔ اگر اس خوشی کا یہی نتیجہ ہے کہ آدمی خدا کو بھول جائے تو میرے نزدیک یہ تمام فراغت دنیا کا جنجال اور آخرت کا وبال ہے۔ کون چار دن کی خوشی کے واسطے ہمیشہ ہمیشہ کی مصیبت مول لے۔ مجھ کو خدا کے فضل سے پیٹ بھر روٹی اور تن بدن ڈھانک لینے کو کپڑا۔ رہنے کو مکان۔ لیٹنے کو چارپائی۔ پینے کو پانی۔ دم لینے کو ہوا سب کچھ میسر ہے۔ میں نہیں جانتی کہ مجھ کو دنیا میں کوئی اور چیز بھی درکار ہے۔ سوائے اس کے کہ تم نے پتھر یعنی سونا چاندی مجھ سے زیادہ اپنے اوپر لاد لیے ہیں اور بوجھ کے صدمے سے کان تمھارے کٹے پڑتے ہیں۔ ناک تمھاری پھٹے[4] گئی ہے اور تو کوئی فرق میں تم میں اور اپنے میں نہیں پاتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ خدانخواستہ تم کو کھانے کی تکلیف ہے۔ مگر صورت تمھاری یہ ہے کہ بدن پر بوٹی نہیں ہاتھ پاؤں میں جان نہیں۔ ہر سال جلاب۔ ہر مہینے فصد۔ آئے دن دوا۔ مجھ کو دیکھو کہ خدا کے فضل سے تم سے دونی نہیں تو ڈیوڑھی میں شک بھی نہیں۔ ایک ہاتھ سے تمھارے دونوں ہاتھ پکڑ لوں تو بیوی صاحب سے ہلا بھی نہ جائے۔ نعیمہ۔ ہماری بھی امیری کا تمغا[5] ہے

---

[1] لوہا۔ سونا۔ چاندی وغیرہ جس جگہ سے نکلیں اُن کو کان کہتے ہیں ۱۲ [2] بھلے آدمی پرہیزگار ۱۲ [3] صحیح زچّہ ہے مگر بولتے میں بچّہ آتا ہے ۱۲ [4] سوراخ کے پھیل جانے کو پھٹے جانا کہتے ہیں ۱۲ [5] مراد ہے لازمہ۔ نشان ۱۲ +

لنگوڑے بھوکے جن کے پیٹ کو روٹی میسّر نہیں وہ کیا بیمار پڑیں گے۔ صالحہ۔ یہاں تمغے اور خلعت کا ذکر نہیں ہے تکلیف اور آرام میں گفتگو ہے۔ نعیمہ۔ جی تو خوش کر لو۔ لومڑی کو جب انگور نہیں ملتے تو وہ اُن کو کھٹا[1] کہا کرتی ہے۔ صالحہ۔ اپنی اپنی سمجھ ہی تو ہے۔ تم میرے تئیں جانتی ہو کہ یہ تکلیف میں ہی اور میں کہتی ہوں کہ تم ایسے عذاب میں مبتلا ہو کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ کھانے پینے کے عیش و آرام جو تم کو میسّر ہیں اُن کا نتیجہ تو یہ ہے کہ تم سدا کی دُکھیا اور ہمیشہ کی روگی بن رہی ہو۔ ہائے اللہ کچھ تم ہی اس کو پہن کر اپنے جی میں خوش ہوتی ہوگی۔ ابھی خالو جان یا بڑے بھائی آ جائیں تو سوائے اس کے کہ تم اُن کے سامنے سے ہٹ بیٹھو اور کیا تدبیر ہے۔ زیور جس کی زکوٰت نہ خیرات اس سے بیڑیاں بہتر۔ طوق اور ہتھکڑی سی اچھی۔ بڑی خوشی محبت اور میل ملاپ کی ہوتی ہے۔ اُس کا یہ حال ہے کہ تم ماں سے بُری۔ حمیدہ کی دشمن۔ ساس سُسروں سے بگاڑ۔ میاں سے ناموافقت۔ نوکر شاکی۔ لونڈیاں نالاں۔ اسی پر تم اپنے تئیں سمجھتی ہو کہ میں خوش ہوں۔ ابھی تم بڑی رو رہی تھیں یا ہنس رہی تھیں نعیمہ۔ سبحان اللہ[2] آپ بھی کیا آدمی ہیں۔ کیا گھروں میں کبھی لڑائی نہیں ہوا کرتی چار برتن پاس کھڑکتے ہیں تو وہ بھی کبھی نہ کبھی کھڑ کھڑا اُٹھتے ہیں۔ صالحہ۔ اگر ایسا ہی سمجھتیں تو اتنا بات کا بتنگڑ نہ بناتیں۔ نعیمہ میں نے کیا بات کا بتنگڑ بنایا۔ صالحہ۔ تم ہی اپنے دل میں سوچو۔ ماں کے ہاتھ لگانے پر یہ آفت۔ صبح سے اب تک آپ بھوکی مریں۔ سارے گھر کو بھوکا مارا۔ شاباش بوا شاباش۔ لڑو ماں سے اور روٹھو خدا سے۔ نعیمہ۔ پھر پھرا کر تم کو خدا کا تذکرہ کرنا ضرور۔ بھلا میں خدا سے کب روٹھی۔ صالحہ۔ رزق خدا کا یا ماں باپ کا۔ نعیمہ۔ اللہ ری علّامہ[3] دیکھو تو کیسی ایچ پیچ کی باتیں کرنی آتی ہیں۔ صالحہ۔ تم کو پیچ و تاب کی باتیں آتی ہیں تو مجھ کو ایچ پیچ کی۔ نعیمہ۔ غصّہ ہی تو ہے۔ صالحہ۔ اچھا غصّہ[4] ہے۔ باولا غیظ۔ دیوانہ غضب اِدھر بے جان پر اور اُدھر بے زبان پر۔ نعیمہ۔ بے جان اور بے زبان کیا۔ صالحہ۔ کھانا بے جان اور بے زبان تمھارا بچہ نادان۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کا بھی خوب کچلا[5] کیا۔ نعیمہ۔ کیا تو کسی کو کیا۔ اپنا بچہ۔ شوق سے مارا۔ خوشی سے کچلا کیا۔ صالحہ۔ تم اپنے بچے کو شوق سے مارو خوشی سے کچلا کرو پھر خالہ جان نے تم کو ایک تھپیڑ ہولے سے مار دیا تو کیا غضب ہوا جیسی تم اپنے بچے کی

۱؎ ایک کہانی ہے کہ ایک لومڑی نے پکے پکے انگور لٹکتے دیکھے اُن کے لیے بہتیرا اُچھلی اُن تک نہ پہنچ سکی تو اس نے یہ کہہ کر اپنی تسلی کر لی کہ انگور کھٹے ہیں ۱۲ ۲؎ یہاں تعجب کے لیے سبحان اللہ بولا گیا ہے ۱۲ ۳؎ چالاک عورت مگر اکثر بُری عورت کو کہا کرتے ہیں ۱۲ ۴؎ غصہ ۱۲ ۵؎ یعنی مار مار کر کچل ڈالا ۱۲

ماں وہ تمھاری ماں۔ نعیمہ۔ ماں ماں برابر لیکن بچہ بچہ برابر نہیں۔ صالحہ۔ لیکن تم دونوں زیادہ تر واجب الرعایت کون ہی۔ نعیمہ۔ میں۔ صالحہ۔ میں[1] تُسکے گلے پر چھری۔ کیا واجب الرعایت نکلی ہیں۔ ذرا مُنہ تو دھو رکھو۔ نعیمہ۔ یہ دیکھو بڑوں کے ساتھ بے ادبی۔ صالحہ۔ بڑوں نے کی تو چھوٹوں نے سیکھی۔ نعیمہ۔ اجی وہ کچھ بھی رعایت میرے ساتھ نہ کریں۔ اللہ مالک ہی۔ صالحہ۔ کیوں جھوٹ بولتی ہو۔ نعیمہ۔ بس سب کچھ کہنا جھوٹ نہ کہنا۔ اِس کی مجھ کو بڑی چڑ ہی۔ جو کوئی مجھ کو جھوٹی کہتا ہی تو میرے تن بدن میں آگ ہی تو پھُنک جاتی ہی۔ صالحہ۔ بھلا پھر تم اللہ کو مالک سمجھتی ہو جو کہتی ہو۔ نعیمہ۔ کوئی ایسا بھی بندہ بشر ہی جو اللہ کو مالک نہیں سمجھتا۔ صالحہ۔ اللہ کو مالک سمجھتیں تو ایسی بے جا بات بول اُٹھتیں جس پر خالہ جان خفا ہوئیں اور بجا خفا ہوئیں۔ نعیمہ۔ کیا میں نے جان بوجھکر تھوڑی ہی کہی تھی۔ مُنہ سے نکل گئی۔ صالحہ۔ لیکن کبھی خالہ جان کی شان میں تو ایسی بات تمھارے مُنہ سے نہیں نکلتی۔ بلکہ خالہ جان تو خیر شاید بڑے بھائی جان کو بھی ایسا سخت کلمہ کہو تو اُن کو کتنا بُرا لگے۔ کیا خدا کو بُرا نہ لگا ہوگا۔ یہ سُنکر نعیمہ کسی قدر ڈری اور اُس نے ہولے ہولے[2] اپنے کلوں پر طمانچے مارے۔ اور مُنہ سے بھی توبہ توبہ کہا۔ صالحہ۔ بس سمجھ لو کہ ایسا ہی ایک طمانچہ خالہ جان نے مارا سہی۔ نعیمہ۔ تو میں کیا کچھ کہتی ہوں یا میں نے کچھ کہا۔ صالحہ۔ اے کاش تم سب کچھ کہہ لیتیں اور یہ ستم نہ کرتیں۔ نعیمہ۔ کیا۔ صالحہ۔ سارے دن گھر بھر کو بھوکا مارا۔ بچہ تمام دن دودھ کو بھڑکا۔ بیدارا بے چاری وہ سہ دری میں پڑی ہائے ہائے کر رہی ہی۔ نہیں معلوم کہاں اُس کے بے موقع لات لگی ہی کہ اب تک اُس کا سانس پیٹ میں نہیں سمایا۔ اور پھر کہتی ہو کیا۔ نعیمہ۔ خیر پھر اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ صالحہ۔ ہو تو نہیں چکا۔ ہو رہا ہی۔ لوگ بھوکے بیٹھے ہیں۔ بچہ بھڑکے چلا جاتا ہی۔ نعیمہ۔ اچھی کچھ یہ بھی زبردستی ہی۔ ماروں اور رونے نہ دوں۔ صالحہ۔ تم کو اتنی بڑی ہو کر رونے کا نام لیتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ نعیمہ۔ جب مار کھانے کی غیرت نہ ہوئی تو رونے میں کیا شرم تھی۔ صالحہ۔ ماں ہوئی اُستانی ہوئی۔ اگر ان کی مار کھانا بےغیرتی ہی تو دنیا بے غیرت ہی۔ نعیمہ۔ تم کو ماریں ہوتی تو جانتیں کہ عزت کی بات ہی یا بے عزتی کی۔ صالحہ۔ اُستانی جی کی مار کی تو گنتی نہیں۔ اماں جان نے بھی مجھ کو کوئی بیسیوں ہی دفعہ مارا ہوگا۔ نعیمہ۔ اب بڑے ہوئے پر۔ صالحہ۔ اب میں کوئی بات ہی ایسی نہیں کرتی۔ کہ ان کے خلاف مزاج ہو۔ نعیمہ۔ میں نے بھی تو یہ سمجھ کر

---

[1] یہ کہاوت ہی کہ بکری میں بولتی ہی تو اُس کے گلے پر چھری پھیری جاتی ہی۔ [2] آہستہ آہستہ ۱۲

نہیں کہا تھا کہ امّاں جان کو اتنا بُرا لگے گا۔ نہ کبھی پہلے امّاں جان کو نماز روزے کا ایسا خیال ہوا جیسا اب ہے۔ صالحہ۔ لیکن جب تم کو خالہ جان کئی مرتبہ روک چکی تھیں تو تم کو اُن کی ممانعت کے خلاف پھر وہی بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ نعیمہ۔ کیوں جی خدا کو میری بات بُری لگتی تو جو کچھ ہونا تھا اُسی وقت ہو نہ چکتا۔ صالحہ۔ پہلے تو یہ بتاؤ کہ بات بے جا اور بُری تھی یا نہیں۔ نعیمہ۔ خیر بُری ہی سہی۔ صالحہ۔ سہی کیا معنے شدت سے بُری اور بے جا تھی۔ کہ تم اپنے بھائی تک کو ایسا کلمہ نہیں کہہ سکتیں۔ ایسی ہی باتوں کا نام کفر اور شرک ہے۔ مگر اُس سے کہ تم کو فوراً سزا نہیں ملی خوش نہیں ہونا چاہیے۔ خدا[1] کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ عجب کیا ہے کہ ایسے ہی باتوں کا وبال تم کو گھر میں نہیں بسنے دیتا۔ نعیمہ۔ امّاں مجھ کو تنہائی میں مار لیتیں تو مجھ کو اتنا رنج نہ ہوتا۔ صالحہ۔ سبحان اللہ خطا[2] بہ بازار و سزا در پسِ دیوار۔ نعیمہ۔ اچھا پھر اب تمھاری مرضی کیا ہے۔ صالحہ۔ مرضی یہ ہے کہ چل کر خالہ جان کے روبرو ہاتھ جوڑو۔ اُن کے پاؤں پڑو۔ اپنا قصور معاف کراؤ۔ کھانا آپ کھاؤ۔ دوسروں کو کھانے دو۔ بچے کو دودھ پلاؤ۔ حمیدہ کو بلا کر گلے لگاؤ۔ بیدار کی دل داری اور تشفی کرو۔ نعیمہ۔ لو اور سنو اُلٹا چور[3] کوتوال کو ڈانٹے۔ میں ہی پٹوں اور میں ہی ہاتھ بھی جوڑوں ہاں۔ اگر میرا قصور ہوتا بھی تاہم ہاتھ تو نیدی نے آج تک کسی کے آگے جوڑے اور نہ اب مجھ سے جوڑے جائیں۔ رہی حمیدہ تم کہتی ہو گلے لگاؤ میرا بس چلے تو اُس کو جیتا نہ چھوڑوں۔ اور کھانے کی جو تم نے کہی تو مجھ کو اب اس گھر کا نمک تک چکھنا حرام ہے۔ غرض جتنی باتیں تم نے کہیں سوچ کر ایسی ہی کہیں کہ ایک بھی مجھ سے شدنی نہیں۔ خیر تمھاری خاطر سے ننھے کو دودھ پلا دوں گی جاؤ کہیں لے آؤ۔ ورنہ ارادہ تو یہی تھا کہ اُس کا اور اپنا دونوں کا خون کروں۔ صالحہ۔ اللہ اکبر بی آپا میں نہیں جانتی تھی کہ تمھارا غصہ اس قدر غضب کا بجھا ہوا ہے۔ نعیمہ۔ میرا مزاج تو سدا سے اسی طرح کا ہے کہ مجھ سے کسی کی بات کی برداشت نہیں ہوتی۔ صالحہ اب تم سے زیادہ کہنا لاحاصل ہے۔ بس معلوم ہو گیا کہ تم اپنی خوشی کی ہو۔ نعیمہ۔ جو بات کرنے کی تھی وہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دی کہ ننھے کو دودھ پلا دوں گی۔ صالحہ۔ تمام دن تو تم کو بے آب و دانہ گزر گیا اور عمر بھر کے بدلے کا تم نے ایسا لمبا روزہ رکھا ہے کہ پہر رات گزری مگر افطار ہونے نہیں آیا اور نہ ابھی کچھ اُس کے افطار ہونے کی امید ہے تو وہ دودھ رہا کہاں ہوگا کہ تم ننھے کو پلاؤ گی

---

[1] خدا کسی پر عذاب نازل کرتا ہے تو اس طرح کہ اسکو خبر بھی نہ ہو اور عذاب آجائے ۱۲ [2] خطا بازار میں اور سزا پردے میں دیوار کے پیچھے ۱۲ [3] یہ کہاوت اس موقع پر بولتے ہیں کہ مجرم الٹا دوسرے کو ڈانٹے ۱۲

نعیمہ۔ رہے یا نہ رہے۔ مگر میں اس گھر کا کھانا کھاؤں تو حرام کھاؤں مُردار کھاؤں۔ صالحہ۔ پھر آخر کروگی کیا
یہ تو ممکن نہیں کہ بے کھائے گذر ہو۔ ایک ہی وقت میں دیکھو تمھارا کیا حال ہو گیا ہی۔ اب رات کو خالی پیٹ نیند
بھی تو نہیں آنے کی۔ نعیمہ۔ میں تو جانے کو تیار بیٹھی ہوں۔ تم نہ آجاتیں تو میں اب تک کبھی کی چلی بھی گئی
ہوتی۔ صالحہ۔ کہاں سسرال۔ نعیمہ۔ اگر میں سُسرال جاؤں تو گڑھے سے نکلوں اور کنویں میں گروں
صالحہ۔ پھر کہاں۔ نعیمہ۔ جہاں سینگ سمائیں۔ صالحہ۔ باؤلی ہوئی ہو کیسی باتیں کرتی ہو اگر خالو جان یہ بات
سُن پائیں نہیں معلوم کیا آفت برپا کریں اور گھر سے باہر قدم نکالنا تو بڑی بات ہی نعیمہ۔ تم کیا سمجھیں میں اس
ہمسائی کے یہاں جانے کو کہہ رہی ہوں۔ کیا یوں ہر روز میں ہمسائی کے گھر نہیں جاتی۔ صالحہ۔ وہ جانا آور ہی
اور گھر سے لڑ کر بے حکم پاؤں باہر نکالنا دوسری بات ہی خبردار ایسا لفظ بھول کر بھی مُنہ سے مت نکالنا نہیں معلوم
کیا سے کیا ہو جائے گا۔ اور خود ہمسائی جن کے بُرتے پر بھولی ہو تم کو اپنے دروازے کے اندر قدم تو رکھنے
دینے ہی کی نہیں۔ چاہو جا دیکھو۔ اور فرض کیا کہ تم یہاں سے نکلنے پائیں اور ہمسائی کی بھی ایسی
ہی شامت آئی ہی اور اُنھوں نے تم کو گھر میں آنے دیا تو اُن کو خود دو دو وقت کھانا میسّر نہیں
آتا تم کو کہاں سے کھلائیں گے۔ نعیمہ۔ نوج میں اُن کے یہاں کیوں کھانے لگی تھی۔ کیا میرے
پاس زیور نہیں۔ اب بھی پٹاری میں کچھ نہ ہوگا تو چالیس پچاس روپے نقد پڑے ہوں گے۔ صالحہ
گٹھکاؤں گلگلوں سے پرہیز۔ جن کا کھانا اُن ہی کا بنوایا ہوا زیور اُن ہی کے دیے ہوئے روپے۔ آن
تو جب جانیں کہ اُن کی چیز بھی صرف نہ کرو اور ہمسائی اول تو میں حیران ہوں تم کو بٹھائیں تو کہاں
بٹھائیں۔ کلھیا جتنا گھر اُس میں بھی ایک آپ ایک میاں تین بیٹے بہویں اُن کے بچے دو بیٹیاں
مہمان آئی ہوئی ہیں وہ۔ اُن کے گھر میں تل رکھنے کی جگہ تو ہی ہی نہیں۔ بے چاری آپ تو ڈیوڑھی
میں چارپائی بچھا کر سوتی ہیں تم کو رات کے وقت کہاں لٹائیں اور کہاں سُلائیں اور تم کو غیر
مردوں میں جاتے ہوئے شرم نہ آتی۔ اور پھر ہمسائی تم کو پناہ دیتی بھی تو خالہ جان ہی کا پاس
کرکے۔ غرض قربان جائیے تمھاری عقل کے تدبیر بھی سوچی تو اوندھی۔ علاج بھی تجویز کیا تو اُلٹا اس
سے تو بہتر تھا کہ تم اپنی سُسرال چلی جاتیں۔ نعیمہ۔ نہ سُسرال جاؤں نہ یہاں کھاؤں۔ صالحہ۔ تم کو
اختیار ہی جو چاہو سو کرو۔ لیکن لڑائی تمھارے کھانے پر ہوئی ہی۔ نعیمہ۔ کھانے پر تو لڑائی نہیں ہوئی

۱؎ بھروسے ۱۲ ۲؎ کماتے ہی ۱۲

لیکن میں اُن کے گھر نہ پڑی ہوتی تو مجال تھی کہ کوئی مجھ کو ہاتھ لگا لیتا۔ صالحہ۔ کرتی کیا۔ نعیمہ۔ برابر سے
میں بھی مارتی۔ صالحہ۔ بُرا مت ماننا یہی نیت ہے تو تم گھر میں بس بھی چکیں۔ ماں کا یہ وقر یہ ادب۔ مجھ کو
تو اگر میری اماں جان بے خطا بے قصور جوتیاں ہی جوتیاں ماریں تو ان شاء اللہ آنکھ بھی اُن کے سامنے
نہ کروں۔ اور دُنیا جہان کی بیٹیوں کا یہی قاعدہ یہی دستور ہے۔ تم ان کی بیٹی وہ تمھاری ماں کسی کو
تمھارے معاملے میں کیا دخل۔ مگر آپا جان دین تو گیا ہی گذرا ہوا۔ یہ چھن دنیا میں بھی خوش اور آباد رہنے
کے نہیں۔ اور خدا تم کو اتنی سمجھ دے کہ تم اِن ہی باتوں کو اپنی خانہ ویرانی کا سبب سمجھو۔ مجھ کو حیرت ہے کہ
کیوں کر یہ بات تمھارے دِل نے تسلیم کی کہ خالہ جان کو تمھارا رہنا ناگوار ہے اور اُنھوں نے اس وجہ
سے تمھارے ساتھ سختی کی کہ وہ تم کو اپنے پاس دیکھ نہیں سکتیں۔ بھلا دُنیا میں کوئی ماں بھی اس طرح
کی ہوگی۔ تمھاری خانہ ویرانی کا رنج تم سے زیادہ اُن کو ہے۔ ذرا اس کا مذکور آجاتا ہے تو اُن کے آنسو
نکل پڑتے ہیں اور حاضر غائب دعا کیا کرتی ہیں کہ الٰہی میری نعیمہ کو اُس کے گھر آباد کر۔ بھلا تم ہی انصاف
کرو کہ سوائے اس بات کے تم نے اُن کی کسی اور بات سے بھی اُن کا رُخ بدلا ہوا پایا۔ کھانے میں اُن کو یہ
اہتمام رہتا ہے کہ پہلے تم چکھ لو اور میں نے ہفتوں رہ کر دیکھا ہے کہ خالو جان اور بڑے بھائی تک
کو سادی چپاتیاں ملتی ہیں اور تمھارے دو پراٹھے انھوں نے ناغہ نہیں ہونے دیے۔ چار پیسے
روز کا سودا جو تمھارا سدا کا معمول ہے تم ہی بتاؤ کبھی نہیں بھی دیا۔ ایک دن حمیدہ نے ضد کی تھی اور
کہا تھا کہ میں بھی چار پیسے لوں گی تو جھڑک دیا کہ ہاں اب تو بڑی بہن کی برابری کرے گی۔ آٹھویں
دن کی مہندی مہینے کے مہینے چوڑیاں تم ہی بولو یہ دستور کبھی تھما ہوا ہے۔ کپڑے لوگ ایسے جہیز
میں بھی نہیں دیتے جو وہ تم کو گھر میں پہناتی ہیں۔ بھلا بے گوٹے کا دوپٹہ بے بیک کا پائجامہ کبھی تم کو
پہننا یاد ہے۔ تیل۔ عطر۔ پان۔ پھول۔ مہندی۔ سُرمہ مسّی۔ لاکھا۔ منجن۔ اُبٹنا۔ یہی عورتوں
کی ضرورت کی چیزیں ہیں سچ کہنا تم کو بھی ان میں سے کسی چیز کے مانگنے کی ضرورت ہوئی ہے۔
خدمت کو لونڈی جُدا۔ لڑکے کی کھلائی الگ۔ بلکہ سچ پوچھو تو کوار پتے سے کہیں زیادہ تمھاری
قدر ہوتی ہے۔ خالہ جان ایک دن تمھارے دوپٹے میں بیٹھی توئی ٹانک رہی تھیں اور
خالو جان کی قبا میں بند ٹانکنے تھے کچہری جانے کو دیر ہوتی تھی۔ اُس پر خالو جان نے
کہا بھی کہ لڑکی کا دوپٹہ رہنے دو پھر ہو رہے گا۔ پہلے میری قبا میں بند ٹانک دو۔

خالہ جان۔ واہ لڑکی سر کھوے بیٹھی ہو تم کو ایسی کیا جلدی ہو ابھی تو دھوپ بھی چبوترے سے نہیں اُتری
خالو جان۔ کیا سادہ دوپٹہ اوڑھنا منع ہو۔ خالہ جان۔ وہ بیچاری کیا کچھ کہتی ہو۔ خالو جان۔ تو تم اپنی ہی
طرف سے خیرخواہی کے اہتمام میں لگی رہتی ہو۔ خالہ جان۔ میں ہوں کس قابل مگر خیر جو کچھ ہو سکتا ہو
کیے جاتی ہوں۔ مجھ کو ہر وقت اس بات کا خیال لگا رہتا ہو کہ اس کا دِل ہو غم زدہ[1] ایسا نہ ہو
کسی چیز کو اس کی طبیعت چاہے اور یہ لحاظ کے مارے مُنہ سے نہ کہہ سکے اور ارمان جی کا جی
ہی میں رہ جائے۔ اگر خالہ جان کو خدا نخواستہ تمھارے ساتھ عداوت تھی تو خود کھانا کھا لیتیں
دشمن کا یہی کام ہو کہ فاقے میں ساتھ دے اور شریک مصیبت ہو۔ وہ حمیدہ جس کو تم کہتی ہو کہ پاؤں
تو مار مار کر پُرزے اُڑاؤں آج دن بھر اُس کو تمھارے واسطے روتے گزرا ہو۔ یہ عمر اور اتنا صبر کہ صبح
سے اب تک دانہ اُس کے مُنہ میں نہیں گیا۔ نگوڑی ایسی بے سُدھ[2] پڑی ہو کہ گویا جان
نہیں ان لوگوں کا وہ حال اور تمھاری یہ کیفیت۔ ایک ذرا سی بات میں تمھارا دِل اس قدر پھر گیا
کہ ساری نیکی برباد۔ کل سلوک اکارت۔ تمام احسان غارت۔ پھر بھلا تم سے کوئی کیا توقع رکھے
اور کس امید پر تم سے ملے۔ نعیمہ۔ بھائی یہ بات تو تمھاری واجبی ہو کہ ہمیشہ سے امّاں جان مجھ کو بہت
چاہتی ہیں۔ لیکن خدا جانے اُن کو کیا ہو گیا تھا کہ بے تحاشا[3] مار بیٹھیں۔ صالحہ۔ اچھا پھر یوں ہی سمجھو
کہ آدمی ہی تو ہیں۔ اُن ہی سے زیادتی ہو گئی سہی۔ لیکن کیا انصاف ہو کہ اس ایک زیادتی
کی وجہ سے اُن کی عمر بھر کی مہربانی اور شفقت اور عنایت اور رعایت اور دلسوزی[4] اور ہمدردی اور
خیرخواہی اور پرورش اور نفع رسانی[5] ایک دم سے سب پر پانی پھیر[6] دیا جائے۔ نعیمہ۔ مجھ کو رہ رہ کر
اُن کا چھپّر کھٹ یاد آتا ہو۔ صالحہ۔ اس واسطے کہ تم نے اُن کے حقوق بھلا رکھے ہیں۔ نعیمہ۔ کیا تم سے
اماں جان نے کہا ہو کہ سمجھا بجھا کر نعیمہ کو خطا بخشا کرانے کے لیے بلا لاؤ۔ صالحہ۔ اُن کو تمھاری خطا
معاف کرنے کی کیا ضرورت ہو نقصان تمھارا ہو یا اُن کا۔ اور شاید اُن کے دل میں یہ بات آئی
بھی ہو تو تمھارے مزاج کو دیکھ کر بھلا اُن کو یہ توقع ہو سکتی ہو کہ تم خطا کا اقرار اور معافی کی درخواست
کرو گی۔ نعیمہ۔ بھلا اور جو میں گئی اور اماں جان مُنھ سے نہ بولیں تو مجھ کو اَور شرمندگی ہو گی۔ صالحہ۔

---

[1] اس وجہ سے کہ روٹھ کر میاں کے پاس سے چلی آئی تھی پھر اُن لوگوں نے بلایا نہیں ۱۲ [2] بے ہوش ۱۲ [3] بے تامل ۱۲
[4] حد درجے کی محبت ۱۲ [5] فائدہ پہنچانا ۱۲ [6] ڈبو دیا جائے ۱۲ +

ممکن ہو کہ نہ بولیں کیونکہ تمھاری خطا معمولی طور کی خطا نہیں ہو مگر پھر وہ ماں ہیں اور ماں بھی کیسی ماں بچوں پر اور خصوصاً تم پر دل سے فدا۔ جان سے قربان۔ شاید تم کو کوٹھری سے نکلتا ہوا دیکھ کر عجب نہیں کہ دوڑ کر خود لپٹ جائیں اور تم کو مُنھ سے کہنے کی بھی نوبت نہ آئے۔ نعیمہ۔ جی تو چاہتا ہو کہ جاؤں چلی بھی جاؤں مگر شرم آتی ہو۔ بھلا کل پر رکھیں تو کیسا۔ صالحہ۔ تم کو خدا کا ترس نہیں آتا کہ سارا گھر فاقے سے ہو رات بھر میں تمھارا اور ان سب کا کیا حال ہوگا۔ نعیمہ۔ بھائی ہاتھ جوڑنے کو تو رہنے دو کھانا اپنے نام سے منگوا بھیجو۔ صالحہ۔ اجی مجھ سے کہو تو میں کھانے کو بھی رہنے دوں۔ بھوکی مروگی تم یا تمھاری ماں بہنیں مگر بے صفائی کھانے کا لطف نہیں۔ اِدھر تم افسردہ اُدھر وہ آزردہ۔ کھانا کیا خاک کھایا جائے گا۔ بس اتنی دیر کی بات ہو کہ تم کوٹھری کے باہر تک چلو۔ نعیمہ۔ بھائی بس زیادہ ہم کو دق مت کرو کھانا منگواؤ میں کھالوں گی۔ صالحہ۔ ہو تم اپنی ضد کی۔ کھانا کھاؤ گی تو کس پر احسان کرو گی۔ کوٹھری کے باہر تک چلو تو البتہ میں جانوں کہ تم کو میری خاطر عزیز تھی۔ نعیمہ۔ چلو بس مجھ کو بچوں کی طرح مت پھسلاؤ۔ یہ بھی تمھاری خاطر ہو کہ میں من گئی ورنہ نعیمہ ضدی ادھر کی دنیا اُدھر ہو جاتی ایک کی تو سنتی ہی نہیں۔ صالحہ۔ خاک من گئیں پتھرے من گئیں میں اس کو منا نا نہیں سمجھتی کیا کروں رات زیادہ گئی اور لوگ بھوک سے بدحواس ہیں ورنہ تم کو یہ دعوٰی ہو کہ میں کسی کی نہیں سنتی اور میرا عقیدہ یہ ہو کہ بات واجبی ہو تو کیا معنی کہ سننے والا اُس کو نہ تسلیم کرے۔ اور دیکھو میری اس وقت کی بات یاد رکھنا کہ تم کو خالہ جان کے آگے ہاتھ جوڑنے پڑیں گے۔ نعیمہ۔ خیر جب پڑیں گے تب جوڑ بھی لیں گے۔ اس کے بعد صالحہ کوٹھری سے نکل دوسرے قطعے میں خالہ کے پاس گئی بہت سے لوگ سو گئے تھے کچھ اونگھ رہے تھے۔ فہمیدہ اکیلی بیٹھی ہوئی دل ہی دل میں نہیں معلوم کیا باتیں کر رہی تھی کہ صالحہ جاتے کے ساتھ ہی بولی۔ لو خالہ جان مُبارک میرا اور آپا جان کا کھانا دیجیے۔ فہمیدہ۔ سُنتے کے ساتھ چونک سی پڑی اور کہنے لگی سچ کہو۔ بھانجی۔ آپ خود اُن کو کھاتے ہوے دیکھ لیں تب تو سہی۔ خالہ۔ بھائی تم نے تو کمال ہی کیا کیونکر منایا۔ کس طرح سمجھایا۔ مجھ کو تو اُمید نہ تھی کہ وہ کٹّی اِسے سیدھی ہوگی۔ اُس کا غصہ ہو خدا کی پناہ جیسے کسی کو جن چڑھتا ہو۔ نہیں معلوم تم نے کیا سحر کیا کہ ایسے بھوت کو اُتارا۔ ہم سب لوگ تو دن بھر ہلاک ہوے کوئی حکمت نہ چلی۔ کوئی تدبیر پیش رفت نہ ہوئی۔

۵۷ مراد ہو اُداس ۱۲

صالحہ۔ میں تو اُن کو یہاں آپ کے پاس لاتی اور آپ کے پاؤں پر اُن کا سر رکھواتی۔ لیکن کیا کروں رات زیادہ گئی اور لوگ بھوک سے بے تاب ہیں۔ خیر ان شاء اللہ بشرطِ خیریت پھر دیکھا جائے گا۔ لائیے کھانا نکالیے اور جاؤں حمیدہ کو بھی جگاؤں ہوشیار کروں کہ اس کا قوادر بھی بُرا حال ہوا ہوگا۔ فہمیدہ نے تو کھانا نکالا اور صالحہ نے جا حمیدہ کو اُٹھا بٹھایا۔ حمیدہ۔ سوتی کیا تھی ضعف و ناتوانی کی غفلت میں پڑی ہاتھ پاؤں توڑ رہی تھی۔ صالحہ کی آواز سنتے ہی آنکھ کھولنے سے پہلے کھڑی ہو گئی اور بڑی بہن کو سلام کیا۔ صالحہ نے پیار سے گلے لگا گود میں لے لیا اور کہا حمیدہ اس قدر سویرے تم سو رہا کرتی ہو۔ حمیدہ۔ اماں جان سے پوچھ لیتی ہوں اور جب وہ کہہ دیتی ہیں کہ ہاں وقت آگیا تو نمازِ عشا پڑھ کر سو رہتی ہوں۔ صالحہ۔ تم نے کچھ کھانے کو بھی کھایا۔ حمیدہ۔ شرمندہ ہو کر چپ ہو رہی۔ صالحہ۔ بھوک لگی ہے۔ حمیدہ نے اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ چلو ہم تم کھانا کھائیں۔ حمیدہ۔ ہماری امّاں جان نے کھانا کھایا۔ صالحہ اماں جان بھی تمھارے ساتھ کھائیں گی۔ حمیدہ۔ اور ہماری آپا جان۔ صالحہ۔ تم کو دنیا جہان سے کیا مطلب جس کو بھوک لگی ہوگی آپ کھائے گا۔ حمیدہ۔ لے ہے۔ آپا جان نہ کھائیں میں کھا لوں۔ اچھی خدا کے لیے تم کسی طرح آپا جان کو سمجھاؤ آج تمام دن اُنھوں نے کچھ نہیں کھایا ننھّا دودھ کے لیے پھڑک پھڑک کر آخر سو گیا۔ یہ کہہ کر حمیدہ رونے لگی تو صالحہ نے اُس کی تشفی کی کہ حمیدہ رو مت آپا بھی کھائیں گی۔ غرض کوئی ڈیڑھ پہر رات گئے سب نے کھانا کھایا۔ صالحہ اور نعیمہ نے ایک ساتھ کوٹھری میں۔ اور باقی سب لوگوں نے اپنے اپنے دستور کے مطابق۔ کھانے کے بعد سو رہے۔ مگر صالحہ اور نعیمہ میں کچھ گفتگو کھانے کے بعد بھی ہوئی۔ خود ہی نعیمہ بولی کیوں صاحب اب تو آپ خوش ہوئیں جو کچھ۔ تم نے کہا میں نے کیا۔ صالحہ۔ خوش تو میں تب ہی ہوتی کہ جب صفائی ہو گئی ہوتی۔ نعیمہ۔ اچھی اب بھی صفائی میں کیا کچھ باقی رہ گیا رفتہ رفتہ دس پانچ دنیں بول چال بھی ہونے لگے گی۔ صالحہ دس پانچ دن۔ نعیمہ اور کیا کل۔ صالحہ۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ تم نے خود کہا تھا کل پر رکھو۔ نعیمہ۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں کل بولنے بھی لگوں گی۔ صالحہ۔ تو خاک بھی صفائی نہیں ہوئی۔ نعیمہ۔ کھانا میں نے کھایا۔ اماں جان نے کھایا۔ حمیدہ نے کھایا۔ ننھّا دیکھو دودھ پی ہی رہا ہے اس سے بڑھ کر صفائی کیا ہوگی۔ صالحہ۔ خیر میری زبردستی سے تم سب نے ایک ایک دو دو نوالے کھا لیے میں اُس کو کھانا نہیں سمجھتی۔ دودھ پلانیوالی عورت بھلا کچھ نہ کھائے تب بھی چار چپاتیاں تو کھائے تم نے پاؤ ٹکڑا ابھی

نہیں کھایا۔ چاولوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ تمھارے سبب میں بھی بھوکی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں سمجھتی تھی کہ خیر صبح کو اس کی کسر نکل جائے گی سو تم نے ابھی سے امید توڑ دی۔ نعیمہ۔ سچ تو یہ ہو کہ اب اس گھر میں مجھ کو اپنا گذر ہوتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ اور اب میرا جی لگنا بھی مشکل ہو۔ صالحہ۔ کیوں۔ نعیمہ۔ میں نے تم سے کہا نہیں کہ یہاں تو ایک ایک مہینے پہلے سے ابّا کا مزاج امّاں کے تیور گھر کا رنگ ڈھنگ سب کچھ بدلا ہوا ہو۔ گو مجھ سے ابھی تک نماز روزے کا تذکرہ نہیں کیا لیکن بکری[سلہ] کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ جب بڑے بھائی تک نوبت پہونچ گئی تو بھلا میں بیچاری کس گنتی میں ہوں۔ وہ اللہ رکھے اول تو مرد۔ دوسرے سب میں بڑے۔ تیسرے خدا کے فضل سے چنداں اُن کے محتاج و دستِ نگر[سلہ] بھی نہیں۔ آج الگ ہو جائیں تو اُن کی پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں گئی۔ جس رجواڑے میں جا کھڑے ہوں گے اپنی شاعری کے ہنر سے مصاحب یا ناظم یا چکلہ دار ہو جائیں گے۔ میں بدنصیب ایک تو پردے کی بیٹھنے والی۔ دوسرے ایسا کوئی ایسا ہنر نہیں آتا کہ پیسے کا سہارا ہو اس روزِ بد کی کیا خبر تھی ورنہ آنکھوں دیکھتے دیکھتے ساتھ والی لڑکیاں کیسے کیسے کام سیکھ گئیں کہ ہنر کی بدولت گھر بیٹھی بادشاہت کر رہی ہیں۔ مجھ کو کہیں اپنا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ ماں باپ کے گھر ایسی پڑی ہوں جیسے گلی میں گیند۔ خدا واسطے کو کسی نے ٹکڑا ڈال دیا کھا لیا۔ ورنہ میرا کیا زور اور کون دعویٰ۔ ابا جان تو پہلے ہی سے کچھ واسطہ و سروکار نہیں رکھتے۔ لڑکیوں سے بولنے اور بات کرنے کی اُن کو عادت نہیں۔ اماں جان کا ایک سہارا تھا سو اُنھوں نے ایسی دست درازی شروع کی کہ اب خدا ہی اُن کے ہاتھ کو روکے گا تو رُکے گا۔ ورنہ چھوٹا تو ہو ہی۔ صالحہ۔ آپا تم اس قدر بے دل کیوں ہوتی ہو۔ کیا نماز کچھ ایسا بڑا مشکل کام ہو کہ اس کی وجہ سے یہ تمام وحشتیں تم کو پیش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ نعیمہ۔ تُو ابھی تو ہنسی دل لگی کی آدمی ہوں۔ بھلا مجھ سے یہ اونگھتی اُداس زندگی کاہے کو بھے گی۔ لڑائی تو خیر آج ہوئی ہو۔ میرا تو کئی دن سے جی گھبرا رہا تھا۔ صالحہ۔ پھر آخر تم نے تدبیر کیا سوچی ہو۔ نعیمہ۔ ایک بات میری سمجھ میں آتی ہو۔ وہ یہ کہ میں تمھارے یہاں چلی جاؤں۔ صالحہ۔ یہ سن کر چپکی ہوئی۔ اور دیر تک چپ رہی۔ تو نعیمہ بولی تم تو سن کر ایسی دم بخود ہوئیں کہ گویا میں سچ مچ تمھارے گھر جا رہی ہوں۔ ڈرو مت میں نے تو تمھاری محبت آزمانے

سلہ کہاوت ہو یعنی بکری آخر ایک نہ ایک دن ذبح ہو کر رہے گی ۱۲ سلہ ہاتھ دیکھنے والے اس سے بھی مراد محتاج ہو ۱۲

کے لیے ایک بات کہی۔ ورنہ میں نہ کہیں آؤں نہ جاؤں۔ یہ تو کیا اس سے بھی زیادہ مصیبت ہو تو میں دوسرے کا احسان نہ اُٹھاؤں۔ صالحہ۔ یہ تو تم نے کوئی نرالی ادا سیکھی ہے۔ چھیڑ چھاڑ کر لڑنا۔ گھر جیسے میرا ویسے تمھارا۔ جن کا گھر ہے میں ان کی بیٹی اور تم بیٹیوں سے بڑھ کر۔ جاؤ گی تو اپنے خالہ کے گھر جاؤ گی اور احسان اُٹھاؤ گی تو اپنی خالہ کا اُٹھاؤ گی۔ میں تم کو لے جانے والی یا منع کرنیوالی کون۔ نعیمہ اچھا تو میں پوچھتی ہوں اگر میں چلی جاؤں تو خالہ جان کیا کہیں گی۔ صالحہ۔ جو میں کہتی ہوں۔ جو تمھاری امّاں کہتی ہیں وہی خالہ جان کہیں گی وہی ہر شخص کہے گا جو سُنے گا۔ کیا خالہ جان دنیا جہان سے باہر یا انوکھی ہیں۔ نعیمہ۔ اجی گھر سے تو نہ نکال دیں گی۔ صالحہ۔ یہاں تم کو کوئی گھر سے نکال رہا ہے جو وہاں سے خدانخواستہ نکال دے گا آیا نہیں معلوم تم اب کیسی باتیں کرنے لگی ہو۔ ایک امّاں سے کیا لڑیں سارے کنبے کو دشمن ٹھہرالیا۔ نعیمہ۔ لیکن خالہ جان بے چاری غریب آدمی ہیں کہاں سے میرا خرچ اُٹھائیں گی۔ صالحہ۔ اب ایسی بھی گئی گذری ہوئی نہیں ہیں کہ مہینے بیس دن تم کو نہیں رکھ سکتیں۔ نعیمہ۔ مہینا بیس دن کیسا۔ میں تو ساری عمر کے لیے جاتی ہوں۔ صالحہ خدا نہ کرے کہ تم ساری عمر خالہ کے یہاں پڑی رہو۔ اللہ تم کو اپنے گھر آباد کرے اور تمھاری ماں کا کلیجہ[1] تم سے ٹھنڈا ہو۔ نعیمہ۔ میں بھی یہی سوچ کر جاتی ہوں کہ چند روز وہاں رہوں گی تو امّاں جان کو بھی لڑائی جھگڑے کی باتیں بھول بسر جائیں گی پھر بلوا بھیجیں گی تو چلی آؤں گی۔ صالحہ۔ میرے نزدیک بھی جانے میں کچھ قباحت نہیں۔ مگر اپنی امّاں جان سے اجازت لے لو۔ نعیمہ۔ کیوں کر پوچھوں۔ صالحہ۔ یہ بھی کوئی بڑا مشکل کام ہے۔ ابھی اُن کے پاس چلی جاؤ اور جا کر کہو کہ میں خالہ جان کے یہاں جاتی ہوں وہ کہدیں گی اچھا نعیمہ۔ سچ کہنا کہیں چلی نہ جاؤں۔ اتنا کام تم نہیں کر دیتیں۔ صالحہ۔ نہیں میں نہیں کرتی۔ نعیمہ ہماری بہن نہیں۔ صالحہ۔ نہیں میں بہن بھی نہیں بنتی۔ بیوی صاحب کو اتنا سمجھایا اتنا سمجھایا خاک بھی اثر نہ ہوا۔ نعیمہ۔ نوج کوئی ایسا بے مروّت ہو۔ صالحہ تم سے بھی بڑھ کر۔ نعیمہ۔ اچھی میری بہن صالحہ۔ خیر میں پوچھ دوں گی۔ لیکن کیا تم خالہ جان سے رخصت ہو کر نہ چلو گی اور چلتے وقت اُن سے نہ ملو گی۔ نعیمہ اُس وقت جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔ صالحہ۔ سُنو بوا اگر تمھارے دل میں غبار ہو تو پہلے سے کہدو ایسا نہو میں پوچھنے جاؤں اور تم بے ملے چل دو تو ناحق مجھکو شرمندگی ہو۔ نعیمہ نہیں میں نے تمھارے چھیڑنے کو

[1] یعنی اُن کو تمھارے اپنے گھر بسنے کی خوشی ہو۔ ۱۲

کہا تھا۔ بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہو کہ چلتے وقت میں اماں جان سے نہ ملوں۔ تو جاؤ پوچھ آؤ۔ صالحہ۔ اس وقت رات زیادہ گئی ہو۔ آخر صبح کی نماز میں خالہ جان کے ساتھ پڑھوں گی اُسی وقت پوچھ دوں گی نعیمہ۔ اچھا پھر ڈولیوں کو تو اوڑے پر اسی وقت کہلا بھیجو۔ ورنہ شاید وقت پر نہ ملیں۔ صالحہ۔ نہ ملیں گی تو ہمارے محلے سے آجائیں گی۔ نعیمہ۔ اس میں دیر ہو گی۔ صالحہ۔ کیا شادی میں جا رہے ہیں کہ دیر ہو گی تو دُلہن رخصت ہو جائے گی۔ نعیمہ۔ نہیں۔ چلنا ہو تو بس مُنہ اندھیرے چل دیں۔ ننھا ڈولی میں ڈرتا ہی۔ صالحہ۔ خیر اسی وقت کہلا دیا جائے گا۔ اس کے بعد نعیمہ اور صالحہ دونوں سو رہیں ابھی تارے چھٹکے ہوے تھے کہ صالحہ اپنے معمول پر نماز صبح کے واسطے اُٹھی اور نعیمہ اس وقت غفلت کی نیند میں پڑی سو رہی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر صالحہ خالہ کے پاس جا کر کھڑی ہوئی اور کہا کہ بس خالہ جان اب میں جاؤں گی۔ خالہ آیں ایسی جلدی ہی ع تم آگ لینے آئیں تھیں کیا آئیں کیا چلیں۔ صالحہ۔ دس پندرہ دن بعد پھر آجاؤں گی۔ خالہ۔ ذرا نعیمہ کے مزاج کو ٹھکانے لگنے دیا ہوتا۔ صالحہ۔ وہ بھی تو میرے ساتھ جانے کو کہتی ہیں۔ خالہ۔ سچ کہو۔ صالحہ۔ مجھ سے کہہ بھی دیا ہی کہ تم پوچھ لو۔ خالہ۔ اُسی کی مرضی ہو یا تم نے صلاح دی ہو۔ صالحہ خود اُن ہی کی مرضی ہو۔ خالہ۔ بھلا کچھ یہ بھی کہتی تھیں کتنے دن کے واسطے۔ صالحہ۔ دنوں کی تعیین تو مجھ سے نہیں بیان کی۔ خالہ۔ خیر اُس نے دنوں کی تعیین نہیں کی تو میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ آٹھ دن سے زیادہ مدت رکھنا۔ ہماری بہن بے چاری غریب آدمی ہیں اُن کو تکلیف ہو گی۔ صالحہ۔ اب جب اُن کا جی چاہے۔ خالہ۔ تم لیے تو جاتی ہو مگر اتنا تو کرنا کہ اسکو بھی نیک ہدایت دینا صالحہ۔ جہانتک مجھ سے ہو سکے گا سمجھاؤں گی اور اُن کو مولویوں کے وعظ سنواؤں گی۔ خدا کی ذات سے امید تو ہی کہ ضرور اثر ہو گا۔ اس کے بعد صالحہ نے گھر کے نوکروں سے پوچھا کہ ڈولیوں کے واسطے رات کو ہو کہلا بھیجا تھا آئیں یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ڈولیاں توپ سے پہلے کی دروازے پر لگی ہوئی ہیں تب صالحہ کوٹھری کی طرف چلی۔ اس غرض سے کہ نعیمہ کو جگائے اور اجازت کی خوشخبری سُنائے۔ دیکھا تو نعیمہ پلنگ پر نہیں۔ سمجھی کہ دوسرے قطعے میں بچے کا ہاتھ مُنہ دُھلاتی ہوں گی۔ مگر وہاں بھی نعیمہ کو نہ پایا۔ معلوم ہوا کہ جب صالحہ خالہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی نعیمہ چپکے سے اُٹھ بچے کو لے گھر کی راہ ہو کر

---

۵ کہاوت ہی ۱۲ +

ڈیوڑھی میں جا سوار ہو بے رخصت ہوے چل دیں۔ اب یہ کیا موقع تھا کہ ڈولی واپس منگائی جائے۔ ناچار صالحہ اکیلی خالہ کو سلام رخصت کرنے گئی۔ تو خالہ نے کہا اے لڑکی ایسی کیا بھاگڑ مچی ہی۔ نعیمہ کو اُٹھنے دو۔ ناشتہ کھاپی لو۔ تب جانا۔ صالحہ۔ آپا تو گئیں بھی۔ خالہ۔ یہ کب۔ صالحہ۔ جس وقت میں بعد نماز آپ سے باتیں کر رہی تھی اُسی وقت وہ سوار ہو گئیں۔ خالہ۔ کیسی چپکے سے نکل گئی کہ میں نے اُسے جاتی کو بھی نہ دیکھا۔ صالحہ۔ کھڑکی کی راہ سے گئیں۔ خالہ۔ تب ہی۔ مگر صالحہ تم نے دیکھا اُس کا غصہ کتنا تم نے اُس کے ساتھ سر مارا۔ میں باہر کھڑی ہوئی تمھاری ساری باتیں سنتی تھی لیکن اُس کا یہ اثر ہوا کہ بے ملے چل دیں۔ بھلا کہیں ایسا بھی غضب ہوا ہی کہ بیٹی ماں کے گھر سے یوں چلی جائے۔ اگر میں اس کی باتوں پہ جاؤں تو جیتے جی صورت نہ دیکھوں۔ لیکن کیا کروں یہ دل کم بخت نہیں مانتا اس مزاج کی بدولت ان حالوں کو تو یہ پہنچ گئی مگر ذرا اس کو خیال نہیں۔ مطلق اس کو پروا نہیں دیکھیے کیا اس کی تقدیر میں لکھا ہی۔ کیا اس کے نصیب میں بدا ہی۔ اس کے غم نے مجھ کو تو کھالیا اور میں اس کے سوچ میں تمام ہو گئی۔ صالحہ۔ آپ رنج نہ کیجیے اور دل کو سنبھالیے۔ اب آپ نے ان باتوں کا خیال کیا ہی ان شاء اللہ رفتہ رفتہ سب درست ہو جائیں گے۔ یہی ہی کہ کوئی اویر کوئی سویر۔ اب ہم نعیمہ کو اسی جگہ چھوڑتے ہیں۔ جو اُس کو پیش آیا اور جیسا اس کا انجام ہوا پھر بیان کریں گے۔

کلیم باپ سے ناخوش ہو کر گھر سے نکل گیا نصوح نے کلیم کا تکلف خانہ اور بیہودہ کتاب خانہ جلا دیا

نعیمہ تو صبح ہوتے گئی۔ مگر کلیم رات ہی کو گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جب صالحہ ڈولی سے اُتری لوگ اُس سے ملنے ملانے میں مصروف ہوے کلیم آنکھ بچی تو دروازہ کھول باہر۔ اتنا بھی تو نہ کیا کہ رات کا وقت ہی لاؤ کسی سے دروازے کے واسطے تو کہتا جاؤں[1]۔ جب نعیمہ کو کھانا جا لیا سب گھر والے کھاپی کر فارغ ہو گئے اور فہمیدہ سونے کے ارادے سے مکان میں آئی تو دیکھا باہر کا دروازہ چوپٹ کھلا پڑا ہی۔ کلیم کو ادھر دیکھا اُدھر دیکھا کہیں پتہ نہیں۔ سمجھی کہ موقع پا کر چل دیا۔

---

[1] کہ بند کر لو ۱۲ ۔ بالکل پورا ۱۲

لیکن اُس وقت نہ تو کلیم اس ارادے سے گیا تھا کہ پھر نہ آئے اور نہ فہیدہ کو ایسا گمان ہوا۔ رات گئی تھی زیادہ بات کا چرچا کرنا مناسب نہ جان کر سب لوگ سو سلا رہے۔ نصوح نماز صبح پڑھ کر مسجد سے واپس آ رہا تھا کہ اس کو گلی کے نکڑ[۱] پر نعیمہ کی اور ڈیوڑھی سے نکلتی ہوئی صالحہ کی ڈولی ملی۔ کلیم کی فرمایش پر غصہ تو اُسے رات ہی کو بہتیرا کچھ آیا اور بار بار اُس کے دل نے چاہا کہ اسی وقت اِدھر یا اُدھر جو کچھ ہو فیصلہ کر دے لیکن چند در چند باتوں کے لحاظ سے وہ زہر[۲] کا سا گھونٹ پی کر چپ ہو رہا۔ اور بمشکل سے اپنی طبیعت کو اس بات پر رضامند کیا کہ پیام زبانی کا اثر اور تحریر کا نتیجہ تو معلوم ہوا ایک مرتبہ اور روبرو کہہ کر بھی دیکھ لو۔ اس پر بھی نہ سمجھے تو اپنا سر کھائے[۳]۔ اس ارادے سے وہ پہلے مردانے مکان میں آ کر ٹھہرا۔ اور جب کلیم اُس کو نظر نہ آیا تو اُس نے نوکروں سے پوچھا مگر کسی نے جواب صاف نہ دیا۔ تب وہ نوکروں پر خفا ہوا کہ تم لوگ کیسے نالائق ہو کہ مجھ کو اُس بدبخت کا ٹھیک پتہ نہیں دیتے تم اپنے پندار[۴] میں اُس کے حق میں خیر خواہی کر رہے ہو مگر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمھاری رازداری[۵] نہ صرف اُس کم نصیب کے حق میں مضر ہوگی بلکہ تمھارے حق میں بھی اس کا نتیجہ اچھا نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اُس کی عادت اس قدر سویرے اُٹھنے کی نہیں ہے ضرور ہے کہ تم نے اُس کو جگا کر کہیں ٹال دیا ہے۔ میں نے تم کو اپنی آسایش[۶] کے لیے خاص خاص خدمتوں پر نوکر رکھا ہے اگر تمھاری وجہ سے میرے انتظام خانہ داری میں خلل واقع ہو تو تم میرے نوکر نہیں ہو بلکہ دشمن ہو۔ ملازم نہیں ہو بلکہ بدخواہ ہو۔ اگر میں اس ناشدنی[۷] کو فرزندی سے عاق کروں گا تو تم سب کو بھی اُس کے ساتھ نوکری سے برطرف۔ نصوح کا یہ کلام سن کر اعلیٰ ادنیٰ سب نوکر تھرّا[۸] اُٹھے اور جو اُن میں سب سے زیادہ سلیقہ مند تھا دست بستہ ہو کر بولا کہ حضور کا عتاب غلاموں کے سر و چشم پر لیکن شب کو مکان زنانہ رہا اور خانہ زادوں کو اجازت ہوئی کہ اپنے اپنے گھر جا کر سوئیں۔ اُس وقت تک صاحبزادے صاحب گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ نمک خواروں نے صبح کو آ کر اُن کا جمال[۹] نہیں دیکھا۔ جناب بیگم صاحب سے حضور اس کا حال دریافت فرمائیں۔ خانہ زادوں سے ایسی کورنمکی نہوگی کہ حضور سے کوئی بات مخفی رکھیں یہ سن کر نصوح اندر گیا اور حسب عادت سب لوگ اُس کو سلام صبح

[۱] سرے پر ۱۲ [۲] یعنی غصہ کو ضبط کیا ۱۲ [۳] مراد یہ ہے جو اس کے جی میں آئے کرے میری بلا سے ۱۲ [۴] گمان ۱۲ [۵] بھید کو چھپانا ۱۲ [۶] آرام ۱۲ [۷] یعنی جو ہر ایک کا ایک خاص خدمت پر دی ۱۲ [۸] جس سے کچھ ہونا ہوانا نہیں ۱۲ [۹] خارج ۱۲ [۱۰] نمک حرامی ۱۲

کرنے کے واسطے جمع ہو گئے۔ فہمیدہ اُس وقت تک تلاوت میں مصروف تھی مگر تھوڑی دیر میں فارغ ہو گئی تو نصوح نے کہا کیوں صاحب بی صالحہ گئیں۔ فہمیدہ۔ کبھی کی گئیں۔ اب تک تو وہ گھر بھی پہنچ گئی ہوں گی نصوح۔ اور دوسری ڈولی کس کی تھی۔ فہمیدہ۔ تمھاری بڑی صاحبزادی کی۔ نصوح۔ من کر گئیں۔ یا بگڑ کر۔ فہمیدہ۔ کچھ من کر کچھ بگڑ کر۔ نصوح۔ یہ کیا۔ فہمیدہ۔ صالحہ نے خدا اُس کو جزائے خیر دے بہتیرا سمجھایا۔ اور آدھی رات تک اپنا سر خالی کیا۔ بارے اُس کے کہنے سے اُنھوں نے اپنا قہر[1] رونہ و توافطار کیا لڑکے کو دودھ بھی پلایا۔ یہ تو اُن کا منا تھا۔ بگڑنا یہ کہ صبح کو بے ملے بے رخصت ہوئے ڈولی میں بیٹھ چل دیں۔ میں صالحہ سے باتیں کرتی رہی میں نے اُس کو جاتی کو بھی نہ دیکھا۔ نصوح۔ خیر بارِ تو خدا نے سبکدوش[2] کیا۔ اب صاحبزادے صاحب کی کہو وہ کہاں ہیں۔ سب چھوٹے بڑوں نے کانوں پر ہاتھ دھرے کہ ہم کو مطلق خبر نہیں۔ نصوح۔ کب سے غائب ہیں۔ فہمیدہ مغرب کے بعد تک برابر میرے پاس بیٹھا تھا اُس کو سمجھاتی رہی۔ تمھارا خط آیا اُس کو پڑھاتے میں صالحہ کی ڈولی آ پہونچی۔ میں اُس سے باتیں کرنے لگی۔ پھر لوگوں کو کھانا یاد دلایا۔ اس میں کوئی پہر ڈیڑھ پہر رات چلی گئی۔ سونے کو جو گئی تو دیکھا کہ مکان خالی پڑا ہے۔ نصوح۔ الحمد للہ[3] خس کم جہان پاک۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس میں کس کی خطا ہے میری یا اُس کی۔ فہمیدہ۔ خطا صریح اُسی کی ہے خواہ مخواہ بھی تمھاری خطا بنا دوں۔ تم نے اُس کو ایک دفعہ چھوڑ دو دو دفعہ بلایا۔ خط لکھا۔ بس حد ہو گئی۔ علیم نے بہتیرا سمجھایا۔ میں نے بہت کچھ کہا سنا۔ وہ اپنی شاعری کے آگے کسو کی سنتا ہے۔ تم تک جانے ہی کی اُس نے ہامی[4] نہ بھری۔ میں نے کہا تھا کہ کھانے سے فراغت پا کر پھر اُس کے ساتھ سر ماروں گی۔ اسی غرض سے مردانے مکان میں پردا کرایا۔ مگر وہ پہلے ہی سے نکل گیا۔ کوئی کیا کرے اپنی اپنی قسمت۔ اپنی اپنی تقدیر۔ نصوح۔ جس طرح یہ نالائق میرے ساتھ پیش آیا نعیم نے تمھارے ساتھ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں کیا۔ اس کے بعد نصوح نے منجھلے بیٹے علیم سے کہا بھلا تم نے اُس کے بچھونے یا کتابوں میں تو دیکھا ہوتا شاید وہ کچھ لکھ کر رکھ گیا ہو۔ افسوس ہے کہ اُس کے نفس سرکش نے اُس کو مجھ تک نہ آنے دیا۔ ورنہ میں تو ہر طرح اُسکے عذرات کو سننے اور اُس کے وجوہات پر لحاظ کرنے اور معقولیت کے ساتھ اُس کو سمجھانے کے لیے موجود تھا۔ علیم۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں گذری

[1] غصہ کا سدھ روزہ یعنی کندھے پر سے یہ بوجھ تو ہلکا ہوا ۱۲ [2] خدا کا شکر ہے ۱۲ [3] کوڑا کرکٹ کم ہوا تو جہان پاک ہو گیا۔ یہ فارسی کی مثل ہے [4] یعنی زبان سے ہاں نہ کہا ۱۲ [5] ٹلتا جو کسی سے نہ دبے ۱۲ +

مگر میں اب اُن کی چیزوں میں دیکھے لیتا ہوں۔ اگرچہ مجھ کو اب بھی ایسی امید نہیں ہی کہ وہ کچھ لکھ کر رکھ گئے ہوں کیوں کہ اگر اُن کو لکھنا ہی منظور ہوتا تو وہ آپ کے خط کا جواب ہی نہ دیتے۔ دوسرے اُن کو اتنی فرصت کہاں ملی۔ کل شام کو اس بات کا چرچا شروع ہوا اور میں جانتا ہوں کہ صالحہ کے آتے ہی وہ تشریف لے گئے۔ اس اثنا[1] میں برابر میں اُن کے پاس تھا اور میرے چلے جانے کے بعد اماں جان نصوح۔ پھر بھی میں اسکو داخلِ تمام حجت[2] سمجھ کر چاہتا ہوں کہ احتیاطاً اس کی چیزوں میں دیکھ لیا جائے۔ چلو میں بھی تمہارا شریک رہوں گا ہرچند علیم کو منظور نہ تھا کہ بھائی کی چیزوں پر باپ کی نظر پڑے۔ لیکن باپ کو منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آخر باہر مردانے میں آکر نصوح نے نوکروں سے پوچھا کہ کلیم کا اسباب کس جگہ رہتا ہو۔ نوکر۔ حضور۔ صاحبزادے صاحب نے دو کمرے لے رکھے ہیں۔ اس دکھن والے کمرے کا نام اُنھوں نے پہلے ہی تو ہیں عشرت منزل[3] رکھ چھوڑا ہو۔ جب اُن کے ہم جولی آتے ہیں تو سب اسی کمرے میں بیٹھ کر کھیلا اور باتیں کیا کرتے ہیں اُتر والے کمرے کو خلوت[4] خانہ فرمایا کرتے ہیں۔ اُس میں اُن کے پڑھنے لکھنے کی کتابیں وغیرہ ہیں نصوح۔ عشرت منزل اور خلوت خانے کا نام سُن کر چونکتا ہوا اور اس نے نوکروں سے کہا اچھا پہلے اس عشرت منزل کو کھولو۔ چنانچہ عشرت خانہ کھولا گیا تو ایک تکلف خانہ تھا۔ کمرے کے بیچ میں چوکیوں کا فرش اس پر دری۔ اُس پر سفید چاندنی اس خوش سلیقگی کے ساتھ تنی ہوئی کہ کہیں دھبے یا سلوٹ کا نام نہیں۔ صدر[5] کی جانب گجرات کا نفیس قالین بچھا ہوا۔ گاؤ تکیہ لگا ہوا۔ سامنے اُگال دان لبِ قالین بچوان چوکیوں کے گرداگرد کرسیاں تھیں تو لکڑی کی لیکن آئینے کی طرح صاف اور چمکتی ہوئی۔ چھت میں پٹا پٹی کی گوٹ کا پنکھا لٹکا ہوا۔ ہلانے کے واسطے نہیں بلکہ دکھانے کے لیے۔ اُس کے پہلوؤں میں جھاڑ۔ جھاڑوں کے بیچ بیچ میں رنگ برنگ کی ہانڈیاں۔ چھت کیا تھی بلا مبالغہ آسمان کا نمونہ تھا جس میں پنکھا بجائے کہکشان کے تھا۔ جھاڑ بمنزلہ آفتاب و ماہ تاب اور ہانڈیاں ہُو بہُو جیسے ستارے۔ چھت کے مناسبِ حالت دیواریں تصویروں اور قطعات اور دیوارگیریوں سے آراستہ تھیں۔ نصوح اس سازوسامان کو تھوڑی دیر ایک سکتے[6] کے عالم میں دیکھتا رہا اس کے بعد ایک آہ کھینچ کر بولا کہ افسوس کتنی دولتِ خداداد اس بیہودہ نمائش[7] اور تکلف و آرائش میں ضائع کی گئی ہو۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ روپیہ محتاجوں کی مدد اور غریبوں کی

---

[1] اس درمیان میں، اس عرصے میں ۱۲ [2] یعنے اتنا کرنے سے حجت میری طرف سے پوری ہو جائے گی ۱۲ [3] خوشی کا گھر ۱۲ [4] تنہائی اور تخلیے کا گھر ۱۲ [5] صدر مجلس کے بیٹھنے کی جگہ ۱۲ [6] خاموشی ۱۲ [7] دکھاوا ۱۲ +

کار برآری میں صرف کیا جاتا۔ اس کے بعد اُس کی نگاہ مقابل صدر جا پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ آمنے سامنے دو میزیں لگی ہیں۔ ایک پر گنجیفہ۔ شطرنج۔ چوسر۔ تاش۔ کھیل کی چیزیں اور ارگن باجے رکھے تھے۔ دوسری پر گلدان۔ اور عطر دان وغیرہ کے علاوہ ایک نہایت عمدہ طلائی جلد کی موٹی سی کتاب۔ نصوح نے نہایت شوق سے اُس کتاب کو کھولا۔ تو وہ تصویروں کا البم[1] تھا۔ مگر تصویریں کسی عالم۔ حافظ۔ درویش خدا پرست کی نہیں۔ کھوا پکھاؤجی۔ تان رس خان گویا۔ میر ناصر احمد بین نواز۔ صمد خان پہلوان۔ کھلونا۔ بھانڈ حیدر علی قوال۔ نتھوا ہیجڑا۔ قاری محمد علی بھکڑ۔ عدو جوا رہی اس قسم کے لوگوں کی شیشہ آلات کی وجہ سے نصوح نے دیوار والی تصویروں کو بغور نہیں دیکھا تھا۔ اب البم کو دیکھ کر اُسے خیال آیا۔ آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہے تو وہ تصویریں اور بھی بیہودہ تھیں۔ قطعے اور طغرے اگرچہ اُن کا سوادِ خط پاکیزہ تھا مگر مضمون و مطالب دین کے برخلاف۔ مذہب کے برعکس۔ نصوح نے وہیں سے ایک میر فرش اٹھا کر ان سب کی خبر لینی شروع کی اور بات کی بات میں کُل چیزوں کو توڑ پھوڑ برابر کیا۔ اور جو کچھ باقی رہا اس کو صحن میں رکھ کے آگ لگا دی اور نوکروں کو حکم دیا کہ اچھا اب خلوت خانہ کھولو۔ اُس میں تکلف کے معمولی ساز و سامان علاوہ کتابوں کی ایک الماری تھی دیکھنے میں تو اتنی جلدیں تھیں کہ انسان ان کی فہرست لکھنی چاہے تو سارے دن میں بھی تمام نہ ہو۔ لیکن کیا اُردو کیا فارسی سب کی سب کچھ ایک ہی طرح کی تھبس جھوٹے قصے۔ بیہودہ باتیں۔ فحش مطلب۔ لچّے[2] مضمون۔ اخلاق سے بعید۔ حیا سے دُور۔ نصوح اُن کتابوں کی جلد کی عمدگی۔ خط کی پاکیزگی۔ کاغذ کی صفائی۔ عبارت[3] کی خوبی۔ طرز ادا کی برجستگی[4] پر نظر کرتا تھا تو کلیم کا کتاب خانہ اُس کو ذخیرہ بے بہا[5] معلوم ہوتا تھا۔ مگر معنی و مطلب کے اعتبار سے ہر ایک جلد سوختنی[6] اور دریدنی[7] تھی۔ اسی تردد میں اُس کو دوپہر ہو گئی۔ کئی مرتبہ کھانے کے لیے گھر سے اُس کی طلب ہوئی مگر اُس کو فرصت نہ تھی۔ بار بار کتابوں کو اُلٹ اُلٹ کر دیکھتا تھا اور رکھ رکھ دیتا تھا۔ آخر کار یہی رائے قرار پائی کہ اُن کا جلا دینا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ بھری الماری کتابیں لکڑی کے کندے کی طرح اوپر تلے رکھ آگ لگا دی۔ نصوح کا یہ برتاؤ دیکھ اندر سے باہر تک تہلکہ اور زلزلہ پڑ گیا علیم دوڑا دوڑا جا اپنا کلیات آتش اور دیوانِ شرر اُٹھا لایا اور باپ سے کہا کہ جناب میرے پاس بھی یہ دو

---

[1] انگریزی لفظ ہے جس کتاب میں تصویریں لگی ہوں اُس کو البم کہتے ہیں ۱۲ [2] مراد ہے ۔ [3] عبارت ۱۲ [4] جس کی قیمت کا اندازہ نہ ہو سکے یعنی بیش قیمت ۱۲ [6] جلانے کی قابل ۱۲ [7] پھاڑ ڈالنے کی قابل ۱۲ +

کتابیں اسی طرح کی ہیں۔ نصوح نے ان کتابوں کو بھی دو چار جگہ سے کھول کر دیکھا اور کہا کہ واقع میں ان کے مضامین بھی جہاں تک میں دیکھتا ہوں بُرے اور بیہودہ ہیں لیکن تمھاری نسبت مجھ کو خدا کے فضل سے اطمینان ہو چکا ہو تو اپنی کتابوں کو رہنے دو اگرچہ ان کا مطالعہ میرے نزدیک خالی از معصیت[1] نہیں ہو۔ علیم۔ کتاب جب کہ دیکھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں تو اس کا رکھنا بے سود بلکہ خطرناک ہو بہتر ہوگا کہ ان کو بھی جلا دیا جائے۔ نصوح۔ شاید تم میری خاطر سے کہہ رہے ہو اور تم کو پیچھے تاسف ہو۔ علیم۔ مجھ کو ہرگز تاسف نہ ہوگا بلکہ خوشی ہوگی۔ جلائی جائے وہ عمدہ نصیحت کی کتاب جو مجھ کو پادری صاحب نے دی تھی اور رہیں یہ خرافات[2] میں جانتا ہوں کہ بھائی جان کی کتابوں پر یہ اوسی پادری صاحب والی کتاب کا وبال پڑا۔ ڈرنے کا مقام اور عبرت کی جگہ ہو۔ نصوح۔ لیکن کیا ضرور ہو۔ کہ تمھاری کتابیں بھی اُس وبال میں داخل ہوں۔ علیم۔ ان کے نام بھی جلنا جلنا پکارتے ہیں۔ ارشاد ہو تو جھونک دوں نصوح۔ تمھاری یہی مرضی ہو تو بسم[3] اللہ۔ علیم نے آتش کو دہکتی آگ اور شرر کو جلتے انگاروں میں پھینک دیا علیم کی دیکھا دیکھی میاں سلیم نے بھی واسوخت امانت لا باپ کے حوالے کی اور کہا کہ ایک دن کوئی کتاب فروش کتابیں بیچنے لایا تھا۔ بڑے بھائی جان نے فسانۂ عجائب۔ قصۂ گل بکاؤلی۔ آرائشِ محفل مثنوی میر حسن۔ مضحکاتِ نعمت خان عالی۔ منتخب غزلیات چرکین۔ ہزلیات جعفر زٹلی۔ قصائد ہجو یہ رفیع السودا۔ دیوانِ جان صاحب۔ بہارِ دانش باتصویر۔ اندر سبھا۔ دریائے لطافت میر انشاء اللہ خاں کلیات رند وغیرہ بہت سی کتابیں اس سے لی تھیں میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ کو دیکھ کر بولے کیوں سلیم تم بھی کوئی کتاب لوگے۔ میں جو آپ تجویز فرمائیں۔ بھائی جان۔ کون سی کتاب تم کو دے دوں۔ یہ کتابیں جو میں نے لی ہیں اوّل تو میرے شوق کی ہیں۔ دوسرے تم کو ان کا مزہ نہیں ملے گا۔ کتاب والے کی ساری گٹھری میں سے یہ واسوخت اور دیوان نظیر اکبرآبادی دو کتابیں انھوں نے میرے لیے نکالیں اور کہا کہ واسوخت تو خیر مگر یہ دیوان بڑی عمدہ کتاب ہو۔ میاں ہدہد کے اشعار آج تک کسی نے جمع نہیں کیے تھے۔ اس کے حاشیے پر وہ بھی ہیں۔ چونکہ بھائی جان نے دیوان کی بہت تعریف کی تھی میں نے اُس کو نہایت شوق سے کھولا۔ تو پہلے ہی جو ہوں کا اچار[4] نکلا اس کے مضمون سے میری طبیعت کچھ ایسی کھٹی[5] ہوئی کہ میں نے دونوں کتابیں پھیر دیں۔ مگر بھائی جان نے یہ واسوخت زبردستی جبرے

[1] گناہ ۱۲ [2] لغویات۔ واہیات ۱۲ [3] یعنی جلا ڈالو ۱۲ [4] ہجو [illegible] ۱۲ [5] اچار کے ساتھ یہ لفظ کیا مزہ دے رہا ہے ۱۲

سر مڑا ہی ایک دن اتفاق سے حضرت بی صاحب کے بڑے نواسے نے میرے جزدان میں دیکھ کر
کہا کہ آہا میاں سلیم تم بڑے چھپے[1] رستم نکلے۔ میں۔ کیوں۔ حضرت بی صاحب کا نواسہ۔ تم کو ایسی کتابوں
کا بھی شوق ہے۔ میں۔ مجھ کو بھائی جان نے دے دی ہے۔ کیوں کیا یہ کتاب اچھی نہیں ہے۔ حضرت بی صاحب کا
نواسہ اچھی بُری تو میں نہیں جانتا۔ لیکن اگر نانی اماں دیکھ پائیں تو شاید ہم لوگوں کو تمھارے پاس
اٹھنے بیٹھنے کی ممانعت کریں۔ بھلا کوئی ایسی گندی باتوں کی کتاب بھی پڑھتا ہے۔ تب سے میں نے
اس کتاب کو طاق میں ڈال دیا تھا۔ آج مجھ کو یاد آ گئی تو میں نے کہا کہ یہ بھی اپنی مراد کو پہنچ جائے۔
جب کلیم کا خرمنِ عیش و عشرت جل بھُن کر خاک سیاہ ہو لیا تو نصوح اندر گھر میں گیا اور بیوی نے اُسسے
پوچھا کیوں جس پرچے کی جستجو تھی ملا۔ نصوح۔ نہیں پرچہ تو نہیں ملا۔ لیکن میرا مطلب حاصل ہو گیا۔
فہمیدہ وہ کیا۔ نصوح۔ مجھکو اس بات کی تلاش تھی کہ کلیم کے دلی خیالات معلوم کروں کہ آخر اُسکو جو اس قدر
گریز ہے کہ میرے پاس تک آنے سے بھی اُس نے انکار کیا تو اس کی وجہ کیا ہے۔ فہمیدہ۔ پھر تم نے کیا وجہ دریافت
کی۔ نصوح۔ وجہ کیا دریافت کی اُسکی ساری حقیقت معلوم ہو گئی۔ بلکہ شاید رُو در رُو گفتگو کرنے سے بھی یہ بات
پیدا نہ ہوتی جو مجھکو اب حاصل ہے۔ فہمیدہ۔ آخر کچھ میں بھی سُنوں۔ نصوح۔ میں نے اُس کے عشرت
منزل اور خلوت خانے کو دیکھا۔ اور اُس کے کتاب خانے کی سیر کی۔ فہمیدہ۔ عشرت منزل و خلوت خانہ کیا۔
نصوح۔ تم تو کچھ مجھ سے بھی زیادہ بے خبر ہو۔ آج تک تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صاحبزادہ بلند اقبال نے
دو کمرے اپنے واسطے خاص کر رکھے ہیں۔ ایک کا نام عشرت منزل رکھ چھوڑا ہے اور دوسرے کا خلوت خانہ
جس کمرے میں ان کے شیاطین[3] الانس جمع ہوتے ہیں وہ عشرت خانہ ہے۔ اور جہاں استراحت[4] فرماتے ہیں وہ
خلوت خانہ ہے اسی خلوت خانے میں کتاب خانہ بھی ہے۔ فہمیدہ۔ اتنی بات تو میں بھی جانتی ہوں کہ کلیم نے
دو کمرے لے رکھے ہیں۔ مگر عشرت منزل اور خلوت خانہ میں نے آج ہی سُنا ہے۔ نصوح۔ تم نے اُن
کمروں کو اندر سے بھی دیکھا۔ فہمیدہ۔ نہیں۔ مردانے میں کبھی کاہے کو جانے کا اتفاق ہوتا ہے کل رات البتہ علیم
کے اصرار سے پردہ کروا کے گئی تھی۔ خوب ہوا کہ تم نے اُن کمروں کو نہ دیکھا۔ فہمیدہ۔ کیوں۔ نصوح۔ اب
میں اُن کمروں کی تمامتر تفضیح[5] تم سے کیا بیان کروں۔ بس مولانا[6] ئے روم قدس[7] اللہ سرہ العزیز کا شعر[8]

---

[1] محاورہ ہے [2] کھلیان۔ یہاں مراد ہے اس کی کتابیں وغیرہ ۱۲ [3] ہیں تو آدمی مگر شیطان کی طرح بہکاتے ہیں ۱۲ [4] آرام فرماتے ہیں یعنی سوتے ہیں ۱۲ [5] رسوائی ۱۲ [6] ان کی مثنوی نہایت مشہور کتاب ہے۔ صوفیوں کے گروہ کے پیشوا تھے ۱۲ [7] خدا اُن کے بھید کو پاک کرے مطلب یہ ہے کہ ان کو جو راز و نیاز خدا کی بارگاہ میں ہے اس میں اور صفائی ہو ۱۲ +

از بروں چوں گورِ کافر پُر حُلل ✤ اندروں قہرِ خدائے عزّ و جلّ[1]

گویا ان ہی گھروں کی شان میں ہو۔ ظاہر آباد۔ باطن خراب۔ فہمیدہ۔ کوئی کہتا تھا کہ تم نے غصّے میں آکر دیوان خانے میں آگ لگا دی۔ نصوح۔ اگرچہ وہ مکان جس میں وحشیوں کے سے کام ہوتے ہیں اسی قابل ہو۔ مگر میں نے مکان میں تو آگ نہیں لگائی۔ فہمیدہ۔ کچھ دھواں سا مردانے میں ضرور اُٹھ رہا تھا نصوح۔ تو چند کتابیں تھیں جن کو میں نے بیہودہ سمجھ کر جلا دیا۔ فہمیدہ۔ ایسے غصے سے بھی خدا پناہ میں رکھے۔ نصوح۔ غصّے کی تو اس میں کوئی بات نہ تھی۔ فہمیدہ۔ کتاب کا جلانا غصہ کی بات نہیں تو کیا عقل کی بات ہو۔ میں نے تو سُنا ہو کہ کاغذ کا جلانا بڑا گناہ ہو۔ نہ کہ کتاب۔ لوگ کہیں ذرا سا پُرزہ پڑا پاتے ہیں تو اُٹھا کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ کتاب کو بھولے سے ٹھوکر لگ جاتی ہو تو توبہ توبہ کرکے چومتے اور ماتھے چڑھاتے ہیں۔ نصوح۔ تم سچ کہتی ہو۔ مگر یہ لوگوں کی زیادتی ہو۔ کاغذ بھی کپڑے کی طرح ایک بے جان چیز ہو۔ کتاب کے عمدہ مضامین جن میں دین داری اور خدا پرستی اور نیکوکاری کا بیان ہوتا ہو وہ البتہ قابلِ ادب ہیں۔ فہمیدہ۔ خیر کچھ ہی سہی مگر کتاب ہو تو ادب کی چیز۔ پھر تم نے جلائی کیوں۔ نصوح۔ جن کتابوں کو میں نے جلایا اُن کے مضامین شرک اور کفر اور بے دینی اور بے حیائی اور فحش اور بدگوئی اور جھوٹ سے بھرے ہوئے تھے۔ فہمیدہ۔ کتابوں میں ایسی بُری بُری باتیں بھی ہوتی ہیں۔ نصوح۔ کتابیں بھی آدمی بناتے ہیں اور آدمی ایسا مخلوق سرکش[2] ہو کہ اس نے تمام دنیا میں بدی اور خُدا کی نافرمانی پھیلا رکھی ہو۔ کیا تم شعر اور شاعری کے نام سے واقف نہیں ہو۔ فہمیدہ۔ واقف کیوں نہیں۔ کتابوں میں اکثر شعر ہوتے ہیں۔ مگر اُن میں تو کوئی بُری بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ سنتی ہوں کہ کلیم کو شعر بنانے کا بڑا شوق ہو۔ اور مردوں میں یہ بڑی تعریف کی بات گنی جاتی ہو۔ نصوح۔ شاعری اپنی ذات سے بُری نہیں۔ بلکہ اس اعتبار سے کہ زباں دانی کی عمدہ لیاقت کا نام شاعری ہو۔ ضرور تعریف کی بات ہو۔ لیکن لوگوں نے ایک عام دستور قرار دے رکھا ہو کہ اس لیاقت کو ہمیشہ بُرے اور بیہودہ خیالات میں صرف کرتے ہیں۔ اس وجہ سے دینداروں کی نظر میں شاعری عیب و گناہ ہو۔ اب شاعری اسی کا نام ہو کہ کسی کی ہجو[3] کیجیے کہ وہ داخل غیبت[4] ہو یا مدح[5] بے جا کیجیے کہ

---

[1] یعنے اس مکان کا حال کافر کی گور کا سا تھا باہر سے آراستہ و سانْدر خدا کا غضب نعوذ باللہ منہ ۱۲ [2] نا فرمان جو کسی سے دبے نہیں ۱۲
[3] بُرائی۔ مذمت ۱۲ [4] پیٹھ پیچھے کسی کو بُرا کہنا ۱۲ [5] تعریف ۱۲ ✤

وہ کذب و بطالت ہو۔ یا عشق و عیاشی کے ناپاک خیالات میں کوئی مضمون سوچیے کہ وہ خلافِ شریعت ہو
یا مسائل دین اور اہل دین کے ساتھ تمسخر و استہزا کیجیے کہ وہ کفر و معصیت ہے۔ فہمیدہ۔ یہ مجھ کو آج معلوم ہوا کہ پڑھنے
لکھنے کی چیزوں میں بھی لوگوں نے خرابیاں پیدا کی ہیں۔ نصوح۔ کیا تم کو اپنا گلستاں پڑھنا یاد نہیں۔ فہمیدہ۔ یاد کیوں
نہیں۔ جس دن حمیدہ کا دودھ چھڑایا ہو اس کے اگلے دن میں نے گلستاں شروع کی تھی۔ نصوح۔ بھلا تم کو یہ بھی یاد
ہو کہ میں تمھارے سبق سے آگے آگے جا بجا سطروں کی سطروں پر سیاہی پھیر دیا کرتا تھا۔ بلکہ بعض وقت صفحے کے
صفحے۔ ایسے آ پڑے ہیں کہ مجھ کو اوپر سے سادہ کاغذ لگا کر ان کو چھپانے کی ضرورت ہوئی۔ فہمیدہ۔ خوب اچھی طرح
یاد ہو۔ چوتھائی کتاب کم تو نہ کٹی ہوگی۔ نصوح۔ تم پڑھتی تھیں تب چوتھائی بھی کٹی۔ اگر کوئی دوسری عورت یا
لڑکی پڑھتی ہوتی تو میں آدھی کی خبر لیتا۔ وہ تمام بیہودہ باتیں تھیں جن کو میں کاٹتا اور چھپاتا پھرتا تھا۔
فہمیدہ۔ سچ کہو۔ لو میں سمجھی مشکل جان کر چھڑا دیتے ہیں۔ نصوح۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ میں اُن واہی [illegible] باتوں
کو تمھارے روبرو بیان نہیں کر سکتا تھا۔ پھر یہ اُس کتاب کا حال ہو جو پند و اخلاق میں ہے اور
تصنیف بھی ایسے بزرگ کی ہو کہ کوئی مسلمان ایسا کم نکلے گا کہ ان کا نام لے اور شروع میں حضرت اور آخر
میں رحمۃ اللہ علیہ یا قدس اللہ سرہ العزیز نہ کہے۔ یعنی ان کا اعتقاد اولیاء اللہ میں ہو۔ اور جو کتابیں تم
نے جلائیں کتابیں کاہے کو تھیں۔ گالی۔ پھکڑ۔ ہزلیات۔ ٹھٹھا۔ بکواس۔ ہذیان۔ خرافات۔ میں نہیں
جانتا ان میں سے کونسا نام ان کے لیے زیادہ زیبا ہو۔ فہمیدہ۔ مگر جلانا کیا ضرور تھا۔ گھر میں پڑی رہتیں دھری
ہوتیں۔ یا بک بکا جاتیں۔ آخر داموں کی چیز تھی۔ نصوح۔ شاید تم کو یاد ہوگا گرمیوں کا ذکر ہو کہ
بدر رو میں سانپ نکلا تھا اور اُس کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب ایسے خوف زدہ ہو گئے تھے
کہ صحن کا نکلنا بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔ اور کیسا کچھ تقاضا تھا کہ جس طرح ہو سکے سانپ کو پکڑوا کر
مار ڈالنا چاہیے۔ سانپ کی نسبت تم نے ہرگز نہیں کہا کہ پڑا بھی رہنے دو۔ یا شاید کوئی سپیرا دو
چار ٹکے پیسے دے کر مول لے جائے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ کتابیں اُس سانپ سے
زیادہ موذی تھیں اور اُس سے کہیں زیادہ خطرناک تھیں۔ اور اُن کی قیمت چوری اور ٹھگی کے مال
سے بڑھ کر حرام۔ کلیم کو اور پھٹکار کیا ہو۔ اسی سانپ کا زہر اُس کو چڑھا ہوا ہے۔ اور شیطان نے بھی منتر
پڑھ پڑھ کر پھونک دیا ہو۔ فہمیدہ۔ پھر آخر اس زہر کا تریاق [illegible] تم کو کچھ سوجھا بھی ہو یا نہیں

۱۔ دونوں لفظوں کے معنے جھوٹ ۱۲ ۲۔ مسخراپن ۱۲ ۳۔ ہنسی۔ ٹھٹھا ۱۲ ۴۔ نصیحت ۱۲ [illegible]
اعلیٰ درجے کے بزرگانِ دین ۱۲ ۔ ایذا دینے والی ۱۲ ۔ زہر کا توڑ ۱۲

نصوح۔ کیوں نہیں۔ دین و اخلاق کی کتابیں۔ مگر کوئی اُن کو دیکھنے والا بھی ہو۔ نہ یہ کہ ہر روز نئے سانپ سے کٹواتے جاؤ اور تریاق سے بھاگو اور نفرت رکھو تو انجام کیا ہوگا۔ ہلاکت +

کلیم کا پہلے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ اور پھر اپنے ایک ابتدا فطرت کے یہاں جا کر رہنا اور دونوں مرتبہ ذلت اٹھانا اور قید ہونا اور آخرکار باپ ہی کی سفارش سے رہائی پانا

اب ہم کو کلیم اور نعیمہ دونوں بھائی بہنوں کا حال بیان کرنا چاہیے کہ باپ کے گھر سے نکل کر ان پر کیا بیتی۔ سو چونکہ کلیم پہلے نکلا پہلے اُسی کا حال بیان کرتے ہیں۔ کئی بار اُس کو باپ نے بلوایا یہاں تک کہ ہار کر رقعہ لکھا۔ ماں نے بہتیرا سمجھایا۔ بھائی نے بہت کچھ کہا سُنا۔ لیکن وہ کسی رو براہ نہ ہوا۔ اور جب دیکھا کہ فہمیدہ صالحہ کے اُتروانے میں مصروف ہے آنکھ بچا بے پوچھے بے کہے گھر سے اس طرح نکل کھڑا ہوا کہ گویا اُس کو کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ شاید اُس کے ذہن میں بھی یہ بات اس وقت نہ گذری ہوگی کہ وہ عمر بھر کے واسطے گھر سے جا رہا ہے۔ اور عزیز و اقارب جن سے وہ ایسے سرسری طور پر جُدا ہوتا ہے جیتے جی اُن کو نہ دیکھ سکے گا۔ یہ نکلنا اُس کا کچھ نیا نکلنا نہ تھا۔ بلکہ معمولی عادت اور ہمیشہ کی خصلت تھی۔ گھر سے نکل جانے کی اُس نے یہاں تک مشق بہم پہنچائی تھی کہ ذرا ذرا سی ادعائی ناخوشی پر وہ آئے دن بھاگا کرتا تھا مگر اِدھر اُس کا نکلنا معلوم ہوا اور اُدھر نوکروں کے جاسوس اُس کی جستجو میں دوڑنے شروع ہوئے۔ شروع میں تو نوکروں ہی کے بُلانے سے چلا آتا ہے۔ پھر چندے یہ معمول رہا کہ خود میاں نصوح جاتے تو صاحبزادہ بلند اقبال کو منا لاتے۔ اب تھوڑے دنوں سے نصوح کے عمل میں بھی تاثیر گھٹ گئی تھی تو بی فہمیدہ کی ڈولی در بدر ماری پھرا کرتی تھی۔ اس دفعہ بھی وہ ضرور یہ توقع جی میں لے کر نکلا کہ گلی سے نکلتے نکلتے نوکر اُسکے پیچھے دوڑیں گے۔ اور اس امید میں اُس نے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے گھر پہنچتے پہنچتے کوئی سیکڑوں ہی مرتبہ پیچھے پھر پھر کر دیکھا۔ مگر واقع میں یہ اُسکی غلط فہمی تھی۔ اب کلیم کے سوائے بقول نعیمہ گھر کا باوا آدم بدلا ہوا تھا۔ نہ پہلی سی ماں۔ نہ اگلا سا باپ۔ نوکر ڈھونڈھیں کیوں اور دوڑیں کس لیے پھر بھی کلیم اس سے بے خبر نہ تھا کہ اس مرتبہ ایک خاص طرح کا بگاڑ ہے وہ جانتا تھا کہ دینداری کی بنا پر جا

سلہ رستے پر ۱۲ سلہ آسان ۱۲ سلہ زبردستی کی دل سے بنائی ہوئی ۱۲ +

گھر میں ہو رہا ہے۔ خلافِ توقع نعیمہ ایک تھپڑ کھا چکی ہے۔ سلیم۔ اور حمیدہ جو گھر میں چھوٹے ہونے کی وجہ سے کلیم اور نعیمہ کے تختۂ مشق[1] تھے اب سب سے زیادہ باپ اور ماں دونوں کے چہیتے ہو رہے ہیں یعنی جن کی بڑی لمبی چوڑی عزت تھی وہ ذلیل ہیں۔ اور جو بے وقعت تھے اُن کا طوطی[2] بول رہا ہے۔ پہلے جب کبھی کلیم گھر سے ناخوش ہو کر نکلا تو کھانے کپڑے روپئے پیسے کے لین دین پر ماں یا بھائی بہنوں سے لڑائی جھگڑے کے سبب۔ لیکن اس دفعہ دین کی بحث تھی نہ لین دین کی۔ باپ سے لڑائی تھی نہ بھائی بہنوں سے۔ ذرا سی عقلِ معاملہ فہم[3] بھی کلیم کو ہوتی تو وہ ایسی حالت میں گھر سے نکلنے پر دلیری نہ کرتا لیکن جیسا کہ نصوح نے تجویز کیا تھا اس پر شاعری کی پھٹکار تھی اور سر پر شامتِ اعمال سوار۔ اور واقع میں جب انسان شبانہ روز داد و تحسین[4] کی فکر میں منہمک[5] رہے گا تو ضرور ہے کہ خودپسندی۔ خودبینی خودستائی[6] کے عیوب اُس کی طبیعت میں راسخ[7] ہوں۔ شعر و سخن کے اعتبار سے ہم بھی کلیم کو شاباش دیتے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاملہ[8] اچھا باندھتا ہے۔ تضمین[9] میں گرہ خوب لگاتا ہے۔ بندش[10] بھی خاصی ہوتی ہے۔ قصیدہ بھی بُرا نہیں۔ طبیعت مضمون آفرینی پر بھی مائل ہے۔ مثنوی تو خیر مگر رباعی اُس کی لاجواب ہوتی ہے۔ مقطع میں تخلص کا نباہ یا تو متاخرین میں مومن مرحوم میں دیکھا یا اب ماشاءاللہ میاں کلیم میں۔ صنائع لفظی[11] کے اتنے التزام پر بےساختگی[12] کی ادا قابلِ آفرین ہے۔ قصیدے[13] کی تشبیب[14] کے بعد چندے سودا[15] کے لگ بھگ ہونیوالی ہے۔ چشم بد دور چھے سات برس کی مشق میں دو دیوانوں کا مرتب ہو جانا کچھ تھوڑی بات نہیں۔ شہر میں بھلا کچھ نہیں تو سَو دو سَو غزلیں لوگوں کے زبان زد ہوں گی۔ سچ ہے قبول سخن خداداد بات ہے۔ الغرض شاعری میں کلیم کی لن ترانیاں[16] چنداں بے جا نہ تھیں۔ لیکن دنیا کے معاملات میں ازبس کہ اس کو غور اور خوض کرنے کی عادت نہ تھی اسی وجہ سے اکثر اسکی رائے غلطی پر ہوتی تھی۔ وہ گھر سے نکل کر ایسا بے تکلف مرزا ظاہر دار بیگ کی طرف کو مڑا جیسے مطلق العنان[17] گھوڑا تھان کی طرف رخ کرتا ہے۔ مرزا کی ظاہر داری نے اس کو اس قدر دھوکا دے رکھا تھا کہ وہ اُن کو ماں باپ بھائی بہن

---

[1] لڑکوں کے مشق کرنے کی تختی ۱۲ [2] محاورہ ہے یعنی پیش پیش ہیں ۱۲ [3] معاملے کی سمجھنے والی ۱۲ [4] تعریف کرنے کو داد دینا کہتے ہیں جیسے شاعر نے پڑھا کوئی شعر سنایا سننے والے نے واہ واہ کی تو یہ واہ واہ داد ہے تحسین اور داد ہم معنی ہیں ۱۲ [5] مشغول۔ مصروف ۱۲ [6] آپ اپنی تعریف کرنا ۱۲ [7] جمے ہوئے ۱۲ [8] عاشق و معشوق کا راز و نیاز ۱۲ [9] کسی شعر پر مصرعے لگا کر اس کو مخمس یا مسدس بنا دینا ۱۲ [10] لفظوں کا ربط ضبط ۱۲ [11] لفظی خوبیاں ۱۲ [12] عبارت کی برجستگی ۱۲ [13] شعر کی ایک قسم۔ اکثر لوگوں کی مدح میں قصیدے کہے جاتے ہیں ۱۲ [14] فارسی میں اس کو گریز کہتے ہیں کہ ایک مطلب بیان کرتے کرتے ایک دم سے دوسرا مطلب شلاً ممدوح کی تعریف کرنے لگے ۱۲ [15] مشہور اردو گو شاعر کا نام ہے ۱۲ [16] شیخیاں ۱۲ [17] جس کے منہ سے لگام نکال لی گئی ہو ۱۲ +

خویش واقارب سب سے بڑھ کر اپنا خیرخواہ سب سے زیادہ اپنا دوست سمجھتا تھا اور بے امتحان اور بے آزمائش اُس کو مرزا پر ایسا تکیہ اور اعتماد تھا کہ شاید دانشمند آدمی کو متواتر تجربوں کے بعد بھی کسی دوست پر نہیں ہو سکتا۔ بات اصل یہ ہے کہ مردم شناسی کی جو ایک صفت ہے کلیم میں مطلق نہ تھی۔ مرزا سے زیادہ اُس کو اپنی نسبت مغالطہ تھا اور اُس نے اپنے تئیں ایسا عزیز الوجود فرض کر رکھا تھا کہ ایک سے ایک لائق نوکری کی جستجو میں مارے مارے پھرتے ہیں اور نہیں ملتی۔ اور کلیم کے ذہن میں از خود یہ خناس سمایا ہوا تھا کہ گویا تمام ہندوستانی سرکاریں اُس کے قدوم میمنت لزوم کی متمنی اور منتظر ہیں۔ اور جس طرف کو چل کھڑا ہوگا وہاں کا والی ملک اُس کی تشریف آوری کو بس غنیمت سمجھے گا۔ گھر سے نکلا تو محض تہی دست لیکن اس خیال میں مگن کہ اب کوئی دم جاتا ہے کہ مالکِ خزائن الارض بننے والا ہوں چلا جوتیاں چٹخاتا ہوا مگر اس تصور میں مست کہ فیلِ کوہ پیکر مع ہودج زر اُس کی سواری کے لیے آرہا ہے باوجودے کہ شب خوابی کے کپڑوں کے سوائے بدن پر کچھ نہ تھا تاہم خلعتِ ہفت پارچہ کی امید میں

نظر اُس کی نخوت کے زینے پہ تھی ٭ کہ شانوں سے اُتری تو سینے پہ تھی

قصہ کوتاہ کلیم شیخ چلی کے سے منصوبے سوچتا ہوا اپنے دوست مرزا کے مکان پر پہنچا۔ ہرچند ابھی کچھ ایسی بہت رات نہیں گئی تھی لیکن مرزا جیسے نکھٹو بے فکرے کبھی کے لمبی تان کر سو چکے تھے۔ کلیم نے جو دروازے پر دستک دی تو جواب ندارد۔ اس مقام پر مرزا کا تھوڑا سا حال لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس شخص کی کیفیت یہ تھی کہ شاید اس کا نانا وہ بھی حقیقی نہیں ابتدائے عملداری سرکار میں صاحب رزیڈنٹ کی اردلی کا جمعدار تھا۔ اوّل تو ایسی عالیجاہ سرکار دوسرے باعتبار منصب اردلی کا جمعدار تیسرے ان دنوں کی بے عنوانی اُس پر خود اُس کی رشوت ستانی بہت کچھ کمایا یہاں تک اس کا اعتداد دہلی کے روداروں میں ہو گیا۔ مرزا کی ماں اوائل عمر میں بیوہ ہو گئی۔ جمعدار نے

---

۱ بھروسا ۱۲ ۲ پے درپے بار بار ۱۲ ۳ اُس کو یہ خیال تھا کہ دنیا میں میرا ہونا بھی بس غنیمت ہے اور میری طرح کے لائق آدمی کم پیدا ہوتے ہیں ۱۲ ۴ شیطان۔ مراد ہے غرور ۱۲ ۵ آنا تشریف لانا ۱۲ ۶ جس کو برکت لازم ہے ۱۲ ۷ آرزو مند ۱۲ ۸ خالی ہاتھ مفلس ۱۲ ۹ خوش ۱۲ ۱۰ زمین کے خزانوں کا مالک ۱۲ ۱۱ پہاڑ جیسا ہاتھی ۱۲ ۱۲ سونے کی سواری ۱۲ ۱۳ اس کی نظر گویا غرور کی سیڑھی پر تھی کیونکہ وہ کبھی کندھوں کو دیکھتا تھا اور کبھی سینے کو یعنی نظر کندھوں سے اُتر کر سینے پر پڑتی ہے ۱۲ ۱۴ شاید نہ کی حکایت ہے کہ شیخ چلی گھڑے میں شہد لیے جاتے تھے راہ میں منصوبہ باندھا کہ شہد بیچ کر مرغی کا جوڑا لوں گا۔ بچے نکلواؤں گا مرغیاں بڑھا کر بکریاں پالوں گا پھر گائیں اور بھینسیں اور بڑا آدمی ہو جاؤں گا کسی امیر کے گھر بیاہ کروں گا بیٹا ہوگا اور معلم رکھ کر اُس کو پڑھواؤں گا آتے جاتے پڑھنے کی آواز سن کر لڑکے کو پیار کروں گا۔ پیار کرنے کے تصور میں جھکے تو شہد کا گھڑا گر کر ٹوٹ گیا ۱۲ ۱۵ ہتھیلی پیٹنا۔ دستک کی عوض لوگ کنڈی کھڑکھڑا دیا کرتے ہیں ۱۲ ۱۶ بے قاعدگی کی بدانتظامی ۱۲ ۱۷ عزت داروں ۱۲ ۱۸ شروع عمر ۱۲

باوجودیکہ دُور کی قرابت تھی حسبۃً للہ اُس کا تکفّل اپنے ذمّے لیا۔ جمعدار اپنی حیات میں تو اتنا سلوک کرتا رہا کہ مرزا کو یتیمی اور اُس کی ماں کو بیوگی بھول کر بھی یاد نہ آئی ہوگی لیکن جمعدار کے مرنے پر اُس کے بیٹے۔ پوتے۔ نواسے کثرت سے تھے اُنھوں نے بے اعتنائی کی۔ اور اگرچہ جمعدار بہت کچھ وصیّت کر مرے تھے مگر اُن کے ورثہ نے بہ ہزار دقت محل سرا کے پہلو میں ایک بہت چھوٹا سا قطعہ اُن کے رہنے کو دیا اور سات روپے مہینے کے کرائے کی دکانیں مرزا کے نام کر دیں۔ یہ تو حال تھا کہ مرزا مرزا کی ماں مرزا کی بیوی تین تین آدمی اور سات روپے کی کل کائنات۔ الحق مرزا کی شیخی اور نمود یہ مسخرہ اس ہستی پر چاہتا تھا کہ جمعدار کے بیٹوں کی برابری کرے جن کو صدہا روپے ماہواری کی مستقل آمدنی تھی۔ اگرچہ جمعدار والے اُس کو مُنھ نہیں لگاتے تھے مگر یہ بغیرت زبردستی اُن میں گھُستا تھا۔ یہ کسی کو بھائی جان کسی کو ماموں جان کسی کو خالو جان بناتا اور وہ لوگ اس کے ادّعائی رشتوں ناتوں سے جلتے اور دق ہوتے۔ اونچی حیثیت کے لوگوں میں بیٹھنا اس کے حق میں اَور بھی زبوں تھا۔ اُن کی دیکھا دیکھی اس نے تمام عادتیں میرزادوں کی سی اختیار کر رکھی تھیں۔ مگر امیرزادگی نبھے تو کیسے نبھے دُکانیں گروی ہوتی جاتی تھیں۔ ماں بے چاری بہتیر ابکتی مگر کون سُنتا تھا۔ مرزا کو جب دیکھو پاؤں میں ڈیڑھ حاشیے کی جوتی۔ سر پر دوہری بیل کی بھاری کام دار ٹوپی بدن میں ایک چھوڑ دو دو انگرکھے۔ اوپر شبنم یا ہلکی سی تن زیب۔ نیچے کوئی طرح دار ڈھاکے کا نینو۔ جاڑا ہوا تو بانات مگر سات روپے گز سے کم کی نہیں۔ خیر یہ تو صبح و شام اور تیسرے پہر کا شانی مخمل کی آصف خانی جس میں حریر کی سنجاف کے علاوہ گنگا جمنی کمخواب کی عمدہ بیل ٹنکی ہوئی سُرخ نیفہ۔ پائجامہ اگر ڈھیلے پائچوں کا ہوا تو کلی دار اور اس قدر نیچا کہ ٹھوکر کے اشارے سے وو دو قدم آگے۔ اور اگر تنگ موہری کا ہوا تو نصف ساق تک چوڑیاں اور اوپر جلد بدن کی طرح مڑھا ہوا۔ ریشمی ازار بند گھٹنوں میں لٹکتا ہوا۔ اور اُس میں بے قفل کی کنجیوں کا گچھا غرض دیکھا تو مرزا صاحب اس ہیئت کذائی سے چھیلا بنے ہوئے سر بازار چھم چھم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ کلیم سے اور مرزا سے محفلِ مشاعرہ میں تعارف ہوا۔ شدہ شدہ مرزا صاحب کلیم کے مکان پر تشریف لانے لگے۔ یہاں تک کہ چند روز سے تو دونوں میں ایسی گاڑھی چھنتے لگی تھی کہ

لے پرورش ۱۲ ؎ بے پروائی ۱۲ ؎ مراد ہے سرمایہ ۱۲ ؎ زبردستی کے بنائے ہوئے ۱۲ ؎ نیم آستین ۱۲ ؎ ریشمی کپڑے کی ۱۲ ؎ سنہرا روپہلا ۱۲ ؎ آدھی پنڈلی تک ۱۲ ؎ پائے جامہ کی چنٹ ۱۲ ؎ ایسی صورت اور وضع کے ساتھ ۱۲ ؎ بانکے ۱۲ ؎ شعر شاعری کی محفل ۱۲ ؎ جان پہچان ۱۲ ؎ محاورہ ہے۔ مراد ہے گہری ۱۲ ؎ ۱۲ ٭

گویا ایک جان و دو قالب تھے۔ کلیم کو تو مرزا کے مکان پر جانے کا کبھی بھی اتفاق نہیں ہوا مگر مرزا شام کو تو کبھی کبھی لیکن صبح کو بلا ناغہ آتے اور تمام تمام دن کلیم کے پاس رہتے۔ مرزا نے اپنا حال اصلی کلیم پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کلیم یہی جانتا تھا کہ جمعدار کا تمام ترکہ مرزا کو ملا۔ اور وہ جمعدار کے محلسرا کو مرزا کے محلسرا اور جمعدار کے دیوان خانے کو مرزا کا دیوان خانہ اور جمعدار کے بیٹے پوتوں کے نوکروں کو مرزا کے نوکر سمجھتا تھا۔ اور اسی غلط فہمی میں وہ گھر سے نکلا تو سیدھا جمعدار کی محلسرا کی ڈیوڑھی پر جا موجود ہوا۔ بار بار کے پکارنے اور کنڈی کھڑکھڑانے سے دو لونڈیاں چراغ لیے ہوئے اندر سے نکلیں اور ان میں سے ایک نے پوچھا کون صاحب ہیں اور اتنی رات گئے کیا کام ہے۔ کلیم۔ جاؤ مرزا کو بھیجدو۔ لونڈی۔ کون مرزا۔ کلیم۔ مرزا ظاہر دار بیگ جن کا مکان ہے اور کون مرزا۔ لونڈی۔ یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں ہے۔ اتنا کہہ کر قریب تھا کہ لونڈی پھر کواڑ بند کرے جلدی سے کلیم نے کہا کیوں جی کیا یہ جمعدار صاحب کی محل سرا نہیں ہے۔ لونڈی۔ ہے کیوں نہیں۔ پھر تم نے یہ کیا کہا کہ یہاں کوئی مرزا ظاہر دار بیگ نہیں۔ کیا ظاہر دار بیگ جمعدار کے وارث اور جانشین نہیں ہیں۔ لونڈی۔ جمعدار کے وارثوں کو خدا سلامت رکھے۔ موا ظاہر دار بیگ جمعدار کا وارث بننے والا کون ہوتا ہے۔ دوسری لونڈی۔ اری کمبخت یہ کہیں مرزا بانکے کے بیٹے کو نہ پوچھتے ہوں۔ وہ ہر جگہ اپنے تئیں جمعدار کا بیٹا بنایا کرتا ہے (کلیم کی طرف مخاطب ہو کر) کیوں میاں وہی ظاہر دار بیگ نا جن کی رنگت زرد زرد ہے۔ آنکھیں کرنجی۔ چھوٹا قد۔ دبلا ڈیل۔ اپنے تئیں بہت بنائے سنوارے رہا کرتے ہیں۔ کلیم۔ ہاں ہاں وہی ظاہر دار بیگ۔ لونڈی۔ تو میاں اس مکان کے پچھواڑے اپلوں کی ٹال کی برابر ایک چھوٹا سا کچا مکان ہے وہ اُس میں رہتے ہیں۔ کلیم نے وہاں جا آواز دی۔ تو کچھ دیر بعد مرزا صاحب تنگ دھڑنگ جانگھیہ پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔ اور کلیم کو دیکھ کر شرمائے۔ اور بولے آہا آپ ہیں معاف کیجیے گا۔ میں سمجھا کوئی اور صاحب ہیں۔ بندے کو کپڑا پہن کر سونے کی عادت نہیں۔ میں ذرا کپڑے پہن آؤں تو آپ کے ہم رکاب چلوں۔ کلیم چلیے گا کہاں میں آپ ہی کے پاس تک آیا تھا۔ مرزا پھر اگر کچھ دیر تشریف رکھنا منظور ہو تو میں اندر پردہ کرا دوں۔ کلیم۔ میں آج شب کو آپ ہی کے یہاں رہنے کی نیت سے آیا ہوں۔ مرزا بسم اللہ تو چلیے اسی مسجد میں تشریف رکھیے بڑی فضا کی جگہ ہے[1]

---

[1] یعنے مسجد کا صحن خوب وسیع ہے ۱۲

میں ابھی آیا۔ کلیم نے جو مسجد میں آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک نہایت پرانی چھوٹی سی مسجد ہے۔ وہ بھی مسجد ضرار[1] کی طرح ویران۔ وحشت ناک۔ نہ کوئی حافظ ہے۔ نہ مُلاں نہ طالب العلم۔ نہ مسافر۔ ہزار ہا چمگدڑیں اُس میں رہتی ہیں۔ کہ اُن کی تسبیح[2] بے ہنگام سے کان کے پردے پھٹے جاتے ہیں۔ فرش پر اس قدر بیٹ پڑی ہے کہ بجائے خود دھڑ بجے کا فرش بن گیا ہے۔ مرزا کے انتظار میں کلیم کو چار و ناچار اسی مسجد میں ٹھہرنا پڑا۔ مرزا آئے[3] بھی تو اتنی دیر کے بعد کہ کلیم مایوس[4] ہو چکا تھا۔ قبل اس کے کہ کلیم شکایت کرے مرزا صاحب بطور دفع دخل[5] مقدر فرمانے لگے کہ بندے کے گھر میں کئی دن سے طبیعت علیل ہے۔ خفقان کا عارضہ اختلاج[6] قلب کا روگ ہے۔ اب میں جو آپکے پاس سے گیا تو اُن کو غشی میں پایا۔ اسوجہ سے دیر ہوئی۔ پہلے یہ تو فرمائیے کہ اس وقت بندہ نوازی فرمانے کی کیا وجہ ہے۔ کلیم نے باپ کی طلب۔ اپنا انکار۔ بھائی کی التجا۔ ماں کا اصرار تمام ماجرا کہہ سُنایا مرزا۔ پھر اب ارادہ کیا ہے۔ کلیم۔ سوائے اس کے کہ اب گھر لوٹ کر جانے کا ارادہ تو نہیں ہے اور جو آپ کی صلاح ہو۔ مرزا۔ خیر نیست[7] شب حرام صبح تو ہو۔ آپ بے تکلف استراحت[8] فرمائیے۔ میں جا کر بچھونا وغیرہ بھیجے دیتا ہوں۔ اور مجھ کو مریضہ کی بیمار داری کے لیے اجازت دیجئے کہ آج اس کی علالت میں اشتداد[9] ہے۔ کلیم۔ یہ ماجرا کیا ہے۔ تم تو کہا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں دوہری محل سرائیں۔ متعدد دیوان خانے۔ کئی پائیں باغ ہیں۔ حوض اور حمّام اور کٹرے اور گنج اور دُکانیں اور سرائیں میں تو جانتا ہوں عمارت کی قسم سے کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس کو تم نے اپنی ملک نہ بتایا ہو۔ یا یہ حال ہے کہ ایک متنفس کے واسطے ایک شب کے لیے تم کو جگہ میسر نہیں۔ جو جو حالات تم نے اپنی زبان سے بیان کیے اُن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جمعدار کے تمام ترکے پر تم قابض اور متصرف ہو۔ لیکن میں اُس تمام جاہ و حشمت کا ایک شمّہ بھی نہیں دیکھتا۔ مرزا۔ آپ کو میری نسبت سخن سازی کا احتمال ہونا سخت تعجب کی بات ہے۔ اتنی مدّت مجھ سے آپ سے صحبت رہی مگر افسوس ہے آپ نے میری طبیعت اور میری عادت کو نہ پہچانا۔ یہ اختلاف حالت جو آپ دیکھتے ہیں اس کی ایک وجہ ہے۔ بندے کو جمعدار صاحب مرحوم و مغفور نے متبنّیٰ کیا تھا اور اپنا جانشین کر مرے تھے۔ شہر کے کل رؤسا اس سے واقف و آگاہ ہیں۔ اُن کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس میں رخنہ اندازیاں کیں[10]

---

[1] پیغمبر صاحب کے وقت میں بعض لوگوں نے ضد میں آکر دوسری مسجد کو اُجاڑنے کے لیے ایک مسجد بنائی تھی پیغمبر صاحب نے اس کو ڈھوا دیا۔ یہ اس مسجد کی طرف اشارہ ہے ۱۲ [2] بے وقت کی تسبیح سے مُراد اُن کا شور و غل ہے ۱۲ [3] کلام پر کوئی اعتراض پڑتا ہوا معلوم ہو اور پہلے سے اُسکو جواب دے دیا جائے ۱۲ [4] نا امید ۱۲ [5] دل کی دھڑکن ۱۲ [6] یہ فارسی کی مثل ہے یعنی رات کے ارادے کی کچھ سند نہیں ۱۲ [7] آرام ۱۲ [8] سختی۔ زور ۱۲ [9] بے پالک ۱۲ [10] یعنی اس میں طرح طرح کے خلل ڈالے ۱۲ +

بندے کو آپ جانتے ہیں کہ بکھیڑے سے کوسوں بھاگتا ہی صحبتِ ناملائم[1] دیکھ کر کنارہ کش ہو گیا لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ بندوبست کا حوصلہ نہیں۔ اُسی روز سے اندر باہر واویلا مچی ہوئی ہی۔ اور اس بات کے مشورے ہو رہے ہیں کہ بندے کو منالے جائیں۔ کلیم۔ لیکن آپ نے کبھی اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ مرزا۔ اگر میں آپ سے یا کسی سے تذکرہ کرتا تو استقلالِ مزاج سے بے بہرہ اور غیرت و حمیت[2] سے بے نصیب ٹھہرتا۔ اب آپ کو کھڑے رہنے میں تکلیف ہوتی ہی اجازت دیجیے کہ میں جا کر بچھونا بچھوا دوں ورہ لیفہ کی بہار داری کروں۔ کلیم۔ خیر مقامِ مجبوری ہی۔ لیکن پہلے ایک چراغ تو بھیج دیجیے۔ تاریکی کی وجہ سے طبیعت اور بھی گھبراتی ہی مرزا۔ چراغ کیا میں نے تو لمپ روشن کرانے کا ارادہ کیا تھا لیکن گرمی کے دن ہیں پروانے بہت جمع ہو جائیں گے اور آپ زیادہ پریشان ہو جیے گا اور اس مکان میں ابابیلوں کی بھی کثرت ہی روشنی دیکھ کر گرنے شروع ہو گئے اور آپ کا بیٹھنا دشوار کر دیں گے تھوڑی دیر صبر کیجے کہ ماہتاب نکلا آتا ہی۔ کلیم جب گھر سے نکلا تو کھانا تیار تھا۔ لیکن وہ اس قدر طیش[3] میں تھا کہ اُس نے کھانے کی مطلق پروا نہ کی۔ اور بے کھائے نکل کھڑا ہوا مرزا سے ملنے کے بعد وہ منتظر تھا کہ آخر مرزا خود پوچھیں ہی گے تو کہہ دوں گا۔ مرزا کو ہر چند کھانے کی نسبت پوچھنا ضرور تھا کیونکہ اوّل تو کچھ ایسی رات زیادہ نہیں گئی تھی دوسرے یہ اُس کو معلوم ہو چکا تھا کہ کلیم گھر سے لڑ کر نکلا ہی تیسرے دونوں میں بے تکلفی غایت درجے کی تھی۔ لیکن مرزا قصداً اس بات سے متعرض[4] ہی نہ ہوا۔ اور کلیم بے چارے کا بھوک کے مارے یہ حال کہ مسجد میں آنے سے پہلے اُس کی انتڑیوں[5] نے قل ہو اللہ پڑھنی شروع کر دی تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ مرزا کسی طرح اس پہلو پر نہیں آتا اور عنقریب تمام شب کے واسطے رخصت ہوا چاہتا ہی تو بے چارے نے بے غیرت بن کر خود کہا کہ سنو یار میں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ مرزا۔ سچ کہو۔ نہیں جھوٹ بہکاتے ہو۔ کلیم۔ تمھارے سر کی قسم میں بھوکا ہوں۔ مرزا۔ ہر و خدا تو آتے ہی کیوں نہیں کہا۔ اب اتنی رات گئے کیا ہو سکتا ہی۔ دکانیں سب بند ہو گئیں اور جو ایک دو کھلی بھی ہیں تو باسی چیزیں رہ گئی ہوں گی جن کے کھانے سے فاقہ بہتر۔ گھر میں آج آگ تک نہیں سلگی۔ مگر ظاہراً تم سے بھوک کی سہار ہونی مشکل معلوم ہوتی ہی۔ دیو[6] بھوک کو زیر کرنا بڑی ہمت والوں کا کام ہی۔ ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہی کہ جاؤں چھدامی بھڑ بھونجے کے یہاں سے گرما گرم خستہ چنے کی دال بھنوا لاؤں۔ بس ایک دھیلے کی مجھ کو اور تم کو دونوں کو کافی ہو گی۔ رات کا وقت ہی۔ ابھی کلیم کچھ

[1] ناموافق مزاج [2] غصہ [3] یعنی اس کا مذکور ہی نہ چھیڑا [4] مراد۔ ہی۔ تا معدہ ہی۔ بھوک کے وقت پیٹ قراقر کرنے لگتا ہی اسی کو انتڑیوں کا قل ہو اللہ پڑھنا کہتے ہیں [6] بھوک کے دیو کو دبا تا ہی

کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ مرزا جلدی سے اُٹھ باہر گئے اور چشم زدن[1] میں چنے بھنوا لائے۔ مگر دھیلے کے کہہ کر گئے تھے یا تو کم کے لائے یا راہ میں دو چار پھنکے لگائے۔ اس واسطے کہ کلیم کے روبرو دو تین مٹھی چنے سے زیادہ نہ تھے۔ مرزا۔ یار ہو بڑے خوش قسمت اس وقت بھاڑ مل گیا۔ ذرا واللہ ہاتھ تو لگاؤ دیکھو تو کیسے جھلس رہے ہیں۔ اور سوندھی سوندھی خوش بو بھی عجب ہی دل فریب ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہو کہ لوگوں نے خس اور مٹی کا عطر نکالا مگر بھنے ہوئے چنوں کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا[2]۔ کوئی فن ہو کمال بھی کیا چیز ہے۔ دیکھیے اتنی تو رات گئی ہو مگر چھدامی کی دُکان پر بھیڑ لگی ہوئی ہے بندے نے تحقیق سُنا ہو کہ حضور[3] والا کے خاصے[4] میں چھدامی کی دُکان کا چنا بلاناغہ لگ کر جاتا ہے۔ اور واقع میں ذرا آپ غور سے دیکھیے کیا کمال کرتا ہو کہ بھوننے میں چنوں کو سُڈول بنا دیتا ہے۔ بھئی تمھیں میرے سر کی قسم سچ کہنا۔ ایسے خوب صورت خوش قطع سُڈول چنے تم نے پہلے بھی کبھی دیکھے تھے۔ دال بنانے میں اُس کو یہ کمال حاصل ہو کہ کسی دانے پر خراش تک نہیں ٹوٹنے پھوٹنے کا کیا مذکور۔ اور دانوں کی رنگت دیکھیے۔ کوئی بسنتی ہے۔ کوئی پستئی۔ غرض وہ تو رنگ خوشنما یوں صد ہا قسم کے غلے اور پھل زمین سے اُگتے ہیں لیکن چنے کی لذت کو کوئی نہیں پاتا۔ آپ نے وہ ایک ظریف[5] کی حکایت سُنی ہو۔ کلیم۔ فرمائیے۔ مرزا۔ چنا ایک مرتبہ حضرت میکائیل کی خدمت میں جنکو ارزاق عباد کا اہتمام سپرد ہو فریاد لے کر گیا کہ یا حضرت میں نے ایسا کیا قصور کیا ہو کہ جوں ہی[6] زمین سے باہر نکلا تیرِ[7] ستم چلنے لگا۔ ماکولات اور بھی ہیں مگر جیسے جیسے ظلم مجھ پر ہوتے ہیں کسی پر نہیں ہوتے۔ نشو[8] و نما کے ساتھ تو میری قطع و برید ہونے لگتی ہو میری کو پلوں کو توڑ کر آدمی ساگ بناتے اور مجھے کچے کو کھا جاتے ہیں۔ جب بار آور[9] ہوا تو خدا جھوٹ نہ بلوائے آدمی بکری بن کر لاکھوں من ہوٹ چر جاتے ہیں۔ اس سے نجات ملی تو ہولے کرنے شروع کیے۔ پکا تو شاخ و برگ بھس بن کر بیلوں اور بھینسوں کے دوزخ شکم کا ایندھن ہوا۔ رہا دانہ اُس کو چکی میں دلیں۔ گھوڑوں کو کھلائیں۔ بھاڑ میں بھونیں۔ بیسن بنائیں۔ کھولتے ہوئے پانی میں اُبالیں گھنگھنیاں پکائیں۔ غرض شروع سے آخر تک مجھ پر طرح طرح کی آفتیں نازل رہتی ہیں۔ چنے کا حضرت میکائیل کے دربار میں اس طرح پر بے باکانہ

---

[1] پل بھر میں۔ پلک مارنے میں ۱۲ [2] یعنے کسی کو یہ نہیں سوجھی کہ بھنے ہوئے چنوں کا عطر نکلواتا ۱۲ [3] مراد ہو بادشاہ ۱۲ [4] خاص شاہی کھانا ۱۲ [5] خوش مزاج ۱۲ [6] ظلم کا کھٹکا ۱۲ [7] کھانے کی چیزیں ۱۲ [8] اُگنے اور بڑھنے ۱۲ [9] پھل لایا ۱۲

چٹر پٹر بولنا سُن کر حاضرین دربار اس قدر ناخوش ہوئے کہ ہر شخص اُس سے کھانے کو دوڑا۔ چنانچہ یہ ماجری دیکھ کر بے انتظار حکم اخیر رخصت ہوا۔ سو حضرت یہ چنے ایسے لذت کے بنے ہیں کہ فرشتوں کے دندان آزِ[1] بھی ان پر تیز ہیں۔ افسوس ہے کہ اس وقت نمک مرچ بہم نہیں پہنچ سکتا ورنہ میر مدّو کے کبابوں میں یہ خستگی اور یہ سوندھا پن کہاں۔ غرض مرزا نے اپنی چرب[2] زبانی سے چنوں کو ٹھی کی تلی دال بنا کر اپنے دوست کلیم کو کھلایا۔ کلیم بھوکھا تو تھا ہی اُس کو بھی ہمیشہ سے کچھ زیادہ مزے دار معلوم ہوئے۔ مرزا نے گھر جا کر ایک میلی دری اور ایک کثیف[3] سا تکیہ بھیج دیا۔ دو ہی گھڑی میں کلیم کی حالت کا اس قدر متغیر ہو جانا عبرت کا مقام ہے۔ یا تو خلوت خانے اور عشرت منزل میں تھا یا اب ایک مسجد میں آ کر پڑا اور مسجد بھی ایسی جس کا حال تھوڑا سا ہم نے اوپر بیان کیا۔ گھر کے الوانِ[4] نعمت کو لات مار کر نکلا تھا۔ تو پہلے ہی وقت چنے چبانے پڑے۔ نہ چراغ نہ چارپائی۔ نہ بہن نہ بھائی۔ نہ مونس۔ نہ غمخوار۔ نہ نوکر نہ خدمت گار مسجد میں اکیلا ایسا بیٹھا تھا جیسے قید خانے میں حاکم کا گنہگار یا قفس میں مرغ نوگرفتار۔ اور کوئی ہوتا تو اس حالت پر نظر کر کے تنبیہ پکڑتا۔ اپنی حرکت سے توبہ اور اپنے افعال سے استغفار کرتا اور اُسی وقت نہیں تو سویرے علی[5] الصبح دم باپ کے ساتھ نمازِ صبح میں جا شریک ہوتا۔ لیکن کلیم کو اور بہت سے مضمون سوجھنے کو تھے۔ اُس نے رات بھر میں ایک قصیدہ تو مسجد کی ہجو میں تیار کیا اور ایک مثنوی مرزا کی شان میں۔ صبح ہوتے آنکھ لگ گئی تو نہیں معلوم مرزا یا محلے کا کوئی اور عیّار[6] ٹوپی جوتی۔ رومال۔ چھڑی۔ تکیہ۔ دری۔ یعنی جو چیز کلیم کے بدن سے منفک[7] اور اُس کے جسم سے جدا تھی لے کر چنپت[8] ہوا۔ یوں بھی کلیم بہت دیر تو سو کر اُٹھتا[9] تھا اور آج تو ایک وجہ خاص تھی۔ کوئی پہر سوا پہر دن چڑھے جاگا تو دیکھتا کیا ہے کہ فرش مسجد پر پڑا ہے۔ اور نیند کی حالت میں جو کروٹیں لی ہیں تو سیروں گرد کا بھبوت اور چمگادڑوں کی بیٹ کا ضماد بدن پر تھپا ہوا ہے۔ حیران ہوا کہ قلب[10] ماہیت ہو کر میں کہیں بھتنا تو نہیں بن گیا مرزا کو ادھر دیکھا اُدھر دیکھا کہیں پتہ نہیں۔ مسجد بھی ویران اس ہیئت کی کہاں صبح کر کے بیٹھا رہا۔ کہ کوئی اللہ کا بندہ ادھر کو آنکلے تو اُس کے ہاتھ مرزا کو بلواؤں۔ اور یا منہ ہاتھ دھو کر خود مرزا تک جاؤں اس میں دوپہر ہونے آئی۔ بارے ایک لڑکا کھیلتا ہوا آیا۔ جوں ہی نیچے پر چڑھا کہ کلیم اُس

---

[1] حرص کے دانت ۱۲ [2] چکنی چپڑی باتوں سے ۱۲ [3] میلا کچیلا ۱۲ [4] رنگ برنگ کی نعمتیں یعنی کھانے ۱۲ [5] علی الصباح صبح وقت صبح کا گجر[illegible] [6] چالاک ۱۲ [7] علیحدہ ۱۲ [8] چلتا بنا ۱۲ [9] بیب ۱۲ [10] مراد یہ ہے کہ میں آدمی تھا اب کہیں بدل کر بھتنا تو نہیں بن گیا ۱۲ +

عرضِ مطلب کرنے کے لیے لپکا۔ وہ لڑکا اُس کی ہیئت کذائی دیکھ ڈر کر بھاگا۔ خدا جانے اُس نے اسکو مجذوب سمجھا یا سڑی[1] خیال کیا۔ کلیم نے بہتیرا پکارا اُس لڑکے نے پیٹھ پھیر کر نہ دیکھا۔ ناچار کلیم نے بہزار مصیبت دوسرے فاقے سے شام پکڑی۔ اور جب اندھیرا ہوا تو اُلو کی طرح اپنے نشیمن[2] سے نکلا۔ سیدھا مرزا کے مکان پر گیا۔ آواز دی تو یہ جواب ملا کہ وہ تو بڑے سویرے کے قطب صاحب سدھارے ہیں کلیم نے چاہا کہ اپنا تعارف ظاہر کر کے ممکن ہو تو منھ دھونے کو پانی مانگے اور مرزا کی پھٹی پُرانی جوتی اور ٹوپی۔ تاکہ کسی طرح گلی کوچے میں چلنے کے قابل ہو جائے۔ یہ سوچ کر اُس نے کہا کیوں حضرت آپ مجھ سے بھی واقف ہیں۔ اندر سے آواز آئی ہم تمھاری آواز تو نہیں پہچانتے اپنا نام و نشان بتاؤ تو معلوم ہو۔ کلیم۔ میرا نام کلیم ہی اور مجھ سے اور مرزا ظاہر دار بیگ سے بڑی دوستی ہی۔ بلکہ میں شب کو مرزا صاحب ہی کیوجہ سے مسجد میں تھا۔ گھر والے۔ وہ دری اور تکیہ کہاں ہی جو رات تمھارے سونے کیلیے بھیجا تھا تکیہ اور دری کا نام سنکر تو کلیم بہت چکرایا اور ابھی جواب دینے میں متامّل تھا کہ اندر سے آواز آئی مرزا زبردست بیگ دیکھنا یہ مردوا کہیں چل نہ دے دوڑ کر تکیہ۔ دری تو اس سے لو۔ کلیم یہ بات سنکر بھاگا ابھی گلی کے نکڑ تک نہیں پہنچا تھا کہ زبردست نے چور چور کر کے جا لیا۔ ہر چند کلیم نے مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ اپنے حقوقِ معرفت ثابت کیے مگر زبردست[3] کا ٹھینگا سر پر اُس نے ایک نہ مانی اور پکڑ کر کوتوالی لے گیا۔ کوتوال نے سرسری طور پر دونو کا بیان سُنا اور کلیم سے اُس کا حسب نسب پوچھا۔ ہر چند کلیم اپنا پتا بتانے میں چھپتا تھا مگر چار و ناچار اُس کو بتانا پڑا لیکن اُس کی حالت ظاہری ایسی ابتر ہو رہی تھی کہ اُس کا سچ بھی جھوٹ معلوم ہوتا تھا۔ کوتوال نے سنکر یہی کہا کہ میاں نصوح جن کو تم اپنا والد بتاتے ہو میں اُن کو خوب جانتا ہوں۔ اور یہ بھی مجھکو معلوم ہی کہ اُن کے بڑے بیٹے کا یہی نام ہی۔ جو تم نے اپنا بیان کیا محلے کا پتا گھر کا نشان بھی جو تم نے کہا سب ٹھیک۔ مگر کلیم تو ایک مشہور معروف آدمی ہی آج شہر میں اُس کی شاعری کی دھوم ہی۔ تمھاری یہ حیثیت کہ ننگے سر ننگے پاؤں بدن پر کیچڑ تھپی ہوئی مجھ کو باور نہیں ہوتا۔ اچھا اب رات کو کیا ہو سکتا ہی جرم سنگین[4] ہی ان کو حوالات میں رکھو صبح ہو میں ان کے والد کو بلواؤں تو ان کے بیان کی تصدیق ہو۔ کلیم یہ سُن کر رو دیا کہ میں وہی بدنصیب ہوں جس کی شعر گوئی کا شہرا آپ نے سُنا ہی۔ اور آپ کو یقین نہ ہو تو میں افکار تازہ آپ کو سناؤں

[1] دیوانہ۔ مجنون ۱۲ [2] گھونسلا ۱۲ [3] کہاوت ہی۔ یعنے زبردست کی مار سہنی ہی پڑتی ہی ۱۲ [4] بھاری۔ سخت ۱۲ +

چنانچہ کل شب کو جو کچھ مسجد و مرزا کی شان میں کہا تھا سُنایا اُس پر کوتوال نے اتنی رعایت کی کہ دو سپاہی کلیم کے ساتھ کیے اور اُن کو حکم دیا کہ ان کو میاں نصوح کے پاس لے جاؤ۔ اگر وہ اِن کو اپنا فرزند بتائیں تو چھوڑ دینا ورنہ واپس لاکر حوالات میں قید رکھنا۔ کلیم پر اِس کیفیت سے باپ کے روبرو آنا جیسا کچھ شاق[1] گزرا ہوگا ظاہر ہے۔ مگر کیا کر سکتا تھا۔ سپاہی اُس کو کشاں[2] کشاں لے ہی گئے۔ محلے کی مسجد جس میں نصوح نماز پڑھا کرتا تھا اُس کے گھر سے بہت قریب تھی۔ صحن مسجد میں ایک شاداب[3] چمن تھا۔ اور چمن کے بیچ بیچ ایک پکا مرتفع[4] چبوترہ عجب تفریح[5] کا مقام تھا۔ نصوح بیشتر نماز عشا کے بعد خصوصاً چاندنی راتوں میں اُس چبوترے پر بیٹھ کر پھول بوٹوں میں خداوند تعالیٰ کی صنعت[6] کا ملاحظہ کیا کرتا تھا اس کو بیٹھا دیکھ دوسرے نمازی بھی جمع ہو جاتے تھے۔ اور نصوح کو وعظ و پند کے طور پر ان کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع ملتا تھا۔ نصوح اور اُس کے مستمعین[7] مسجد کے چبوترے پر جمع ہوتے جاتے تھے کہ کوتوالی چبوترے کے سپاہی کلیم کو لیے آ پہنچے۔ یہ اتفاق من[8] جانب اللہ شاید اس وجہ سے پیش آیا کہ جو لوگ کلیم کی نظر میں صرف اس وجہ سے ذلیل تھے کہ وہ اپنے خالق کی پرستش کرتے تھے یا اپنے اور بال بچوں کے پیٹ بھرنے کے لیے محنت مزدوری کر کے بوجہ حلال روزی پیدا کرتے تھے اُن کے سامنے اُس کی گردنِ نخوت[9] نیچی ہو۔ اب وہ اُن ہی قل اعوذیوں اور مردہ شوؤں اور بھک منگوں اور ٹکڑ گداؤں کے روبرو اس حیثیت سے کھڑا تھا کہ منکر نکیر[10] کی طرح دو سپاہی اُس کی گردن پر سوار تھے۔ نہ سر پر ٹوپی نہ پاؤں میں جوتی۔ دو وقت کے فاقے سے مُنھ سوکھ کر ذری سا نکل آیا تھا۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے۔ ہونٹھوں پر پپڑیاں جم رہی تھیں۔ کپڑوں کا وہ حال تھا کہ ایسے لباس سے ننگا ہوتا تو بہتر تھا۔ جوں نصوح کی نظر بیٹے پر پڑی گویا ایک تیر سا کلیجے میں لگ گیا۔ اگر پہلا سا نصوح ہوتا تو نہیں معلوم عورتوں کی طرح ڈاڑھیں مار کر روتا۔ یا سر پٹنے لگتا یا دوڑ کر بیٹے کو لپٹ جاتا۔ یا سپاہیوں سے بے پوچھے گچھے دست[11] گریباں ہو پڑتا یا خدا جانے اضطراب جاہلانہ میں کیا کرتا۔ مگر اب اُس کے جملہ حرکات و سکنات معلّم دین داری کے مطیع اور مؤدبِ خدا پرستی کے تابع تھیں اُس نے ایک دم سرد بھر کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط تو کہا اور اُف بھی نہ کی

[1] ناگوار ۱۲ [2] کھینچتے کھینچے ۱۲ [3] ہرا بھرا ۱۲ [4] اونچا ۱۲ [5] یعنی وہاں بیٹھنے سے طبیعت خوش ہو جاتی ہے ۱۲ [6] کاریگری ۱۲ [7] سننے والے ۱۲ [8] خدا کی طرف سے ۱۲ [9] غرور ۱۲ [10] اُن دو فرشتوں کا نام ہے جو قبر میں باز پرس کرتے ہیں ۱۲ [11] یعنے اس کا ہاتھ سپاہیوں کے گریبان میں ہوتا اور ان کے ہاتھ اس کے گریبان میں یعنی سپاہیوں کے ساتھ ہاتھا پائی کی نوبت پہنچ جاتی ۱۲

سپاہیوں نے اُس سے کلیم کی نسبت پوچھا تو اس نے آنکھیں نیچی کر کے کہا کہ جب حضرت نوحؑ اپنے بیٹے
کو ڈوبتے دم تک بیٹا بیٹا پکارے گئے تو میں اس کے فرزند ہونے سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں سپاہی اتنا
سُنکر رخصت ہوئے اور کلیم کو رفقائے نصوح میں سے کسی نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا نصوح بیٹے
کی طرف مخاطب ہو کر بولا کیوں کلیم میں نے ایسا کونسا قصور کیا تھا کہ تم کو میری طلعتِ منحوس تک دیکھنی گوارا
نہ ہوئی تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ شفقت اولاد ماں باپ کی طبیعت میں مخمّر اور اُن کی جبلّت میں
داخل ہے۔ وہ شفقت جو اس وقت مجھ کو اس بات کی محرّک ہوئی کہ میں سپاہیوں کے پنجے سے تمھاری نجات کا
باعث ہوا۔ وہی شفقت مجھ کو اس بات پر بھی مجبور کرتی تھی اور کرتی ہے اور کرے گی کہ میں تم کو ایسی راہ نہ چلنے
دوں جو تمھاری ابدی ہلاکت کا باعث اور دائمی تباہی کا موجب ہو۔ میں نے تم سے نہیں کہا کہ میرے لیے
کمائی کرو۔ میری آسایش کے واسطے اپنے اوپر تکلیف اٹھاؤ۔ اور اگر میں ایسا کہتا بھی تو مجھ کو اس کا منصب اور
حق تھا۔ میں نے جس کمائی کو کہا وہ تمھارے ہی کام آئے گی۔ اور جس محنت کی تم کو تکلیف دی وہ تم
ہی کو آرام دے گی۔ اگر کسی بیمار کا طبیب مہربان سے پرہیز کسی سیاح کا بدرقہ خیر خواہ سے گریز
کرنا روا ہے تو بے شک تم بھی مجھ سے نفرت رکھ سکتے ہو۔ کیوں کلیم کیا ہمیشہ تمھاری خوشی مجھ کو منظور اور
تمھاری رضا جوئی مجھ کو ملحوظ نہیں رہی۔ اب جو تم نے مجھ کو اپنا دشمن قرار دیا اپنا عدو ٹھہرایا تو
دشمنی کا سبب عداوت کا موجب۔ میں نے سُنا ہے کہ تم مجھ کو دیوانہ۔ اور مجنوں اور مختل الحواس تجویز کرتے
ہو۔ سو میں تمھاری اس تشخیص صحیح اور تجویز درست اور اس فراستِ صائبہ پر جرح نہیں کرتا میں
باؤلا اور سڑی اور پاگل سہی لیکن اگر کوئی باؤلا تمھاری راہ میں کانٹے پڑے دیکھ کر تم کو آگاہ کرے کیا
اس کی بات کو نہ سُننا اس کی نصیحت کو نہ ماننا اس کی فریاد کی طرف ملتفت نہ ہونا شیوۂ دانشمندی ہے
پھر تم کو یہ بھی سوچنا چاہیے تھا اور چاہیے کہ آیا میں اکیلا اس جنون میں مبتلا ہوں یا اور بندگانِ
خدا بھی میری ہی سی رائے میرے ہی سے خیالات رکھتے ہیں۔ کلیم میں تم سے سچ کہتا ہوں
کہ جتنے بزرگانِ دین ہو گزرے ہیں رضا اُن کی پاکیزہ اور مطہر روحوں پر رحمتِ کاملہ نازل
کرے اور جتنے نیک بندے اب موجود ہیں خدا اُن کی حیات میں برکت دے کوئی اس جنون سے

---

[1] حضرت نوحؑ کا بیٹا کافر تھا طوفان آیا تو وہ حضرت نوحؑ کی کشتی میں بھی نہ آیا اور ڈوب مرا حضرت نوحؑ آخر تک اس کو بلاتے اور اس کے لیے خدا کی بارگاہ میں دعا کرتے رہے ۱۲ [2] صورت شکل ۱۲ [3] خمیر میں داخل ۱۲ [4] اصل طبیعت ۱۲ [5] یعنی جس مہربانی نے مجھ سے یہ بات کرائی کہ [6] ہمیشہ کی ۱۲ [7] جو شخص سیر کرتا پھرتا ہو ۱۲ [8] راہ بتانیوالا ۱۲ [9] شکل سے ایک بات کو جان لینا ۱۲ [10] ٹھیک درست ۱۲ [11] اعتراض ۱۲

خالی نہیں۔ بلکہ جس کو جتنا یہ جنون زیادہ اسی قدر وہ برگزیدہ اور خدا رسیدہ زیادہ۔ کیا اس بات کا
اقرار کرنا جنون ہے کہ ہم بندے ہیں۔ اور اس کا بھی ہم پر کچھ حق ہے جس نے ہم کو پیدا کیا۔ جو ہم کو روزی
دیتا ہے جو ہم کو جلاتا اور مارتا ہے۔ جو پانی برساتا اور زمین سے ہمارے لیے سرمایۂ حیات اگاتا ہے جس
نے ہماری جانوں کی شادابی اور تازگی کے لیے آب شیریں اور خوشگوار کے سوتے زمین میں جاری
کر رکھے ہیں۔ اور ہماری روحوں کے انبساط کے لیے ہوا کا ذخیرہ کافی مہیا فرما دیا ہے۔ جس کے حکم سے
چاند سورج اپنے معمول سے نکلتے اور غروب ہوتے ہیں۔ تاکہ کام کرنے کے لیے دن ہو اور آرام لینے
کے لیے رات جس نے دنیا کے وحشی ہیکل اور زبردست جانوروں کو ہمارا مطیع اور منقاد بنا دیا ہے کہ ان
سے ہم سواری لیتے۔ ان پر اپنا بوجھ لادتے۔ ان کے گوشت اور پوست اور دودھ سے مستفید
ہوتے ہیں۔ جس نے انسان کو گویائی اور بیان کی قوت عطا کی ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنا مافی الضمیر
اپنے ابنائے جنس پر ظاہر کر سکتا ہے۔ جس نے انسان ضعیف البنیان کو عقل کی قوت اور دانش کی طاقت
دے کر روے زمین کا بادشاہ اور مخلوقات کا حاکم بنایا ہے جس نے کائنات میں سے ہر موجود کو اس
کی مناسب حالت خلق کیا ہے۔ اگر دنیا کے سارے درخت قلموں میں صرف کر دیے جائیں۔ اور ساتوں سمندر
کا پانی سیاہی کی جگہ کام میں لایا جائے۔ اور پڑھے لکھے لوگ جتنے ابتدائے آفرینش سے اب تک
ہو چکے اور اب موجود ہیں اور آیندہ پیدا ہونے والے ہیں سب کے سب مل کر اس کی تعریف اس
کے احسانات۔ اس کے انعامات روز قیامت تک بیٹھے لکھا کریں تو لکھتے لکھتے درخت ہو چکیں۔
سمندر سوکھ جائیں۔ لکھنے والے تھک کر بیٹھ رہیں۔ مگر اس کے حق واجب کا ایک عشر عشیر بھی ادا
نہو۔ تسلیم خدا ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ دنیا میں کوئی اس کا منکر نہیں اور نہ اس سے انکار ممکن ہے
ہیضے کی وبا کو دفع ہوئے برس نہیں گزرا تمھارے دیکھتے کیسے کیسے لوگ چٹ گئے۔ توانا۔ اچھے بھلے
چلتے پھرتے امیر و غریب۔ عالم و جاہل۔ بڈھے اور بچے کس طرح سے سیکڑوں ہزاروں بالاتفاق فنا ہو گئے۔ سدا
نام اللہ کا۔ دنیا پھر کیا منحصر ہے کثرت سے ہم زیادہ ہو کم۔ مرنا حق اپنا بھی پیچھے لگا ہوگا۔ وہی عقل
وہی فہم وہی زیرک وہی دانشمند ہے جو اس سوال کا جواب پہلے سے سوچ رکھے۔ جو پہلے ہو چکے

سلہ مقبولوں [illegible]

مراد ہیں [illegible]

کلیم! انسان کی خاص طرح کی خلقت یعنی اُس کا وجود عاقل ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ ضرور اس سے
کوئی بڑی خدمت متعلق ہو اور اس کے ذمے زیادہ جواب دہی ہو۔ اگر اس کا صرف یہی کام ہوتا کہ پیٹ
بھر لے اور سو رہے اور گرمی سردی سے اپنے تئیں بچائے تو اس کے لیے زیادہ عقل ضرورت نہ تھی
جانور اپنے بڑے بڑے حقوق کی نگہداشت پر بخوبی قادر ہیں حالانکہ عقل سے بے بہرہ اور دانش سے
بے نصیب ہیں پس اس خدمت اور اس ذمہ داری کو دریافت کرنا شرط انسانیت ہے۔ نصوح کا وعظ سنکر
اُسکے ہمراہیوں کے دلوں میں دینداری کے ولولے اور خدا پرستی کے جوش تازہ ہو گئے۔ حاضرین میں کلیم سوائے
کوئی شخص نہ تھا جس پر تھوڑی یا بہت رقت طاری نہ ہوئی ہو۔ لیکن کلیم بقول سعدی شیرازیؒ ؎

باسیہ دل چہ سود گفتن وعظ ✣ نرود میخ آہنی در سنگ

سکوت کی حالت میں سرنگوں تھا۔ اس کا سکوت یا تو اس وجہ سے تھا کہ نصوح کا سلسلۂ سخن بلا فصل تھا
اور اس کو بیچ میں بات کہنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ یا وہ دوسرے دوسرے منصوبے سوچ رہا تھا۔ اس کا
سرنگوں ہونا بھی کچھ گناہ کی ندامت سے نہ تھا بلکہ اپنی جہالت کی شرمندگی سے۔ جب نصوح نے دیکھا کہ وہ ہاں
نہیں کچھ بھی نہیں کہتا تو اس نے ذرا گرم ہو کر اتنی بات کہی کہ بڑی دقت تو اس معاملے میں مجھ کو یہ درپیش
ہے کہ تمہارا مافی الضمیر مجھ پر منکشف نہیں ہوتا۔ شروع میں تم نے میرے سامنے آنے سے گریز کیا اور اب
سامنا بھی ہوا تو بولے سو وہ ابھی تک کلیم نے کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالا تھا کہ نصوح کے ہمراہی جو کلیم کے
حالات سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ دینداری کی تاکید پر گھر سے نکل گیا ہے۔ بول اُٹھے
کہ اے حضرت میاں کلیم ماشاء اللہ بڑے ذہین اور نہایت ذکی اور عاقل ہیں جو کچھ آپ نے فرمایا انھوں
نے گرہ باندھا۔ اگرچہ باقتضائے سن اب تک لہو و لعب کی طرف متوجہ تھے مگر آپ دیکھیے گا کہ
ان شاء اللہ ایسے جوان صالح اور متشرع اور متقی نکلیں گے کہ اپنے ہم عمروں کے لیے نمونہ ہوں گے۔
آپ گھر میں تشریف لے جائیے یہ بھی آپ کے ساتھ جائیں گھر سے باتیں اور آپ کی نصیحت پر
عمل کریں جس میں دنیا اور دین دونوں کا فائدہ ہو۔ نصوح نے پھر کلیم کی طرف مخاطب ہو کر کہا

لہ جیسوں ... [illegible] ... خاموشی
[illegible] ... لے کر لیا
کرتے ہیں ... [illegible] ... پرہیزگار ۱۲ ✣

کیوں صاحب کچھ تم بھی تو اپنے دل کا ارادہ بیان کرو۔ کلیم۔ مجھ کو تو آپ اتنی اجازت دیجیے کہ گھر سے اپنی ضرورت کی چند چیزیں منگوا لوں۔ نصوح۔ سخت افسوس ہے کہ تم دنیا کی چند روزہ اور عارضی ضرورتوں کا تو اہتمام کرتے ہو اور دین کی بڑی ضرورت سے غافل ہو۔

+ غمِ دینِ خور کہ غم غمِ دین ست + ہمہ غم ہا فروتر از این ست +

ضرورت کی چیزیں منگوا لینا کیا معنی تم شوق سے گھر میں چلو۔ غالباً میری نسبت کہ تم کو اس گھر میں زیادہ دنوں رہنا ہے۔ پس وہ گھر میرا کیوں فرض کر لیا گیا ہے۔ تمہاری ماں بہت بے تاب ہے۔ چھوٹے بڑے سب فکرمند ہیں میرے جرم کی سزا دوسروں کو دینا شیوۂ انصاف سے بعید ہے۔ کلیم۔ مجھ کو معلوم ہے کہ آپ چند روز سے دینداری اور خدا پرستی کے نام سے نئے نئے دستور۔ نئے نئے طریقے۔ نئے نئے قاعدے گھر میں جاری کرنے چاہتے ہیں۔ اور اس جدید انتظام میں جیسا کچھ اہتمام آپ کو منظور ہے میں کیا گھر میں کوئی متنفس اس سے بے خبر نہیں۔ ہر شخص اس بات کو اچھی طرح سے جان چکا ہے کہ اس انتظامِ جدید کی مخالفت کے ساتھ گھر میں رہ نہیں سکتا۔ پس میں نے اپنی طرف سے بہتیری کوشش کی کہ مجھ کو اپنی مخالفت آپ کے روبرو ظاہر کرنے کی ضرورت نہ ہو مگر آپ کے اصرار نے مجھ کو مجبور کر دیا۔ اور اب ناچار مجھ کو کہنا پڑا کہ میں شروع سے اس انتظام کا مخالف ہوں! اور میرا گریز میری رائے ظاہر کر دینے کے لیے کافی تھا۔ میں ایک بال برابر اپنی طرزِ زندگی کو نہیں بدل سکتا۔ اور اگر جبراً اور سخت گیری کے خوف سے میں اپنی رائے کی آزادی باقی نہ رکھ سکوں تو تف ہے میری ہمت پر اور نفریں ہے میری غیرت پر اور میں اس میں بھی کلام نہیں کرتا کہ آپ کو اپنے گھر میں ہر طرح کا انتظام کا اختیار حاصل ہے۔ مگر اس جبری انتظام کے وہی لوگ پابند ہو سکتے ہیں جن کو اس کی واجبیت تسلیم ہو یا جو اس کی مخالفت پر قدرت نہ رکھتے ہوں۔ اور چونکہ میں دونوں شقوں سے خارج ہوں میں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ گھر سے الگ ہو جاؤں۔ اور اگرچہ میری اس وقت کی حالت پر کہنا زیب نہیں دیتا لیکن ذرا مجھ کو دہلی سے نکلنے دیجیے تو پھر آپ اور سب لوگ دیکھ لیں گے کہ میں کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ قاعدہ ہے کہ وطن میں آدمی بے قدر ہوتا ہے چنانچہ آپ کے نزدیک بھی یہ بات ثابت ہے کہ مجھ کو گھر سے نکلنے پر بھیک مانگی نہیں ملے گی۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہی آپ کا فرزند نالائق و ناخلف ہو گا اور کسی امیر کی مصاحبت ہو گی یا کسی ریاست کی وزارت میں بیاہی احمق

---

[1] دین کا غم کھاؤ یعنے سوچ کرو تو دین کا کرو کیونکہ سوچنے کی چیز اگر تو دین ہی باقی سب دین کے بعد ۱۲، [2] تھو ۱۲، [3] صورتوں ۱۲، [4] آسائش ۱۲

نہیں ہوں کہ آپ پر نامہربانی کی تہمت لگاؤں آپ جو ہی بات فرماتے ہیں جو آپ میرے حق میں بہتر سمجھتے ہیں لیکن میری بے ادبی اور گستاخی معاف میں اپنے تئیں محتاج تعلیم و ہدایت نہیں سمجھتا۔ رہا گھر سو اُس میں صرف اسی شرط سے چل سکتا ہوں کہ آپ میرے نیک بد سے بحث میرے بھلے بُرے سے تعرض کرنے کا قول[1] واثق اور وعدہ حتمی[2] کریں۔ نصوح۔ اس کا یہ مطلب کہ تم نے مجھ کو منصب پدری سے معزول[3] کیا۔ کلیم نہیں آپنے مجھ کو فرزندی سے عاق فرمایا۔ اس کے بعد نصوح گھر میں آنے کی نیت سے اٹھا اور اُسکا ارادہ تھا کہ طوعاً[4] کرہاً جسطرح ممکن ہو کلیم کو ساتھ لواجائے۔ مگر کلیم نہیں معلوم کیوں کر نصوح کے بُطون کو تاڑ گیا کہ اسکو اُٹھتا دیکھ چبوترے سے جست کی تو صحن میں تھا اور صحن سے تڑپا تو احاطے کے باہر۔ لوگوں نے دوڑ کر دیکھا تو وہ بازار کے پرلے سرے جا چکا تھا۔ یہ دیکھ کر نصوح ہکا بکا[5] سا ہو کر رہ گیا۔ اور جس طرح اُس نے بیٹے کو سپاہیوں کے ہاتھوں میں گرفتار دیکھ کر اِنَّا لِلّٰہِ کہا تھا اب بیٹے سے جدا ہوتے وقت بھی وہ اِنَّا لِلّٰہِ کہہ کر چپ ہو رہا غرض کلیم نہ گھر گیا اور نہ گھر سے اُسکو کوئی چیز یعنی نصیب ہوئی اسی طرح اُلٹے پاؤں پھر کر چلا گیا نصوح کے پہنچتے پہنچتے یہ تمام ماجرا کسی نے گھر میں جا کہا اور مستورات[6] میں بیٹھے بٹھائے ایک کہرام مچ گیا فہمیدہ بے تاب ہو کر باؤلوں کی طرح دروازے میں آکھڑی ہوئی اور قریب تھا کہ پردے سے باہر نکل آئے کہ نصوح جا پہنچا بی بی کو دروازے میں کھڑا دیکھ حیران[7] ہو کر پوچھا کہ خیر تو ہے کہاں کھڑی ہو۔ فہمیدہ میاں کو دیکھ کر بلک[8] گئی اور گھبرا کر پوچھا کہ میرا کلیم کہاں ہے۔ نصوح۔ میرا کلیم۔ اگر کلیم تمھارا ہوتا تو تمھارے گھر میں ہوتا اور تمھارا اور باپ و بھائی اتنے اصرار اور اتنے سمجھانے اور اتنی منت اور اتنی خوش آمد پر بے پوچھے بے کہے گھر سے نہ چلا جاتا۔ فہیدہ۔ ابھی خدا کے لیے ذرا مجھ کو اُسکی صورت دکھا دو میں نے سُنا ہے کہ سر سے ننگا ہے پاؤں میں جوتی نہیں اُس نے کاہے کبھی زمین پر پاؤں رکھا تھا کنکر تلووں میں چبھتے ہوں گے۔ کون ہیں وہ موئے سپاہی تھے میرے بچے کے پکڑنیوالے۔ کھودا ہو تو الہی دیدے پھوٹیں۔ ہاتھ لگایا ہو تو خدا کرے پور پور سے کوڑھ ٹپکے۔ داری تھے وہ سپاہی اور قربان کیا تھا وہ کوتوال میرا بچہ اور چوری کرنے قابل۔ نصوح۔ کیسی بدعقلی کی باتیں کرتی ہو چلو گھر میں چلکر بیٹھو باہر گلی میں تمھاری آواز جاتی ہے۔ تمھاری اس بے تابی کی محبت نے اولاد کو دنیا اور دین دونوں سے تو کھو دیا اب دیکھیے کیا کرے گی۔ فہمیدہ۔ اچھا پھر کلیم گیا تو کہاں گیا۔ نصوح۔ جانے میری جوتی کہاں گیا۔ مجھ سے پوچھ کر گیا ہو تو بتاؤں۔ نہیں معلوم خدائی خوار کہاں تھا اور کیسے لوگوں میں تھا کہ جو رسوائی ہفتاد پشت سے

---

[1] مضبوط ۱۲ [2] پکا ۱۲ [3] موقوف ۱۲ [4] چار و ناچار ۱۲ [5] دلی ارادہ ۱۲ [6] حیران ۱۲ [7] عورتوں میں ۱۲ [8] بلبلا اٹھی ۱۲ [9] انگلیوں کے بند بند ۱۲

نہیں ہوئی تھی وہ اس مردک[1] کی وجہ سے ہوئی۔ اب مجھ کو شہر میں منہ دکھانا مشکل ہے۔ یا تو خدا اُس کو نیک
ہدایت دے۔ یا میں اُس کو تو کیا بددعا دوں مجھ کو ایمان سے اُٹھالے کہ ان تکلیفوں سے مجھ کو نجات ہو۔ فہمیدہ
کیوں کر تمہارے دل نے صبر کیا اور کن آنکھوں سے تم نے بیٹے کو اس حالت میں دیکھا۔ نصوح۔
جس طرح اُسکی اس گستاخی پر صبر کیا تھا کہ میں نے بار بار بلایا اور وہ نہ آیا اسی طرح میں نے اُسکی وہ حالت دیکھکر
صبر کیا۔ اور جن آنکھوں سے اُس خلوتخانے عشرت منزل ورکتبخانہ کی رسوائی اور خرابی اور تفضیح کو دیکھا تھا اُن
ہی آنکھوں سے اُس کو کھلے سر ننگے پاؤں چور بنا ہوا سپاہیوں کی حراست[2] میں دیکھا ؛ مصراع
جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا ؛ فہمیدہ۔ تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ اُس کو مجھ تک لے آتے۔ نصوح۔ اگر میں
اُس کو تم تک نہ لا سکا تو مجھ سے پہلے تم اُس کو مجھ تک نہیں لا سکیں اور نہ تم اُس کو جانے سے روک
سکیں۔ فہمیدہ۔ کہاں تم مرد کہاں میں عورت۔ نصوح۔ تو کیا تمہاری مرضی یہ تھی کہ میں اُس سے کُشتی لڑتا۔ بس
ایسے اتفاق[3] سے مجھ کو معاف رکھیے۔ غرض نصوح سمجھا بجھا کر بی بی کو گھر میں لے گیا اور یہ بات اُسکے ذہن نشین
کردی کہ رونے اور رنج کرنے سے مطلق فائدہ نہیں۔ البتہ خدا سے اُس کے حق میں گڑگڑانے[4] کے ساتھ دُعا
کرنی چاہیے کہ بامراد اُس کو واپس لائے۔ اُدھر کلیم نے خالہ کے یہاں جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس وقت تک اُس کو
نعیمہ کا حال معلوم نہ تھا۔ اگر کہیں خالہ کے یہاں چلا گیا ہوتا تو سب سے بہتر بات تھی۔ سر دست اُس کی ہمدردی
کرنے کو نعیمہ وہاں موجود تھی اور چونکہ اُس کی خالہ کا سارا خاندان نیک اور دیندار تھا کلیم کو نصوح
کے خیالات سے مانوس[5] کرنے کے لیے وہاں ہر طرح کا موقع تھا لیکن عصیان[6] خدا کا وبال اور عقوق[7]
والدین کی شامت ابھی بہت سی گردشیں اس کی تقدیر میں تھیں۔ جوں گلی کے باہر نکلا میاں فطرت
اس کو مل گئے۔ یہ حضرت[8] نصوح کے چچازاد بھائیوں میں تھے۔ اور اُن سے اور نصوح سے موروثی عداوت
تھی جیسی کہ دنیا دار خاندانوں میں اکثر ہوا کرتی ہے۔ رشتہ داری کی وجہ سے ایک کے حالات دوسرے سے
مخفی[9] نہ تھے۔ فطرت سُن چکا تھا کہ نصوح کو دینداری کا نیا خبط اُچھلا ہے۔ جس کی وجہ سے اُس کے تمام خاندان
میں ایک کھلبلی[10] مچ رہی ہے۔ یہ وقتیں بیچارے نصوح کو اصلاح خاندان میں پیش آتی تھیں فطرت کو سب
کی خبر لگتی تھی اور یہاں کے تذکروں کا ایک مضحکہ[11] ہوتا تھا۔ کلیم کی عادت سے تو واقف تھا ہی فطرت اپنے
یہاں کہا کرتا تھا کہ میاں نصوح لاکھ دیندار بنجائیں مگر جب جانیں کہ بڑے بیٹے کو اپنی راہ پر لائیں

[1] وہی تصغیر حقارت کی راہ سے مرد کو کہا ۱۲ [2] پہرہ ۱۲ [3] پیار محبت ۱۲ [4] رونا۔ گڑگڑانا ۱۲ [5] آشنا ۱۲ [6] نافرمانی ۱۲ [7] [illegible] ماں باپ کے ساتھ [illegible]
[illegible] ۱۲ [8] چچیرے کے طور پر حضرت کہا [illegible] ۱۲ [9] پوشیدہ ۱۲ [10] ہلچل ۱۲ [11] ہنسی ۱۲ ؛

کلیم کو جو ننگے سر ننگے پاؤں سربازار جاتے ہوئے دیکھا تو فطرت نے چھیڑ کر پوچھا کیا میاں کلیم تم نے ابھی سے احرام
حج باندھ لیا۔ کلیم۔ احرام حج نہیں احرام ہجرت۔ فطرت۔ وہی تو کہوں مجھ کو تمھاری وضع داری اور دانشمندی
شیخ وقت کی تقلید نہایت مستبعد معلوم ہوتی تھی۔ کلیم۔ جی نہیں۔ شیخ کی خدمت میں جیسی ارادت شاعروں کو ہے
معلوم۔ فطرت۔ بس یہی دیکھ لو کہ بھائی نصوح کا اپنی اولاد کے ساتھ اور اولاد میں بھی تمہارے ساتھ کہ آج ماشاء اللہ
فخر خاندان ہو یہ طرز مدارات ہے ہم لوگ تو خیر کہنے کو اجنبی اور غیر ہیں۔ ایسی ہی ہم اچھوں نے کہنے والوں
سے میل ملاپ چھڑا دیا۔ ورنہ انصاف شرط ہے ہمارا ان کا کیا بانٹے۔ اپنا کھانا۔ اپنا پہننا۔ لڑائی کس لیے
اور جھگڑا کیوں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ جس قدر حضرت سن رسیدہ ہوتے جاتے ہیں مزاج جوان ہوتا
جاتا ہے۔ بھائی صد آفریں ہے تمھاری والدہ کو نہیں معلوم ایسے آتش مزاج بے مروت آدمی کے
ساتھ اس نیک بخت نے کیوں کر نباہ کیا۔ مگر عورت ذات موذی کے پنجہ غضب میں گرفتار ہو کر نہ
کیا کرے۔ میاں کلیم تم اس کو سچ جاننا کہ تم لوگوں کی مصیبت کو خیال کر کے بھائی ہمارا تو دل بے
بےچین رہتا ہے۔ یہ خون کا جوش ہے ورنہ ملنا ملانا ترک۔ آنا جانا موقوف۔ سلام پیام مسدود۔ کیا کریں
کچھ بس نہیں چلتا۔ بھلا پھر اس حالت سے تم جاتے کہاں ہو۔ کلیم۔ خالہ جان کے یہاں جانے کا ارادہ ہے۔
فطرت۔ تمھارے باپ کے ڈر سے دیکھا ہی چاہیے کہ گھر میں گھسنے دیں۔ کلیم۔ نہیں ان سے تو ایسی توقع نہیں
فطرت۔ مگر ذات شریف خود نہ تشریف لے جائیں اس کی کیا روک ہے۔ کلیم۔ اس کا خدشہ تو ضرور ہے۔

جب تم سے آنکھوں لگا حضرت سلام میرا + دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا

فطرت۔ میں کہہ تو نہیں سکتا لیکن سمجھو تو ہم بھی خدانخواستہ کوئی تمھارے یا بھائی نصوح کے دشمن نہیں
ہیں۔ ارے میاں رشتہ داروں ہی میں کھٹ پٹ بھی ہوا کرتی ہے شکوہ غیر کا نہیں کرتے۔ گلا دیری سے نہیں
ہوتا جو ہم کو تمھارا اور تم کو ہمارا درد ہو گا وہ خالہ کو تو نہیں ہو سکتا۔ بھائی نصوح ابھی جب [illegible] بیمار
پڑے تھے ماشاءاللہ ہر روز دونوں وقت میں خود محلے میں آکر خبر لے جاتا تھا۔ ہماری [illegible] ہمیشہ [illegible]
تمھارے یہاں کے حالات پوچھا کرتی ہیں۔ مجھ سے تو یہ سوال گوارا نہیں ہو سکتی کہ تم اس حالت [illegible]

لہ حاجی لوگ حرم کعبہ کی سرحد پر پہنچ کر سیے ہوئے کپڑے اتار کر ایک چادر باندھ لیتے اور ایک اوڑھ لیا کرتے ہیں اسی کو احرام کہتے ہیں ۱۲ سلہ ترک وطن
کرنے کو ہجرت کہتے ہیں ۱۲ سلہ شیخ سے مراد پیر جو لوگوں کو مرید کرے ۱۲ سلہ پیروی ۱۲ سلہ بعید از عقل مخالف قیاس ۱۲ سلہ عقیدت ۱۲ سلہ یعنی
شاعر لوگ ہمیشہ شیخ کی برائی کرتے رہتے ہیں۔ شیخ کی آڑ میں شاعروں کو دین کی باتوں کی ہنسی اڑانی منظور ہوتی ہے ۱۲ سلہ اور مزید برآں یہ ۱۲
سلہ بوڑھے ۱۲ سلہ شہر ۱۲ سلہ یعنی نصوح۔ یہ بھی مراد طنز تھا ۱۲ سلہ لڑائی جھگڑا ۱۲ سلہ اجنبی ۱۲ سلہ گلہ ۱۲ +

خالہ کے یہاں جاؤ۔ چلو شب کو ہمارے یہاں آرام کرو ایسا ہی ہوگا تو صبح کو خالہ کے یہاں بھی ہو آنا۔ لو یہ دوپٹہ تو سر پر لپیٹ لو۔ لوگ آتے جاتے ہیں۔ اور چلو پاس کے پاس اسی چھتے سے ہو کر نکل چلیں غرض میاں فطرت للّو پتّو کرکے کلیم کو اپنے گھر لے گئے اور نصوح کی جلن سے اس کی ایسی بزرگداشت کی کہ کسی کے گھر والے بھی نہ کرتے ہوں گے۔ کلیم نے جب سے دینداری اور اصلاح وضع کی چھیڑ چھاڑ سنی تھی کیا ماں کیا باپ کیا بھائی سب کو اپنی رائے سے برخلاف پایا۔ اب جو فطرت نے بغرض اسکی دلجوئی اور خاطرداری اس کی بھی ہاں میں ہاں ملائی اور نصوح کو مجنون اور بدمزاج اور سخت گیر ٹھہرایا یا احمق سمجھا کہ بس فطرت اور اسکے گھر والوں سے بڑھ کر کوئی اُس کا خیرخواہ نہیں۔ اب تک تو وہ باپ سے صرف اختلاف رائے رکھتا تھا اب اس کو باپ سے ایک نفرت و عداوت پیدا ہوئی۔ فطرت نے جلی کٹی باتیں لگا کر یہ خیال اُس کے دل سے بالکل دور کر دیا کہ نصوح کو اُس کے تدیّن نے اولاد کے ساتھ روک ٹوک کرنے پر مجبور کیا ہے اور یوں کہ کلیم اپنے پندار میں یہی سمجھتا تھا کہ اس وقت تک میں ہی اکیلا گھر سے نکلا ہوں۔ فطرت کے بہکا دینے سے اُسکو یقین ہو گیا کہ دینداری اور خداپرستی کا حیلہ تھا ورنہ فی الاصل باپ کو اس کا گھر سے نکال دینا منظور خاطر تھا۔ کلیم اس وقت دو مخالفوں کی کشمکش میں تھا۔ باپ اُس کو صراط مستقیم کی طرف کھینچتا تھا اور فطرت گمراہی و ضلالت کی طرف لیکن فطرت حریف غالب تھا۔ اس واسطے کہ اول تو خود کلیم کا میلان طبع اُسکی جانب تھا۔ دوسرے نصوح جسکی اور نامانوس اور دشوار گزار راہ پر اُسکو لے جانا چاہتا تھا جس میں زہد و ریاضت اور اتقا اور نفس کشی اور انکسار اور فروتنی اور خوف عاقبت کی چند در چند تکلیفیں اور مصیبتیں درپیش تھیں اس راہ میں کلیم کو بدرقہ اور راہنما تو خیر رفیق اور ہمسفر کا ملنا بھی مشکل تھا۔ برخلاف اس کے فطرت اس کو ایک شارع عام دکھاتا تھا ایسا آباد کہ گویا اس سرے سے اُس سرے تک بازار لگا ہے۔ اور نہ صرف منزل بمنزل بلکہ قدم بقدم تن آسانی اور عیاشی اور خودپسندی اور کبر اور بےفکری اور مطلق العنانی طرح طرح کی آسائشیں اور انواع و اقسام کی راحتیں موجود و مہیا تھیں۔ اس راہ میں کلیم کو میلے کا حظ یعنی سفر میں حضر کا لطف حاصل تھا۔ غرض کلیم میاں فطرت سے شیر و شکر کی طرح ملا۔ نصوح نے جب یہ خبر سُنی تو سخت افسوس کیا۔ نہ اس وجہ سے کہ

خوش آمد ۱۲ خاطرداری۔ مدارات ۱۲ یعنی اُس کی مرضی اور رائے کے مطابق باتیں کہیں ۱۲ [illegible] دیں ۱۲ [illegible] ۱۲ اصل میں ۱۲ سیدھی راہ ۱۲

مقابل ۱۲ طبیعت کا جھکاؤ ۱۲ ناآشنا ۱۲ جس میں سے گزرنا مشکل ہو ۱۲ ترک دنیا ۱۲ محنت مشقت۔ یہاں مراد ہے نذر و وظیفہ عبادات ۱۲

پرہیزگاری ۱۲ نفس کو مارنا مراد ہے دنیا کی لذتوں سے دست کشی ۱۲ عاجزی ۱۲ رستہ دکھانے والا ۱۲ ساتھی ۱۲ سڑک ۱۲ آزادی

فخرہ ۱۲ وطن۔ شہر۔ دیس میں رہنا ۱۲

وہ فطرت سے عداوت رکھتا تھا کیونکہ عداوت تو دین ہی کے اعتبار سے بڑا گناہ ہے اور نصوح سے اُس کے ارتکاب کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن اُس کا یہ خدشہ کچھ بے جا نہ تھا کہ فطرت اصلاح میں کوشش نہیں کریگا۔ فطرت کے یہاں کلیم کو اور تو کسی طرح کی تکلیف نہ تھی مگر اُس کی مرضی کی کتابیں یہاں نہیں ملتی تھیں۔ تب اُس نے فطرت سے بیان کیا کہ دن بھر خالی بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبرایا کرتی ہے اگرچہ میں نے اپنے حالات میں ایک مثنوی[1] کہنی شروع کر دی ہے اور سو سوا سو شعر ہو بھی گئے ہیں مگر فکر سخن بے اطمینانِ خاطر بن نہیں پڑتا۔ اگر آپ صلاح دیں تو میں اپنی چند کتابیں گھر سے منگوا بھیجوں۔ فطرت مجھ کو بھائی نصوح سے توقع نہیں کہ وہ اتنی رعایت بھی تمہارے حق میں جائز رکھیں خصوصاً اس حال میں کہ تم میرے نزدیک ہو تمہارا یہ جرم اُن کے مذہب میں تکفیر[2] کے لیے کافی ہے۔ مگر ہاں اپنی والدہ سے لکھا بھیجو اُن کا قابو چلے گا تو البتہ دریغ نہ کریں گی۔ کلیم تو متردد[3] تھا کہ کس سبیل[4] سے کتابیں منگوائے۔ مگر فطرت از بس کہ عیار[5] تھی اور چالاکی کے موکل[6] اُس کے مطیع[7] تھے خود بول اٹھا کہ جی یہ کون سی بڑی بات ہے مجھ سے کہیے تو بھائی نصوح کی چارپائی اٹھوا منگوا دوں اور اُن کے فرشتوں کو خبر نہ ہو۔ غرض فطرت نصوح کے گھر گیا اور کسی ڈھب سے اُس نے سارا حال معلوم کیا اور وہ آگ جو نصوح نے کلیم کی کتابوں میں لگائی تھی فطرت نے کلیم سے جا لگائی۔ ایک تو خانہ ویرانی اُس پر فطرت کی آتش بیانی[8] کلیم پر اس آتش زنی کی خبر نے وہ اثر کیا جو حضرت موسیٰ پر آتش طور[9] نے کیا تھا۔ سنتے کے ساتھ ایسا بیخود ہو گیا کہ گویا بجلی گر پڑی۔ آپے میں آیا تو مزاج ایسا برافروختہ[10] تھا کہ شاید نصوح اُس وقت موجود ہوتا تو مردک دست و گریباں ہو کر لپٹ جاتا۔ کوئی ناگفتنی کہنی[11] بات اُس نے اٹھا نہیں رکھی۔ مگر لال پیلا ہو کر خاموش ہو رہا۔ اور اس بات کے درپے ہوا کہ باپ سے اس کا انتقام[12] لے۔ کلیم نے جو طریقے انتقام کے سوچے تھے وہ سخت بیہودہ تھے۔ جب اُس نے اپنی تدبیروں کو فطرت پر عرض کیا تو اُس نے سب کی تحمیق[13] کی اور کہا کہ ابھی تم نرے صاحبزادے ہو۔ میں تم کو ایسی تدبیر بتاؤں کہ ہم کیسہ[14] و ہم خرمہ۔

کلیم۔ وہ کیا۔ فطرت۔ گانوں پر آخر تمہارا نام چڑھا ہوا ہے اس پر دخل کرو۔ کلیم ع

[1] شعر کی ایک قسم۔ وزن سب شعروں کا ایک۔ جدا جدا قافیہ الگ ۱۲ [2] کافر ٹھہرانا ۱۲ [3] پس و پیش کر رہا تھا ۱۲ [4] طریق ۱۲ [5] ہوشیار ۱۲ [6] فرشتے یا جنات ۱۲ [7] فرمانبردار ۱۲ [8] [illegible] ۱۲ [9] قصہ یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کا نور جلوہ گر ہوا تو حضرت موسیٰ پہاڑ کھا کر گر پڑے اور بیہوش ہو گئے ۱۲ [10] گرم مشتعل۔ بھڑکا ہوا ۱۲ [11] [illegible] کے قابل ۱۲ [12] [illegible] سب کو سنا کر یا ہاتھوں کی [illegible] ۱۲ [13] دشمنی مراد ہے انتقام ۱۲ [14] خزانہ ۱۲

ایں خیال ست و محال ست و جنوں[1]۔ اُن کے متعدد گانْو اور نوکر چاکر اُس پر مسلط[2] ہیں۔ فطرت۔ گانْوں تمہارا ہی تو نوکر اور کارندے تمہارے یا اُن کے۔ کلیم۔ لیکن میں صرف اسم فرضی ہوں۔ فطرت۔ اس کا ثبوت۔ کلیم۔ ثبوت اُن کا قبض و دخل اور اُن کے روپے سے گانْوں کا خرید ہونا۔ فطرت۔ اُن کا قبض و دخل عین تمہارا قبض و دخل اور اُن کا روپیہ عین تمہارا روپیہ ہے۔ بائع[3] نے تمہارے نام سے بیع دی۔ گانْوں میں بیع قبولیت تمہارے نام سے ہوتا ہے۔ خزانۂ سرکار میں مالگزاری تمہارے نام سے سیاہہ[4] ہوتی ہے۔ کلیم۔ جب میں اسم فرضی ہوں تو نام کا ہونا میرے حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتا۔ فطرت۔ لیکن اگر اسم فرضی سے انکار کیا جائے تو اس کی تردید[5] کچھ آسان نہیں ہے۔ کلیم۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ کیوں کر ایک امر واقعی کی تکذیب[6] ہو سکتی ہے۔ فطرت۔ ہاں یہ شاعری نہیں ہے۔ دنیاداری ہے۔ اس کو ایک خاص سلیقہ درکار ہے۔ کلیم۔ غرض اس تدبیر کا پیش رفت ہونا تو ممکن نہیں معلوم ہوتا کوئی اور بات سوچئے۔ فطرت۔ جب تم سے ایسے سہل کام کا سر انجام نہیں ہو سکتا تو گھر سے نکلنے کا حوصلہ تم نے ناحق کیا یہی اسم فرضی کا حق مجھ کو حاصل ہوتا تو سیر دکھاتا۔ کلیم۔ فرض کر لیجئے کہ آپ کو حاصل ہے۔ فطرت۔ کیوں کر فرض کر لوں جیسے تم اسم فرضی مالک ہو ویسا ہی ایک فرضی بیع نامہ میرے نام لکھ دو تو البتہ میں فرض کر سکتا ہوں۔ کلیم۔ اگر ملکیت فرضی کا بیع نامہ کچھ بکار آمد ہو سکتا ہے تو گانْوں کی کیا حقیقت ہے میں تو سلطنت روم کا بیع نامہ آپ کے نام لکھ دوں ع بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را[7]۔ فطرت۔ بھلا گانْوں تم کتنے پر بیع کرو گے کلیم۔ کسی فرضی قیمت پر۔ فطرت۔ بھلا اُس کا اندازہ بھی۔ کلیم۔ فرض کیجئے کہ سو روپے۔ فطرت۔ مجھ سے ہزار نقد لیجئے۔ کلیم۔ سچ۔ فطرت۔ سچ۔ کلیم۔ واللہ بیچا۔ فطرت۔ واللہ لیا۔ کلیم کو فطرت کی قسم پر بھی اعتبار نہ ہوتا تھا۔ فطرت نے گھر میں جا ہزار روپے کا توڑا لا سامنے رکھ دیا۔ ادھر روپے گنے گئے اور ادھر بیع نامہ لکھ پڑھ کر تیار ہو گیا۔ کلیم نے سوچا کہ میں نے یہ سودا کیا کیا ایک غنیمت[8] بارد مفت ہاتھ آئی۔ اس وقت تو بات کی پچ کے فطرت نے روپیہ دے دیا ہے ایسا نہ ہو پھر چھینا[9] کرے۔ بہتر ہے کہ چل دیجئے۔ یہ سوچ روپے کا توڑا بغل میں داب کلیم رخصت ہوا تو سیدھا چاندنی چوک میں آیا۔ محل دار خاں کا کمرہ اسی روز

۱؎ یہ صرف خیال ہے اور انہونی بات ہے اور جنون ہے ۱۲ ۲؎ تعینات ۱۲ ۳؎ بیچنے والا ۱۲ ۴؎ یعنی تمہارے نام سے سرکار میں جمع ہوتی ہے ۱۲ ۵؎ رد کرنا ۱۲ ۶؎ جھوٹا کر دینا ۱۲ ۷؎ خواجہ حافظ شیرازی کی غزل کا مصرع ہے یعنی معشوق کے تل کے بدلے سمرقند و بخارا کا ملک بخش دوں ۱۲ ۸؎ لوٹ کا مال ۱۲ ۹؎ کوئی ناحق کی حجت نکال کر جھگڑا کرے ۱۲

خالی ہوا تھا کہ اُس نے سر قفلی جاڑی ہی۔ دہلی جیسا شہر اور کلیم جیسا ناعاقبت اندیش اور مسرف اور اس طرح کا
مال مفت بات کی بات میں فرش فروش۔ جھاڑ فانوس۔ ساز و سامان۔ نوکر چاکر سب کچھ موجود ہو گیا۔ یہاں
تک کہ اگلے ہی دن پہلے مشاعرے کی محفل اُس کے بعد ناچ کا جلسہ تھا۔ شہر میں جتنے یار آشنا تھے سب کے
نام رقعے تقسیم ہوئے اور کلیم کے سارے شیاطین الانس پھر بدستور جمع ہو گئے حتیٰ کہ وہ مرزا ظاہر دار
بیگ بھی اتنے بڑے بے غیرت کہ خبر سنکر دوڑے آئے اور کلیم اتنا بڑا احمق کہ ایسا دھوکا کھا کر پھر ان سے
صاف ہو گیا۔ جس کیفیت سے کلیم نے دو مہینے گزارے ناگفتہ بہ ہے۔ وہ بدکرداری کی تپ کہنہ رکھتا تھا۔ ان
دو مہینے گویا بحران کے تھے۔ ہزار روپے کی کل جمع پونجی اور ایسا بے دریغ خرچ تیسرا مہینا شروع نہیں ہوا
تھا کہ ہزار تمام ہوئے۔ پہلے سے بھی بزاز۔ درزی۔ حلوائی۔ کبابی۔ نانبائی۔ میوہ فروش۔ گندھی۔ بساطی
وغیرہ کا حساب باقی تھا۔ نوکروں کا دو ماہہ چڑھ چکا تھا اب آٹا دال تک اُدھار نے لگا۔ شدہ شدہ ہر طرف سے
طلب و تقاضا شروع ہوا۔ استعمال سے پہلے اسباب خانہ داری کے بکنے کی نوبت پہنچی تو کلیم خواب غفلت سے بیدار
ہوا لیکن اب اُس کا تنبہ کچھ چنداں سود مند نہ تھا۔ اُس کے یار دوست دستور کے موافق اُس کے پاس
کا آنا جانا قطعاً ترک کر چکے تھے۔ نوکر چاکر بھی گھر بیٹھ رہے تھے۔ اور جو تھے تنخواہ کے نہ ملنے سے
ایسے گستاخ ہو گئے تھے کہ کار خدمت تو درکنار رُو در رُو جواب دیتے تھے۔ جو چیز جس کی گرفت میں لگی
پہلے ہی سے اُس کو اپنا مال سمجھتا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ دو چار قرض خواہ اُسکے دروازے پر نہوں کلیم نے
چاہا کہ چپکے سے چلدے۔ مگر اُس کے بغلی دشمنوں یعنی نوکروں کی وجہ سے اُس کا منصوبہ فاش ہو گیا۔ اور
جوں ہی رات گئے نوکروں کا لباس بدل کر باہر نکلا تھا کہ سرہنگان دیوانی کے پنجۂ غضب میں گرفتار ہو گیا
اس غفلت شعار کو اب معلوم ہوا کہ کئی ڈگریاں یک طرفہ اس پر جاری ہیں۔ ان پیادوں کی حراست میں جس کیفیت سے
کلیم نے رات گزاری ایسی سخت ناگوار تھی کہ اُس کو بار بار مرزا ظاہر دار بیگ کی مسجد کا اعتکاف شبینہ حسرت کے
ساتھ یاد آتا تھا۔ اگلے دن کچہری کے وقت پیادوں نے کلیم کو لے جا حاکم عدالت کے روبرو حاضر کیا۔ کلیم
احاطۂ کچہری میں پہونچتے ہی پہلے نصوح سے مڈبھیڑ ہوئی۔ کلیم باپ کو دیکھ کر بے اختیار رو دیا۔ مگر پیادوں نے

لہ گویا [illegible] دے کر [illegible] لکھ دیا کرتا ہے [illegible] قفلی کہتے ہیں [illegible] انجام نہ سوچنے والا ۱۲ سلہ فضول خرچ
[illegible] ۱۲
[illegible] ۱۲
[illegible] ۱۲
[illegible] آمنے سامنے ۱۲

خوف اور اپنی ندامت کے سبب کچھ کہہ نہ سکا۔ نصوح کا کچہری میں آنا بھی ان ہی حضرت کی وجہ سے تھا۔ فطرت نے
اُس بیع نامۂ فرضی کا ایک طومار بنا کھڑا کیا۔ دو چار مُنْہُم اہلکاروں کو گانٹھا اور چند کاشتکاروں کو سکھے
پڑھے دو دو چار چار آنے کی کمی کر کے ستر اسّی پٹے کر دیے۔ دلّی شہر کے چند آبرو باختہ غنڈے
ساتھ لے کر گاؤں پر زبردستی دخل کر لیا۔ نوبت بہ عدالت پہونچی مقدمے میں کچھ ایسے پیچ پڑتے گئے کہ دروغ
کو فروغ ہو گیا۔ کلیم نے تو اپنے نزدیک ایک کھیل کیا تھا نصوح بے چارے کو مفت میں پانچ چھے ہزار کا گاؤں
ہارنا پڑا۔ اسی تقریب سے نصوح حاضر کچہری تھا کہ کلیم اُس کو دوسری مرتبہ پیادوں کے ہاتھ میں گرفتار
نظر آیا گو باپ بیٹوں میں بالمشافہ بات چیت تو درکنار دعا سلام کا بھی اتفاق نہیں ہوا لیکن ایک کو
دوسرے کی کیفیت معلوم ہو گئی۔ باپ نے ابھی کچہری کے احاطے سے پاؤں باہر نہیں نکالا تھا کہ بیٹا جیل خانے
جا داخل ہوا۔ کلیم نے ہرچند شاعری اور امیرزادگی کے چند در چند استحقاق ثابت کیے مگر مالکانِ مجلس نے
ایک نہ مانی اور اُس کو ایسا ایسا رگیدا کہ دوسرے ہی دن جیل میں بول گیا اُس بے کسی میں کلیم کو باپ یاد
آیا اور اگرچہ اپنی حرکات پر نظر کرنے سے اُس کو بالکل ناامیدی تھی مگر اَلْغَرِيقُ يَتَشَبَّثُ بِالْحَشِيشِ مرتا
کیا نہ کرتا بے غیرتی کا ٹھیکرا آنکھوں پر رکھ کر باپ کو یہ خط لکھا۔ مجھ کو حیرت ہے کہ میں کون ہوں اور کس کو
یہ خط لکھتا ہوں۔ اور یقین ہے کہ اس خط کے پہونچنے پر مجھ سے زیادہ حیرت آپ کو ہوگی۔ اتنی گستاخی
اتنی نافرمانی۔ اتنی بے حیائی۔ اتنی مخالفت پر مجھ نالائق۔ نابکار۔ ناہنجار۔ کشتنی۔ گردن زدنی
ننگ خاندان مصرع بد نام کنندۂ نکو نامے چند + سے سرزد ہوئی میں کیا کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ
مجھ کو آپ کے ساتھ نسبت فرزندی باقی رہی۔ پس نہ تو یہ خط خط ہے۔ اور نہ بیٹے کی طرف سے ہے۔ اور نہ باپ کے
نام ہے۔ بلکہ معذرت نامہ ہے۔ عرضی اعتراف ہے۔ توبہ کا وثیقہ اور استغفار کی دستاویز۔ ندامت کا اقرار اور
حاجت مندی کا اظہار ہے۔ گنہگار۔ روسیہ۔ شرمسار۔ ظالم۔ جفاکار۔ تیرہ روزگار کلیم کی طرف سے۔ صاحب
کرمِ عمیم و خلقِ عظیم۔ بردبار و حلیم۔ رؤف و رحیم محسن ولی نعمت۔ مہربان سراپا شفقت نیکوکار۔ کم آزار۔ خیرخواہ

سلہ فتر۔ مراد ہی بکھیڑا ۱۲ سلہ ملا لیا ۱۲ سلہ ہمیشہ کے لیے ۱۲ سلہ بے آبرو ۱۲ سلہ لچے ۱۲ سلہ یعنے جھوٹ چل گیا ۱۲ سلہ زد درزد ۱۲ سلہ مراد ہی جیل خانے کے محافظ ۱۲ سلہ رگڑا ۱۲ سلہ ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا پکڑتا ہے ۱۲ سلہ نکما ۱۲ سلہ بے قاعدہ بے ادب ۱۲ سلہ جان سے مار ڈالنے کے لائق ۱۲ سلہ گردن مار دینے کے لائق ۱۲ سلہ جس کے سبب سے خاندان کو شرم آئے ۱۲ سلہ کتنے نیک نام لوگوں کا بد نام کرنے والا نیک نام سے مراد گھر کے بزرگ ۱۲ سلہ واقع ۱۲ سلہ اقرار لکھنے والی دستاویز ۱۲ سلہ طلب معافی ۱۲ سلہ عام احسان ۱۲ سلہ بڑی عمدہ عادتیں ۱۲ سلہ احسان کرنے والے جنہوں نے اپنی نعمت سے پالا پرورش کیا ۱۲ + +

بلا اشتباہ کے نام ہر چند میری رسوائی یہاں تک پہنچی کہ حبِ ام ردود[1] و مطرود[2] ہوا طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا اور انواع و اقسام کی ذلتوں میں گرفتار ہوں لیکن یہ سمجھنا کہ میں نے جیسا کیا ویسا پایا بے جا اور غلط ہے۔ کیا ہزار تو پایا ایک۔ کیا من تو بھگتا چھٹانک بلکہ ایک اور چھٹانک بھی نہیں۔ حاشا نہیں۔ زنہار نہیں۔ ہر چند میں معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ میرے دل میں ہے کہیں زیادہ ہے اُس سے جو عبارت میں ہے۔ لیکن خود مجھ کو اپنی توبہ سے تشفی اور ندامت سے تسلی نہیں۔ اسواسطے کہ میری توبہ ور[3] ماندگی کی توبہ اور ندامت حالتِ ابتلا[4] کی ندامت ہے۔ تو طرفہ[5] یہ طرف تمہید یک سو۔ نہ مجھ کو توبہ پر تکیہ نہ ندامت پر ناز۔ خدا کو جس کا میں آپ سے بڑھ کر گنہگار ہوں اپنا شفیع[6] قرار دیتا ہوں[7] اور دیکھتا ہوں تا کرم او چہا کند[8] + اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ - قطعہ

شاہا[9] ز کرم بر منِ درویش نگر + بر حالِ منِ خستہ و دل ریش نگر
ہر چند نیم لائقِ بخشایش تو + بر من منگر بر کرم خویش نگر

سلیم کے رسالوں[10] میں اتفاق سے ایک جملہ مجکو نظر پڑا اور پسند آیا وہ یہ تھا کہ توبہ ربر[11] ہے اور گناہ پنسل کی تحریر۔ پس جب کہ توبہ و ندامت نے مجھ کو آلودگی گناہ سے پاک کر دیا تو پھر میں آپ کا برخوردار ہوں اور آپ میرے والدِ بزرگ وار مجھ کو آپ سے ہر طرح کا دعویٰ اور آپ کو مجھ سے ہر قسم کی توقع۔ سات سو روپے کی عوض اس وقت میری جان پر بنی ہے۔ آپ مجھ کو اگر للہ۔ صدقہ۔ زکوٰۃ۔ خیرات جان کر نہ دیں تو قرض حسنا[12] دیں۔ قیدی کے چھڑانے۔ غلام کے آزاد کرنے کا ثواب آپ پر مخفی نہیں۔ اگر روپیہ کل تک نہیں آیا تو میری زندگی دشوار ہے۔ کلیم شاعر تو تھا ہی باتوں کا جادو بنانے کی اُس نے یہاں تک مشق بہم پہنچائی تھی کہ اُس کے جھوٹے ڈھکوسلوں پر تمام مجلس کو وجد[13] ہوتا تھا۔ باپ کے لیے اُس نے توبہ[14] رہائی کا ایسا مضمون سوچا کہ اُس کا خط گویا سات سو روپے کی درشنی ہنڈی تھی جانے کی دیر تھی اور روپے ملنے کی دیر نہ تھی۔ لیکن مشکل یہ در پیش تھی کہ قاصد نہیں نامہ بر[15] نہیں خط جائے تو

---

[1] راندہ ہوا ۱۲ [2] نکالا ہوا۔ دھتکارا ہوا ۱۲ [3] ہارے درجے کی ۱۲ [4] آفت میں پھنس جانے کی حالت ۱۲ [5] تقریب تمہید ۱۲ [6] وسیلہ سفارش کرنے والا ۱۲ [7] دیکھتا ہوں کہ اس کا کرم کیا کرشمے دکھاتا ہے ۱۲ [8] غصے کے روکنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنیوالے اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۱۲ [9] اے بادشاہ مجھ فقیر پر کرم کی نگاہ سے دیکھ مجھ درماندہ اور شکستہ دل کے حال پر نظر کر۔ ہر چند میں تیرے رحم کے لائق نہیں ہوں لیکن تو مجھ پر نہیں اپنے کرم پر جا ۱۲ [10] چھوٹی سی کتاب کو رسالہ کہتے ہیں ۱۲ [11] یعنی جس طرح ربر سے پنسل کا لکھا ہوا مٹ جاتا ہے اسی طرح توبہ سے گناہ محو ہو جاتے ہیں ۱۲ [12] قرآن میں ایک جگہ قرضًا حسنًا آیا ہے۔ اُس سے قرض حسنا نام پڑا۔ عرف میں قرض بے سود ۱۲ [13] جوش و خروش ۱۲ [14] دکھاوے کی ۱۲ [15] خط کا لے جانے والا ۱۲ +

کیسے جائے۔ ہانسی حصار کی طرف کا سپاہی کچھ حرف آشنا سا تھا اور جب اُس کو پہرے وغیرہ سے فراغت ہوتی تو وہ قصہ شاہ روم۔ سپاہی زادہ۔ بنجارہ نامہ۔ کنز المصلی منظوم اس قسم کے اُردو کے رسالے نثر کو پریشان نظم کو ناموزوں کر کے اپنی کرخت[1] سنگلاخ[2] بولی میں پڑھا کرتا تھا کلیم کو شاعری کے ذریعے سے اُس سپاہی کے ساتھ تعارف پیدا کر لینا کچھ دشوار نہ تھا منت سماجت سے کلیم نے اُس کو خط پہنچا دینے پر آمادہ کیا۔ اور اُجرت یہ ٹھہری کہ کلیم اُس کے اور اُس کے دو بیٹوں کے سچے نام بنا دے۔ نام ان کمبختوں کے اتفاق سے ایسے بگڑے تھے کہ بے چارہ کلیم بہتیرا غور کرتا تھا کسی ڈھب سے نہیں کھپتے تھے۔ اور واقع میں تھے خاں جمن خاں بدھو خاں کے ناموں کے سچے کوئی کہے تو کیا کہے۔ اس پر خرابی یہ کہ تھے جلی جاہل کندۂ ناتراش پسند کرنیوالا سخن فہم۔ کلیم بہتر سے بہتر سچ کہہ کر لے جاتا وہ سن کر ہنس دیتا اور کہتا کہ بھائی جی یہ تو ٹھیک نہیں بیٹھا بڑی بڑی خرابیوں سے کوئی چھ سات دن میں کلیم نے تھے خاں کی فرمائش پوری کی غرض کلیم کا خط باپ تک پہنچا۔ وہ اس طرح کی بلاغت تھی کہ اس میں امروز فردا کی گنجائش ہی نہ تھی نصوح نے خط پڑھتے کے ساتھ ساتوں سو روپے بے عذر گن دیے۔ کلیم اس مرتبہ بھی باپ سے نچوڑ کا ضرورت تھی پان سو کی اور منگوائے سات سو پانسو دے کر تو پائی پائی۔ باقی بچے دو سو اس میں کھڑے کھڑے سامان سفر درست کر اُسی وقت دولت آباد کا راستہ لیا +

کلیم نوکری کی جستجو میں دولت آباد گیا اور فوج میں بھرتی ہو گیا۔ لڑائی میں زخمی ہوا اور مردوں کی طرح چار کہاروں پر لد کر دلی آیا۔

فصل دوم

یہ ایک چھوٹی سی ہندوستانی ریاست ہو ایسے کوئی پانچ چھ لاکھ روپے سال کا محاصل اس میں ہو سکتا تھا لیکن ایک نوجوان ناتجربہ کار مسند نشین ہوا۔ خوش آمدی صلاح کار مصاحب موقع پا کر جمع ہوئے اور دولت آباد کو چھوٹا سا لکھنؤ بنا دیا جہاں جہاں اس مذاق کے لوگ تھے سب کو فرقت کی طرح ریاست دولت آباد کے حالات معلوم تھے کلیم بھی سن سن کر دولت آباد کا ایسا مشتاق تھا جیسے زاہد جنت کا۔ غرض کلیم وہ سفر طے کرتا ہوا دولت آباد پہنچا

[1] سخت [2] پتھر کی طرح کی ۱۲ [3] نام کو سطح شعر میں کھپا دینا کہ جزو مطلب بن جائے ۱۲ [4] یہ اوقی بولی کی نقل کرنی منظور ہے سچ کے بدلے بچھا کو تشدید کے ساتھ بھیا پڑھو ۱۲ [5] امرفی ۱۲ [6] لکھنؤ کا دربار عیاشی میں ضرب المثل تھا اسی سے وہاں کی سلطنت تباہ ہوئی ۱۲ [7] انگریزی میں ایک قسم کا جوا جس کا حال کوئی نہیں جانتا اور جس کو معلوم ہو بتا نہیں سکتا ۱۲ [8] جو شخص کہ بناوٹ کی عبادت کی سخت محنت اٹھاتا ہو ۱۲ [9] یعنی جو دو منزلیں ایک ایک دن میں چل چل کر ۱۲ +

اور قبل اس کے کہ کسی سے تعارف پیدا کرے اس نے اپنا سامان ظاہر درست کر پھر ایک مرتبہ سرے میں امیری ٹھاٹھ لگا دیئے۔ مدح رئیس میں قصیدہ تو اس نے سفر ہی میں کہنا شروع کر دیا تھا صرف عرض حال اور قطعہ دعائیہ باقی تھا جلدی جلدی تمام کرائی قصیدے کو ذریعہ تقریب قرار دے دردولت پر جا حاضر ہوا۔ مگر شامتِ اعمال اور باپ کی ناخوشی کا وبال اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہونے دیتا تھا اس کے دولت آباد میں چند روز پہنچنے سے پہلے یہاں بساطِ الٹ چکا تھا۔ بدنظمی ریاست کی خبریں صاحب رزیڈنٹ کو پہنچیں۔ اور انھوں نے بذاتِ خاص دولت آباد پہنچ کر رئیس کے کل اختیارات منتزع کر کے امور ریاست کا اہتمام ایک کمیٹی کو تفویض کیا جس میں ریاست کے چند قدیم نمک خوار تھے جو رئیس کی بے اعتدالیاں دیکھ کر ترکِ خدمت کر کے گھر بیٹھ رہے تھے۔ اور اس کمیٹی کے میر مجلس انتظام الدولہ مدبر الملک نواب بیدار دل خاں بہادر والی عافیت نگر قرار دیئے گئے۔ کہ رشتہ میں رئیس دولت آباد کے ماموں بھی ہوتے تھے اور ان کا حسن انتظام ان اطراف میں ضرب المثل تھا۔ اور خود صاحب رزیڈنٹ بہادر بھی بلاناغہ ماہ بہ ماہ اپنی شرکت سے کمیٹی کی آبرو افزائی کیا کرتے تھے رئیس کو مصارفِ ضروری کیلئے کمیٹی سے دست برداشتہ کچھ روپیہ ملتا تھا نا بکار مصاحب ایک ایک کر کے نکالے جا چکے تھے۔ غرض جس چاٹ پر کلیم دوڑا آیا تھا وہ بات اب باقی نہ تھی۔ ناواقفیت کی وجہ سے کلیم نے اطلاع کرائی تو فوراً صدا کی طرح طلبی آگئی۔ یہ تو اس توقع سے خوشی خوشی اندر گیا کہ بانکے ٹیڑھے رنگیلے سجیلے۔ وضع دار لوگ دیکھنے میں آئیں گے۔ مگر جا کر دیکھتا ہے تو بڑے بڑے ریشائیل مولوی پگڑ اور عمامے باندھے بیٹھے ہیں۔ کوئی ورق الٹ رہا ہے کوئی کتاب دیکھ رہا ہے۔ کوئی اوراد میں مصروف ہے۔ اندر قدم رکھتے ہی کلیم نے یہ برجستہ مطلع پڑھا ؎

جانتے تھے جب حجرے بت خانۂ و صنم میں　　بھٹکے تو جا کے نکلے ہم بھی کہاں حرم میں

مولوی کی شکل دیکھ کر وہ سمجھا کہ کلیم اس طرح بھاگ کھڑا ہو جیسے لاحول سے شیطان۔ مگر اس کو خیال ہوا کہ میرزا کے کارخانے میں عجب کیا ہے کہ کوئی خانقاہ بھی ہو مصرع ع مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے۔ چلو ذرا حال تو دریافت کریں۔ پاس قریب جا کر اس نے ایک پیرمرد کو مجرا عرض کرتا ہوں کہہ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ فقط مجرا

لہ سامان ۱۲ لکھ بھیس کر ۱۲ لکھ یعنی اس کی کہاوت ہو گئی تھی ۱۲ لکھ رزیڈنٹ کے شریک ہونے سے کمیٹی کی آبرو زیادہ ہوتی ۱۲ لکھ ...
لکھ یعنی کمیٹی ... کو دے دیا کرتی تھی ۱۲ لکھ آدا رجو گنبد یا نیم مکان سے لوٹ کر آئے اس کو صدا کہتے ہیں ۱۲ لکھ ... بڑی ... آدمی کے ۱۲ لکھ پیر مار ... ۱۲ لکھ وظائف ۱۲ لکھ فی الوقت مناسب موقع ۱۲ لکھ بت ۱۲ لکھ کعبہ ... علاقہ ... درخت کا کانٹا منع ہے ۱۲ لکھ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے پڑھنے سے شیطان دور ہوتا ہے ۱۲ لکھ ... رہنے کی جگہ ... دوسرا مصرع ہے بھلا ... پاس ... چاہیے ۱۲ لکھ ... سلام ۱۲

سن کر ان بزرگ کے کان کھڑے ہوئے اور فوراً آنکھ سے عینک اتار رکھی اور کلیم کو دیکھنے لگے۔ تب اس نے ذرا آگے کو جھک کر ان کو سلام کیا یعنی اپنا مجرا دکھایا۔ اس بزرگ نے فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مِنْ اَیْنَ اَزِفَانَکَ اَنْجَاکَ اللّٰہُ عَنِ الْمَہَالِکِ۔ کلیم۔ حضرت قبلہ میں فہم عربی سے قاصر ہوں۔ مولوی صاحب کہاں سے اتفاق مجیئ ہوا۔ کلیم۔ دہلی سے۔ مولوی صاحب۔ تقریب۔ کلیم۔ امتحان بخت اور آزمائش نصیب۔ مولوی صاحب علم و عمل۔ کلیم۔ مدحت طرازی ارباب دول۔ مولوی صاحب۔ غرض و غایت۔ کلیم۔ تحصیل جاہ و ثروت۔ تب اس بزرگ نے مختصر طور پر کلیم کو یہاں کے حالات سے مطلع کر دیا اور کہا کہ رئیس لاشیٔ محض ہے وہ بھی بشرط شے نہیں بلکہ بشرط لاشے اور بے اجازت خاص حضرت مولانا صدر اعظم کے کسی کو اس تک پہنچنے کا امکان نہیں۔ کلیم۔ صدر اعظم صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب۔ کیا تم یہیں کہیں ہو گے۔ کلیم۔ ان کی شناخت۔ مولوی صاحب۔ سِیْمَاہُمْ فِیْ وُجُوْہِہِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ کلیم۔ میں نہیں سمجھا۔ مولوی صاحب۔ ایک بڑے منحنی سے آدمی ہیں نیلی لنگی اوڑھے ہوئے حجرۂ شمالی کے صحن میں طلبہ کو درس دے رہے ہوں گے یا فصل خصومات میں مصروف ہوں گے۔ کلیم۔ ان کو کیا خدمت ہے۔ مولوی صاحب جیسے حرف ندا لفظ ادعو کا قائم مقام ہوتا ہے اسی طرح مولانا صاحب دام ظلہ فیوضہم نائب الرئیس ہیں۔ کلیم۔ میں ان کی خدمت میں جا سکتا ہوں۔ مولوی صاحب۔ لا بأس بہ۔ غرض کلیم صدر اعظم صاحب کی خدمت میں گیا تو وہ اس کی نظر میں کچھ بھی نہ جچے۔ یہ سمجھا تھا کہ وزیر اعظم اور نائب الرئیس ہیں تو بڑے کرّ و فر کے ساتھ ہوں گے وہاں جا کر دیکھا کہ ولایتی نما ایک بڈھے سے مولوی ہیں وراثت کا ایک جھگڑا ان کے روبرو پیش ہے اور بیٹھے اپنے ہاتھ سے حساب مناسخہ لگا رہے ہیں۔ کلیم کو ایک اجنبی صورت دیکھ کر انھوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا کہ ان سے فارغ ہو لوں تو آپ سے بات کروں۔ جب تک مقدمہ پیش رہا کلیم غور سے دیکھتا اور سنتا رہا۔ مولوی صاحب بلا کی موشگافیاں کر رہے تھے۔ تب تو کلیم نے سمجھا کہ واقع میں یہ شخص بڑے پایہ کا آدمی اور منصب وزارت کے قابل ہے۔ بارے جب مقدمہ طے ہو چکا تو صدر اعظم صاحب کلیم کی طرف مخاطب ہوئے کہ ہاں حضرت فرمائیے۔ کلیم۔ بندہ ایک غریب الوطن ہے رئیس کی جود و سخا کا شہرہ سن کر مدت سے

ا؎ تم کہاں سے آتے ہو خدا تم کو ہلاکت کی جگہ سے نجات دے ۱۲ ؎ یعنی میری فہم عربی کے سمجھنے سے کوتاہی کرتا ہے مطلب کہ میں عربی نہیں سمجھتا ؎ کہاں سے آنا ہوا ۱۲ ؎ اتفاق ہوا ۱۲ ؎ یعنی دولتمندوں کی تعریف کیا کرتا ہوں ۱۲ ؎ یعنی امیروں کی [illegible] سے مطلب ہے کہ میں بھی امیر [illegible] ہو جاؤں ۱۲ ؎ مطلب یہ ہے کہ رئیس کچھ بھی نہیں مگر اسکو مولوی صاحب نے منطقی اصطلاح [illegible] ایک بڑے مسئلے کی طرف اشارہ [illegible] جس کا سمجھنا مبتدی کو مشکل ہے ۱۲ ؎ وزیر اعظم وہی نواب سید اردل خاں ۱۲ ؎ ان کا حلیہ یہ ہے کہ ان کی پیشانیوں پر سجدے کے گٹھے پڑے ہیں ۱۲ ؎ جھکے ہوئے ۱۲ ؎ یعنی [illegible] کے جھگڑے چکا رہے ہوں گے ۱۲ ؎ مشغول ۱۲ ؎ یہ علم نحو عربی کا ایک مسئلہ ہے ۱۲ ؎ اللہ ان کے فیض جاری رکھے ۱۲ ؎ رئیس کے نائب ۱۲ ؎ کچھ مضائقہ نہیں ۱۲ ؎ شان و شوکت ۱۲ ؎ علم فرائض کے ایک قاعدے کا نام [illegible] کی رو سے وارثوں کے حصے تقسیم [illegible] ۱۲ ؎ بال کی کھال نکالتے ہیں ۱۲ ؎ رتبے کا ۱۲ ؎ فیاضی ۱۲

مشتاق تھا۔ یہ حال ہی باقی میری صورت سوال ہی۔ صدر اعظم۔ آپ کی سماعت صحیح لیکن اگرچہ جود[1] صفت
محمود[2] ہی مگر اعتدال[3] شرط ہی۔ شامتِ اسراف[4] سے غنا[5] باقی نہ رہا۔ فرنگیوں نے حفظ ریاست کی نظر سے رئیس
کو ممنوع[6] التصرفات مسلوب[7] الاختیارات کر رکھا ہی۔ کلیم۔ میں طالب گنجینہ نہیں سائل خزینہ نہیں ہ

| صدف کو چاہیئے کیا ایک قطرہ چشمۂ یم سے + بجھا لیتا ہی اپنی پیاس کام غنچہ شبنم سے |

کلیم نے اس طرح کڑک کر بے دھڑک شعر پڑھا کہ تمام حاضرین اُس کی یہ حرکت خارج از سیاقِ ادب[8] دیکھکر متعجب ہوے
صدر اعظم صاحب کا منصب انکا علم و فضل۔ انکی پیری اور وہ ہیبت[9] جو انکی تہذیب[10] کو لازم تھی یعنی صدر اعظم صاحب
کیحالت مجموعی اور اُس سے قطع نظر خود کلیم کیحالت اسکی مقتضی تھی کہ وہ پاس ادب ملحوظ رکھتا مگر وہ ایسی ہی
بیباکی کو ہنر[11] لسانی اور صفتِ حاضر جوابی سمجھتا تھا۔ شعر اسکا تکیہ کلام تھا۔ بات کہتا تو مقفیٰ۔ کلام کرتا تو موزوں گفتگو
روزمرہ میں بھی اسکی یہی کیفیت تھی۔ اور جو کوئی اسکو ٹوکتا تو وہ جواب دیتا کہ ع شاعری تو شعار[12] ہی اپنا + کلیم کو صدر
اعظم کے حضور میں بیباکانہ شعر پڑھتے ہوے دیکھکر لوگونکو حیرت ہوئی لیکن جو امر انکی حیرت کا موجب تھا وہی انکو کلیم
کے روکنے سے بھی مانع تھا یعنی صدر اعظم صاحب کی ہیبت۔ لوگوں سے زیادہ صدر اعظم صاحب کو حیرت ہوئی ہوگی
مگر انکی تہذیب اس درجے کی تھی کہ انھوں نے کلیم کو نظر بھر کر بھی تو نہیں دیکھا اظہار ناخوشی و ناپسندیدگی تو بڑی بات
ہی۔ صدر اعظم رئیس سے تو توقع عبث ہی۔ مگر انتظام جدید در پیش ہی اگر میں سمجھوں کہ کوئی خدمت آپ انجام دے سکینگے
تو ان شاء اللہ مجلس[13] شوریٰ میں جسکو لوگ کمیٹی منتظم ریاست کہتے ہیں آپکے استحقاق پیش کر دئیے جائینگے اور غالب ہی
کہ کوئی خدمت بھی آپ کو مفوض[14] ہو جائے۔ متعدد[15] مناصب[16] خالی ہیں خصوصاً انتظام فوجداری عمدہ ریاست میں۔ کلیم
چندے حضور مجھ کو اپنی خدمتِ خاص میں رکھیں اور اس نالائق کی ہنرمندی و بے ہنری حضور پر منکشف ہو جائے
پھر جس خدمت کے لیے ارشاد ہوگا بسر و چشم اُس کو بجا لائے گا۔ اگرچہ خدمت فوجداری ہی کیوں نہو ہ

| طالب ہوں علم[17] کا کہ علم سے ہی ہم رقم + نیزہ سمجھ کے لیتا ہوں میں ہاتھ میں قلم |

صدر اعظم فرنگیوں نے جو انتظام کیا ہی وہ ایسی تنگی رزی کے ساتھ کیا ہی کہ اُس میں بہت تھوڑی گنجائش ہی پس قبل اسکے کہ
میں آپکو اپنے پاس کی کوئی خدمت دوں مجھکو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کس کام کی انجام دہی پر قدرت رکھتے ہیں۔ کلیم بقول غالب ع

---

[1] سخاوت ۱۲ [2] یعنی تعریف کی بات ہی ۱۲ [3] میانہ روی ۱۲ [4] فضول خرچی ۱۲ [5] تمول۔ دولتمندی ۱۲ [6] یعنی منع کر دیا آئندہ کسی طرح کا دخل دے ۱۲ [7] یعنی کل اختیار اچھین لیے ۱۲ [8] ادب کے قاعدے سے باہر ۱۲ [9] رعب ۱۲ [10] مراد ہی متانت و وقار ۱۲ [11] گویائی ۱۲ [12] شعار تو اصل میں اُس کپڑے کو کہتے ہیں جو جلد بدن سے لپٹا ہوا رہے مراد ہمیشہ کی عادت ۱۲ [13] وہ مجلس جس میں انتظام کے متعلق صلاح و مشورہ کیا جاے ۱۲ [14] سپرد ۱۲ [15] کئی ۱۲ [16] عہدے ۱۲ [17] شاعر کہتا ہی کہ میں سپاہی مزاج آدمی ہوں اور علم کو جو طلب کرتا ہوں تو اسی وجہ سے کہ عَلَم جس کے معنے جھنڈے کے ہیں اور علم دونوں ایک صورت سے لکھے جاتے ہیں اور قلم کی پور کو بھی نیزہ کہتے ہیں اسی سبب سے میں ہاتھ میں لیتا ہوں ۱۲ +

آج مجھ سا نہیں زمانے میں ✤ شاعرِ نغزگو و خوش گفتار

صدر اعظم۔ لیکن انتظامِ جدید کے مطابق ریاست میں کوئی خدمتِ شاعری باقی نہیں کلیم ۔ ؎

اگر سخن گو نہیں تو خاک نہیں ✤ سلطنت ہے عروس بے زینت

صدر اعظم۔ جو کچھ آپ سمجھیں۔ کلیم۔ لیکن ریاست پر کیا منحصر ہے حضور بھی تو وزیر اعظم اور نائب الرئیس ہیں آپکی کارگزاری کیا کمی ہے ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ✤ صدر اعظم نعوذ باللہ المنان من آفات اللسان میں بیچارہ نام کا نائب الرئیس اور وزیر ہوں ورنہ فی الحقیقت ایک ذرۂ حقیر ہوں۔ کلیم۔ یہ حضور کا کسر نفس ہے بقول ظہوری ؎

سرِ خدمت بر آستان دارد ✤ پایۂ رفعت بر آسمان دارد

میں بھی اس بلادِ دوست اور دیارِ اجنبی میں اتفاق سے آنکلا ہوں اور میں دیکھتا ہوں تو آپ کی سرکار باقتدار میں ایک شاعر کی ضرورت بھی ہے۔ جو آپکے محامد اور اوصاف کو مشتہر کر کے خیر خواہانِ دولت کو راسخ العقیدت اور دشمنانِ روسیاہ کو مبتلائے ہیبت کرتا رہے۔ صدر اعظم یہ آپ کی کریم النفسی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔ مجھکو ضرورت تو ایسے شخص کی ہے کہ جو مجھکو میرے عیوب پر مطلع کیا کرے۔ کلیم۔ اگر مدح و ستائش پسند نہیں تو بندہ وصل و ہجر و شوق و انتظار و ناز و نیاز و واسوخت و رباعی و تاریخ و سجع و چیستان و معاملہ بندی و تضمین و محاکمہ و رزم و بزم و تشبیہ و استعارات و تجنیس و تمثیلات و سراپا ہر طرح کے مضامین پر قادر ہے۔ جو طرز مرغوب طبع ہو اُس میں طبع آزمائی کرے گا۔ ؎

رکھتا اگرچہ عیبِ تعلی سے عار ہوں ✤ بس مغتنم ہوں منتخب روزگار ہوں

صدر اعظم۔ آپکے ہنر مند بےنظیر و بے مانند ہونے میں شک نہیں لیکن افسوس ہے کہ مجھ کو اس فن کی طرف رغبت نہیں کلیم حضور جیسے عالم باکمال کا ایسے فن شریف سے کہ ہم حظ نفس ست و ہم قوت روح۔ رغبت نہ رکھنا میری قسمت کی نارسائی ہے صدر اعظم۔ اگرچہ میں اپنے نفس میں انواع و اقسام کی خباثتیں پاتا ہوں لیکن خداوند کریم کا اتنا شکر گزار ہوں کہ اب تو خیر ایسی باتوں سے محترز رہنے کی میری عمر ہے نہیں عنفوان شباب میں بھی خدا کے فضل سے میں ایسی باتوں کو نہایت ناپسند

---

۱ نادر شعر کہنے والا ۱۲ ۲ یعنی شاعر کے بدون سلطنت بے سنگار کی دلہن ہے ۱۲ ۳ الغرض خدا کے بعد سب سے بڑے تم ۱۲ ۴ خدائے کریم زبان کی آفتوں سے بچائے ۱۲ ۵ خاکساری تواضع ۱۲ ۶ رتبے کی بلندی کے اعتبار سے دیکھو تو آسمان پر پاؤں ہیں اور تواضع اس درجے کی ہے کہ چوکھٹ پر سر دھرا ہے ۱۲ ۷ جو شہر فاصلے پر واقع ہیں ۱۲ ۸ عمدہ تعریف کی باتیں ۱۲ ۹ مراد ہے خیر خواہ۔ یعنی جو آپ کے خیر خواہ ہیں اُن کی خیر خواہی اور بھی پکی اور مستحکم ہوتی جائے ۱۰ یعنی جو آپ کے دشمن ہیں خدا اُن کا منہ کالا کرے وہ میرے اشعار سُن کر آپ سے زیادہ ڈرنے لگیں ۱۲ ۱۱ یعنے آپ کی مہربانی ہے چونکہ آپ کی طبیعت میں کرم ہے اس لیے آپ میری نسبت ایسا خیال کرتے ہیں ۱۲ ۱۲ جدائی ۱۲ ۱۳ شعر میں اور مصرع لگا کر مثلاً مخمس یا مسدس کرنا ۱۲ ۱۴ دو مخالفوں میں فیصلہ ۱۲ ۱۵ لڑائی ۱۲ ۱۶ مجلس ۱۲ ۱۷ ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند ٹھہرانا جیسے کسی بہادر کو کہنا کہ اپنے زمانے کا رستم ہے ۱۲ ۱۸ ایک چیز کی خاصیتوں کو دوسری چیز میں مان لینا جیسے گوش گل ۱۲ ۱۹ ایک صورت کے الفاظ جیسے علم اور عَلَم ۱۲ ۲۰ سر سے پاؤں تک معشوقوں کے اعضا کی تعریف ۱۲ ۲۱ تبرائی ۱۲ ۲۲ اس میں نفس کو بھی مزہ ملتا ہے اور روح میں توانائی بھی آتی ہے ۱۲ ۲۳ پرہیز کرنے کی ۱۲ ✤

کرتا تھا۔ کلیم ع سبب کیا وجہ کیا موجب جہت کیا + صدر اعظم۔ جہان تک میں سمجھتا ہوں ایسے مضامین میں اشتغال و انہماک رکھنے سے ذہول و غفلت۔ استخفافِ معصیت۔ استحسانِ لہو و لعب۔ اختیارِ مالایعنی کے سوا کچھ اور بھی حاصل ہی۔ کلیم۔ اب اس خصوص میں کچھ عرض کرنا سوء ادب ہی۔ وہی خدمت فوجداری مجھ کو تفویض فرمائی جائے صدر اعظم۔ مجھکو کچھ عذر نہیں۔ مگر آپ مجھ سے استشارہ کریں۔ تو بحکم اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ میں صلاح نہیں دے سکتا اس واسطے کہ رئیس کے ضعفِ حکومت نے اُن ٹھاکروں کو جو مستقر الریاست سے دور رہتے ہیں ایسا عسیر الانقیاد کر رکھا ہی کہ کوئی قسط بے جنگ و جدال وصول نہیں ہوتی اور ملازمانِ فوجداری کو ہمیشہ اُنکے ساتھ معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہی۔ آپکے ذمہ ریاست کے حقوقِ سوابقِ نعمت ثابت نہیں۔ کیا ضرورت ہی کہ ابتداً ایسی خطرناک خدمت اختیار کی جائے۔ کلیم۔ حالت اضطرار کو کیا کیا جائے۔ صدر اعظم۔ اگر اضطرار ہی تو بیس روپے ماہانہ کا جمع خرچ نویس دیوانی ملک منقبہ ہونیوالا ہی چندے آپ اُس پر قناعت کریں۔ میرے نزدیک کنجِ عافیت کے یہ بیس فوجداری کے پچاس پر ترجیح رکھتے ہیں۔ کلیم۔ یہ حضور کی مسافر نوازی ہی۔ لیکن بندہ اس خدمت سے معاف رکھا جائے ع ہر کسے را بہر کارے ساختند + یہ کچھ لالہ بھائیوں ہی کو زیبا ہی۔ صدر اعظم۔ میں اتماماً للحجۃ پھر آپ سے کہتا ہوں کہ جس خدمت کے آپ خواستگار ہیں فی نفسہ خصوصاً اسوقت میں محلِ خطر ہی۔ کلیم ع از خطر نیندیشد ہر کہ ہمتش عالی ست + صدر اعظم۔ اچھا تو آپ اُل کار کی نسبت تامل صحیح کر لیجئے پھر دیکھا جائے گا۔ غرض کلیم صدر اعظم سے رخصت ہو کر اپنی جگہ واپس آیا۔ مگر حصول مطلب سے مایوس۔ صدر اعظم سے بدعقیدت۔ یہاں سرا میں بعض لوگوں نے اُس سے صدر اعظم کی ملاقات کی کیفیت پوچھی تو اس نے نہایت حقارت سے کہا اجی بس شعر فہمی عالم بالا معلوم شد۔ آوازِ دُہل دور چوں دُم برداشتم مادہ خر برآمد۔ کور مغز جیسے روح جماد بے حس۔ افسردہ۔ دل مردہ ع۔ سنگ نشیند بجائے گیائی + زمانۂ ناہنجار کے انقلاب دیکھئے ایوانِ ریاست گیا ہی فتحپوری کی مسجد ہی۔ اگرچہ کلیم کو ایسی دل برداشتگی بہم پہنچی تھی کہ وہ کسی طرح ایسی ریاست کی نوکری

---

۱ رات دن ایک بات کے پیچھے پڑے رہنا ۱۲ ۲ بھولنا۔ غافل ہو جانا ۱۲ ۳ گناہ کو ہلکا خیال کرنا ۱۲ ۴ کھیل کود کی باتوں کو اچھا سمجھنا ۱۲ ۵ جو چیز درکار نہیں اُس کو اختیار کرنا ۱۲ ۶ گستاخی بے ادبی ۱۲ ۷ طلب مشورہ ۱۲ ۸ جس سے صلاح پوچھی جائے وہ ایک طرح کا امانت دار ہوتا ہی ۱۲ ۹ دار السلطنت رئیس کے رہنے کی جگہ ۱۲ ۱۰ حکم مشکل سے مانتے ہیں ۱۲ ۱۱ لڑائی جھگڑا ۱۲ ۱۲ پچھلے احسان ۱۲ ۱۳ سخت درجہ کی حاجت مندی ۱۲ ۱۴ آمدنی کی رقمیں ۱۲ ۱۵ کونا جس میں آدمی آرام سے بیٹھا رہے ۱۲ ۱۶ ہر ایک شخص کو ایک خاص کام کے لیے پیدا کیا ہی ۱۲ ۱۷ اپنی طرف سے حجت تمام کرنے کے لیے کہ پھر مجھ پر الزام نہ آئے ۱۲ ۱۸ یوں تو اپنی ذات سے ۱۲ ۱۹ خوف کی جگہ ۱۲ ۲۰ جن کی ہمتیں بلند ہوا کرتی ہیں خطر سے نہیں ڈرا کرتے ۱۲ ۲۱ انجام کار ۱۲ ۲۲ اچھی طرح سے غور ۱۲ ۲۳ نا امیدی ۱۲ ۲۴ کہتے ہیں کہ یہ مشہور شاعر فیضی صاحب نل دمن کا مقولہ ہی سعدی کا ایک بڑا مقبول شعر ہی برگ درختان سبز در نظر ہوشیار + ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار + فیضی کو اس شعر پر رشک تھا اور اس فکر میں تھا کہ اس سے بڑھ چڑھ کر شعر کہے آخر اس کو یہ سوجھا۔ بر ہر زمین موکرمن نیم کوکش + فوراً فیضی اوست در جوش + یہ شعر کہہ کر بہت خوش ہوا صحن میں ٹہل رہا تھا اور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا اوپر سے گزری ایک چیل اُس نے جو بیٹ کی تو فیضی کے منہ پر۔ اس پر فیضی بولا شعر فہمی عالم بالا معلوم شد ۱۲ ۲۵ دور کے ڈھول سہاونے ۱۲ ۲۶ دم اٹھا کر دیکھتا ہوں تو گدھی ۱۲ ۲۷ احمق ۱۲ ۲۸ جسم بے جان ۱۲ ۲۹ پتھر جس کو کسی کا احساس نہیں ۱۲ ۳۰ ٹھٹھرا ہوا ۱۲ ۳۱ جیسے ناتوانی کی جگہ گھاس بیٹھے ۱۲ ۳۲ نابکار ۱۲ ۳۳ ردّ و بدل ۱۲ ۳۴ کنگلے جمع ہیں ۱۲ +

پسند نہیں کرتا تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ اس کے پاس اتنا خرچ نہ تھا کہ کسی دوسری جگہ کا قصد کرے حاجت اسکو صدر اعظم کے پاس جانے پر مجبور کرتی تھی مگر مخالفت رائے اسکو مانع ہوتی تھی یہانتک کہ اسی حیص بیص[1] میں پورے دس دن گزر گئے اور کمیٹی منتظم ریاست کے انعقاد[2] کا وقت آپہونچا لیکن اسی بندۂ خدا نے صدر اعظم کی طرف رخ نہ کیا بارے یکایک نہیں معلوم کیا خیال اُس کے دل میں آیا کہ سپاہیانہ لباس پہن ہتھیار لگا مونچھوں پر تاؤ دے خدمت فوجداری کا اُمیدوار بن کر کمیٹی کے روبرو جا کھڑا ہوا آدمی تھا ماشاء اللہ وجیہ[3] اور اُسپر لسّان[4] ایک دم سے فوج کا کپتان مقرر ہو گیا شاعروں کو ایک پھٹکار یہ ہوتی ہو کہ اکثر خود پسند ہوتے ہیں کیوں کہ ہمیشہ تعریف و آفریں اور داد و تحسین کے اُمیدوار رہتے ہیں کلیم بھی اسی مرض میں مبتلا تھا اب جو اُسکو دفعۃً منصب کپتانی مل گیا تو اس کی نخوت[5] کو تائید مزید[6] پہنچی بقول مصرع سمندِ ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا[7] ✦ جب دیکھو اردلی میں دس پندرہ سوار شہر میں گھوڑے کداتے پڑے پھرتے ہیں چار پانچ مہینے کلیم نے بڑے چین میں گزارے اور چونکہ باپ کو چھیڑنا منظور تھا دہلی میں دوست آشناؤں کے پاس کپتان صاحب کے خط پر خط چلے آتے تھے یہاں تک کہ زور آور سنگھ ایک ٹھاکر نے اپنے علاقے کی قسط وقت پر نہ ادا کی تنگ طلبی ہوئی تو وہ پھر بیٹھا[8] اُس کی سرکوبی[9] کیواسطے دولت آباد سے فوج روانہ ہوئی اسمیں کلیم بھی تھا جوانی کی عمر نئی نئی نوکری مزاج میں بیباکی و تہوّر[10] پہلے ہی حملہ میں میاں زخمی ہوے تو کیسے سخت کہ دستم بخیر گفتنے[11] کی چپنی پر گولی بیٹھی تو اندر ہی اندر بُنِ ران[12] تک تیر گئی۔ نہیں معلوم نسوں[13] میں کس طرح کا تعلق خدا تعالیٰ نے رکھا ہو کہ ایک پاؤں کے مجروح ہونے سے سارے کا سارا دھڑ بیکار ہو گیا قاعدۂ فوج کیمطابق میدانِ جنگ سے لوتھ کو اُٹھا کر دار الشفا میں پہنچایا جراحوں نے زخم کو دیکھا تو ایسا کاری[14] پایا کہ فوراً پاؤں کا کاٹنا لازم آیا اگرچہ اُسوقت جراحوں نے پاؤں کو جان کا فدیہ[15] تجویز کیا لیکن کلیم بیچارہ ناز و نعمت کا پلا ہوا تھا اس صدمے کا متحمل نہ ہو سکا اور روز بروز اسکی حالت ردی ہوتی گئی تپ آنے لگی زخم بگڑا ناسور پڑے اتنا بڑا[16] دھو جوان ایک ہی مہینے میں گھل گھل کر پلنگ سے لگ گیا جب پاؤں کی طرح اسکی زیست کی امید منقطع ہو گئی تو ناچار لوگوں نے اُس کو دہلی میں پہنچانیکی صلاح کی اور یہ بھی خیال ہوا کہ گھر کے جانے کی مسرت اور تبدیل آب و ہوا کی فرحت سے عجب نہیں کہ اس کے دل کو تقویت پہنچے صدر اعظم صاحب حسبۃً للہ متکفل[17] مصارف ہوے اور دولت آباد سے دہلی تک برابر کہاروں کی ڈاک بیٹھ گئی کلیم دہلی میں پہنچا تو گو راہ میں مسّی بنیس کا فرق اُس کی حالت میں ہو گیا مگر ناتوانی اس درجے کی تھی کہ دن رات میں سات پہر بے ہوشی میں گزرتے تھے جب کہاروں نے

۱؎ تردد و تفکر ۱۲ ۲؎ جمع ہونے ۱۲ ۳؎ شاندار ۱۲ ۴؎ گویا ۱۲ ۵؎ تکبر غرور ۱۲ ۶؎ زیادہ مدد ۱۲ ۷؎ جیسے ناز کے گھوڑے کو کوڑا مار دیا کہ وہ لگا اور تیزی کرنے ۸؎ باغی ہو گیا ۱۲ ۹؎ سر کچلنے ۱۲ ۱۰؎ حد سے زیادہ جرأت ۱۲ ۱۱؎ ہاتھ سے گولی لگنے کی جگہ کو بتایا تو کہا کہ میرا ہاتھ خیریت کی جگہ پڑے یعنی ایسا نہ ہو کہیں میرا اس جگہ گولی آ لگے ۱۲ ۱۲؎ ران کی جڑ ۱۲ ۱۳؎ رگوں ۱۲ ۱۴؎ شدید ۱۲ ۱۵؎ صدقہ ۱۲ ۱۶؎ بڑا بھاری ۱۲ ۱۷؎ یعنی اُنھوں نے رستے کا خرچ اپنے ذمے لیا ۱۲ ✦

اُسکی ڈولی نصوح کے دروازے پر جا اُتاری تو اُسپر غشی طاری تھی نصوح بالاخانے پر مصروفِ عبادت تھا پہلے زنان خانے میں خبر ہوئی فہمیدہ بیتاب ہو کر بے حجاب[1] باہر نکل آئی جوں پالکی کے پٹ کھولکر دیکھا تو بیٹی پر مُردنی چھائی ہوئی تھی اسطرح بلک کر روئی کہ سننے والوں کے کلیجے ہل گئے فہمیدہ نے اس بیقراری میں جو بیان کیے اُن کے لکھنے سے پہلے قلم کا سینہ شق[2] ہوا اور چشم دوات سے اشک[3] جاری ہیں خلاصہ یہ کہ فہمیدہ کے قلق و اضطراب نے محلے میں حشر برپا کر دیا اگرچہ نصوح گریہ و بکا کی آواز سُن کر کھٹکا تھا مگر وہ اس طرح کا مستقل مزاج اور ضابط آدمی تھا کہ اُسی ترتیل[4] کے ساتھ معمولی تلاوت کو پورا کیا اُسکے بعد نیچے اُتر کر پالکی کے پاس آیا فہمیدہ کا رونا سُن کر اور بیٹی کی ردی حالت دیکھ کر بے اختیار اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو چلے جاتے تھے اور بار بار ٹھنڈی ٹھنڈی سانس بھر تا تھا مگر نہ کچھ بولتا تھا نہ چالتا تھا آدہ گھنٹے کامل سکی یہی کیفیت رہی۔ اس کے بعد اُس نے اپنے آنسو پونچھے اور کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[5] لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ[6] اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰهِ[7] اَللّٰهُمَّ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا[8] اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْہِ سَکَرَاتِہٖ وَکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ[9] اس کے بعد بی بی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم کو رنج کرنے سے منع نہیں کرتا۔ تمھارا رنج اقتضائے طبیعت ہے کہ انسان اُس میں مجبور ہے لیکن مجھکو تمھارا اضطرار دیکھ کر اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ مبادا تمھارے خیالات منجر بہ کفران[10] ہو جائیں۔ اگر معصیت کے وقت انسان کے دل میں نعوذ باللہ[11] بوئے نارضامندی بھی خداوند بے نیاز کی طرف سے پیدا ہو تو پھر کہیں اُس کا ٹھکانا نہیں خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ[12] ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ[13] کیا ہم نئے آدمی اور یہ انوکھی مصیبت ہے۔ بزرگانِ دین پر اس سے کہیں زیادہ مصیبتیں نازل ہوئیں۔ زندہ جلتی ہوئی آگ میں جھونک دیے گئے۔ سر پر آرے چلے۔ سولی چڑھے۔ قتل ہوئے۔ قید رہے۔ مار پڑی۔ کوڑے سہے گالیاں کھائیں بیگاریں بھگتیں۔ ذلتیں اُٹھائیں رسوائیاں جھیلیں۔ مگر خدا اُن کو جزائے خیر دے کیسے سچے بندے تھے کہ رضا و تسلیم[14] کے حبلِ[15] متین کو ہاتھ سے نہ دیا۔ یہ کچھ مصیبت اور دل رضا جوئے حضرت ربوبیت[16]۔ یہ کچھ ایذا اور زبان ستایش[17] گزار منت[18]

---

[1] بے پردہ ۱۲ [2] چرا ہوا ہے۔ قلم کے شگاف کی طرف اشارہ ہے اور غم میں لوگ کپڑے پھاڑ لیا کرتے ہیں غرض یہ ہے کہ قلم کو بھی رنج ہے ۱۲ [3] اشک آنسو یہاں مراد دوات کی سیاہی ہے ۱۲ [4] ٹھیر ٹھیر کر ۱۲ [5] ہم اللہ کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں ۱۲ [6] گناہ سے بچنا اور نیکی پر قدرت پانا خدائے بزرگ و برتر کی مدد کے بدون نہیں ہو سکتا [7] میں تو اپنے رنج و غم کی فریاد خدا ہی سے کرتا ہوں ۱ [8] اے خدا ہم پر صبر کا مینہ برسا اور ہم کو ثابت قدم رکھ۔ [9] اے خدا اس پر جان کنی کو آسان کر اور اس کے گناہوں کو اس سے جھاڑ ڈال ۱۲ [10] کھینچنے والے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ تمھارے خیالات تم کو کفران یعنی ناشکری کی طرف لے جائیں ۱۲ [11] خدا کی پناہ ۱۲ [12] دنیا اور آخرت دونو کا زیان اور یہ ہی کھلا ہوا زیان ہے ۱۲ [13] [14] رضا و تسلیم کے معنی یہ کہ جو کچھ ہوا اور ضرور خدا کے حکم سے ہوا انسان اس سے رضامند ہو اور خوشی سے اُس کو تسلیم کرے ۱۲ [15] مضبوط رسی ۱۲ [16] حضرت ربوبیت سے مراد ہے خدا تعالیٰ ۱۲ [17] یعنی زبان احسان کی شکر گزار ۱۲ ؎

شکر کا مقام ہے کہ خداوند کریم نے ہمارے ضعف پر رحم فرما کر ہم کو امتحانِ سخت میں مبتلا نہیں کیا۔ اگر بندہ
صرف یسر[1] و رفاہ[2] کی حالت میں خدا سے راضی ہے اور تکلیف و اذیت میں شاکی تو وہ بندہ بندۂ خدا نہیں بلکہ بندۂ غرض و مطلب
پرست ہے۔ اے بی بی رنج کرو لیکن صبر کے ساتھ اور مصیبت پر رؤو مگر شانِ عبودیت[3] لیے ہوئے۔ دنیا میں جتنی ایذا اور
جتنی مصیبت ہے پاداشِ گناہ و وبالِ معصیت ہے۔ اسی واسطے توبہ و استغفار کو لکھا ہے کہ اس سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں
سب سے بہتر ہمدردی جو اس شخص کی اس تباہ حالت میں کر سکتے ہیں یہ ہے کہ اس کے گناہوں کی معافی کیلئے خداوند کریم کے
حضور میں منت و سماجت و دعا کریں۔ یہ شخص تم بھی اس بات کو تسلیم کرو گی اپنے ہاتھوں اس نوبت کو پہنچا کہ جو اس کو
دیکھے گا باقتضائے انسانیت تاسف کرے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں تمام دنیا کا رحم خدا کی رحمتِ کاملہ کے آگے
ہزاروں لاکھوں حصہ بھی نہیں ہے اگرچہ ہم لوگوں کے دیکھنے میں اس کی حالت بہت ہی بری ہے لیکن کوئی شخص
اس سے بڑھ کر خوش قسمت نہیں اگر اس کی یہ تکلیفیں عند اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ[4] سمجھی جائیں نصوح کے وعظ کا سحر
حلال ایسا نہ تھا کہ کوئی اس کو سنے اور متاثر نہ ہو۔ فہمیدہ فوراً منہ پونچھ سیدھی ہو بیٹھی۔ اور اب میاں بی بی لگے
آپس میں صلاح کرنے کہ کیا کیا جائے۔ نصوح۔ اس کو محلے کے شفاخانے میں پہنچا دینا چاہیے۔ ہر وقت ڈاکٹر کے
پیش نظر رہے گا۔ مکان بہت پُر فضا[5] ہے اس کی طبیعت کو بھی تفریح[6] ہو گی۔ فہمیدہ۔ ہے ہے اور میرا دل کیونکر صبر کریگا
نصوح یہ تمہارا کہنا بھی واجب۔ مگر بیمار کی حالت ایسی ردّی ہے کہ کسی وقت اس سے طبیب[7] کا مفارقت کرنا مناسب
نہیں فہمیدہ۔ حکیم جی شوق سے آئیں جائیں میں سہ دری میں پردہ کیے بیٹھی رہوں گی۔ نصوح۔ زخموں کا
علاج کچھ ڈاکٹروں ہی سے خوب بن پڑتا ہے۔ یونانی طبیب تو اس کوچے سے محض نابلد[8] ہیں یہ سچ ہے کہ ان
کو دو چار مرہم ضرور معلوم ہیں مگر تشریح[9] سے جیسے یونانی طبیب بے خبر ویسے ہی جراح ناواقف۔ بہتر ہو گا
کہ اس کو نعیمہ کے گھر لے چلیں سرکاری شفاخانہ بھی قریب ہے اور میاں عیسیٰ کہ اس وقت ہندوستانی جراحوں
میں اپنا ثانی نہیں رکھتے دیوار بیچ ان کا گھر ہے۔ فہمیدہ نے بھی اس صلاح کو پسند کیا۔ اور کیسا سامان و کس
کی تیاری گھر کا گھر کلیم کی پالکی کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہاں سے کوئی چھ سات پیسے ڈولی نعیمہ کی
سسرال تھی کہاروں نے پالکی اٹھائی تو کہیں کندھا تک نہیں بدلا ادھر نعیمہ کے گھر جا اتاری۔ یاد ہو گا کہ
نعیمہ ماں سے لڑ کر بے ملے صالحہ کے ساتھ خالہ کے یہاں چلی گئی تھی۔ پھر چار مہینے وہاں رہی نیک لوگوں

---

[1] فارغ البالی ۱۲ [2] خوش حالی ۱۲ [3] یعنے بندگی کی شان لیے ہوئے اور بندگی کی شان کیا ہے کہ جو مالک نے چاہا کیا اس پر اعتراض نہیں اس سے
ناراضی نہیں ۱۲ [4] گناہ کا بدل یعنی یہی تکلیفات اس کے گناہوں کی سزا ہوں اور عاقبت میں اور مواخذہ نہ ہو ۱۲ [5] وسیع کشادہ ۱۲
[6] خوشی۔ بحالی ۱۲ [7] یعنی طبیب سے جدا رہنا ۱۲ [8] ناواقف ۱۲ [9] انسان کے بدن کی بناوٹ ۱۲

کے ساتھ رہنے کی برکت سے خدا نے اُس کو ہدایت دی اور وہ بھی نیک بن گئی ؎

سگِ[1] اصحاب کہف روزے چند | پئے نیکاں گرفت و مردم شد

نیک بنے پیچھے ممکن نہ تھا کہ وہ ماں باپ کی نارضامندی گوارا کرتی۔ اُس نے ماں باپ کو شاد اور خدا نے اُس کو اپنے گھر میں آباد کیا۔ اُس کو سسرال گئے دوسرا مہینا تھا کہ کلیم کو چار کہاروں کے کندھوں پر لاد کر اُس کے گھر لے گئے۔ چونکہ نعیمہ کا گھر آباد ہونے کا تذکرہ آ گیا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نعیمہ کا حال لکھا جائے اور کلیم کو جو دنیا میں اب مہمانِ چند روزہ ہے پیچھے دیکھ لیا جائے گا ✦

نعیمہ خالہ کے یہاں رہ کر خود بخود درست ہو گئی اس نے ماں باپ سے اپنی خطا معاف کرائی اور خدا نے اس کا مدتوں کا اُجڑا ہوا گھر پھر آباد کیا کلیم نے بہن کے گھر وفات پائی قصے کا خاتمہ

نعیمہ اور کلیم اس اعتبار سے دونوں کی کچھ ایک ہی سی کیفیت تھی کہ زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے عادتیں دونوں کی راسخ ہو چکی تھیں۔ بیاہے ہوئے اور صاحبِ اولاد دونوں تھے۔ کلیم کو بی بی سے کچھ اُنس تھا تو نعیمہ کا شوہر سے بگاڑ تھا۔ نعیمہ اگرچہ کلیم کی طرح سب میں بڑی تھی مگر بڑی بیٹی تھی۔ لیکن پھر بھی کلیم فولاد تھا تو نعیمہ کو اُسکے مقابلے میں سیسہ بلکہ رانگا سمجھنا چاہیے۔ کلیم مرد تھا قسی[2] القلب۔ نعیمہ عورت نرم دل۔ کلیم باہر کا چلنے پھرنے والا سیکڑوں آدمیوں سے تعارف[3] ہزاروں سے جان پہچان۔ نعیمہ بے چاری پردے کی رہنے والی میل ملاپ سمجھو تو اور پیار اخلاص سمجھو تو ماں۔ بہن۔ خالہ۔ نانی۔ کنبے کی عورتوں سے وہ بھی گنتی کی کلیم اور نعیمہ دونوں کے بیمار تھے۔ لیکن کلیم کے دل کو ذاتی روگ کے علاوہ صدہا بیماریاں اُس قسم کی تھیں جو متعدی کہلاتی ہیں یعنی ایک سے اڑ کر دوسرے کو لگ جاتی ہیں۔ پس کلیم کے مزاج میں چند در چند خرابیاں تھیں جو اُس نے بُری صحبتوں میں بیٹھ کر اپنے پیچھے لگا لی تھیں۔ نعیمہ میں جو کچھ بُرائی تھی وہ ماں باپ کے لاڈ پیار علم کی ناداری اور عقل کی کوتاہی کی وجہ سے تھی۔ کلیم۔ دلیر بے باک و عیار[4] و چالاک تھا۔ نعیمہ بیوقوف بھولی اور ڈرپوک دل کی بودی۔ کلیم کے سر پر ایک سخت بلا مسلط[5] تھی یعنی اُس کے جلیس[6] و ہم نشین

---

[1] کہف کے معنی غار چند بادشاہ لوگ ایک ظالم بے دین بادشاہ کے خوف سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ رہے ایک کتا بھی اُن کے ساتھ لگ لیا کہتے ہیں ان سب کو خدا نے ایسا سلایا کہ کئی سو برس بعد جاگے۔ شعر میں اسی قصے کی طرف اشارہ ہے کہ اصحاب کہف کا کتا چند روز کے لیے نیک لوگوں کے پیچھے لگ لیا اور ان کی برکت سے آدمی بن گیا ۱۲ [1] یکی۔ جمی ہوئی ۱۲ [2] سخت دل ۱۲ [3] جان پہچان ۱۲ [4] ہوشیار۔ سیانا ۱۲ [5] سر پر سوار ۱۲ [6] پاس کے بیٹھنے والے ۱۲ ✦

اور نعیمہ اسے بالکل محفوظ تھی۔ کلیم میں اس قسم کے بیہودہ عیوب تھے جن میں آجکل کے کمبخت نوجوان شریف زادے کثرت سے مبتلا پائے جاتے ہیں یعنی عورتوں کی درپے تحسین[1] رہنا اور بناؤ سنگھار رکھنا پہر دن چڑھے سو کر اٹھے۔ ضرورتوں سے فارغ ہو کر آئینے کی تلاوت شروع ہوئی تو دور کر دیا اگرچہ رات کو مانگ و پٹیوں کے لحاظ سے رومال باندھ کر اور سر کو الگ تھلگ رکھ کر سوئے تھے مگر آئینے میں منھ دیکھا تو زلف کی پریشانی پر اس قدر تاسف کیا کہ سر اسحاق[2] نیوٹن صاحب نے بھی اپنے اوراق کی ابتری پر اتنا افسوس نہ کیا ہوگا بارے اگر اصلاح کا دن نہ ہوا تو گھنٹوں کی محنت میں وہ بھی اپنے اکیلے کی نہیں بال ٹھکانے لگے اور مانگ درست ہوئی۔ اور اگر کہیں اصلاح کا روز منحوس ہوا تو سارا دن گزر گیا ایک وضع خاص پر سر جھکائے جھکائے گردن شل[3] ہو گئی۔ ڈاڑھی اور مونچھوں کے ترشوانے میں منھ کو لقوہ[4] مار گیا حجام کی آنکھوں کے تلے اندھیرا آنے لگا مگر پھر بھی ان کا خط خاطر خواہ نہ بنا کپڑے بدلنے کی نوبت پہنچی ٹوپی قالب[5] سے اتر کر آئی تو سر پیٹ لیا مگر ایسی احتیاط سے کہ بال نہ بگڑیں اس کے بعد انگرکھے کی چینٹ پر چیں بہ جبیں ہوئے پھر تو ادھر انگرکھے کی آستینوں اور اُدھر پاجامے کی تنگ موہریوں کے ساتھ ہاتھا پائی ہونی شروع ہوئی۔ مشکل یہ آ کر پڑی کہ کپڑا مہین کشاکش[6] کا متحمل نہیں ذرا زور پڑا اور مسکا اور ہاتھ پاؤں کہتے ہیں کہ ہم ان چیونٹی کے بلوں میں گھسنے کے نہیں حَتّٰی[7] یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ بارے کاغذ کے سہارے سے ہولے ہولے پھسلاتے پھسلاتے کہیں پہروں میں جا کر مشکل آسان ہوئی اب ملبوس خاص زیب تن تو ہوا مگر کس کیفیت سے کہ تنگی اور چستی کے مارے مشکیں الگ کسی ہوئی ہیں پاؤں علیحدہ جکڑے ہوئے ہیں اور سارا بدن گویا شکنجے میں ہے کھانسنا چھینکنا۔ جمائی۔ انگڑائی تو درکنار گھنڈی تکمے کے لحاظ بندوں کے پاسِ خاطر سے اچھی طرح سانس بھی نہیں لے سکتے غور کرنے کی بات ہے کہ لباس سے غرض اصلی بدن کا ڈھانکنا اور آسایش پہنچانا ہے اُس میں کبر و نخوت کو دخل دے کر یا ناس ملا ہے کہ غرض اصلی گئی گذری ہوئی اور تکلیف و ایذا اُلٹی گلے منڈھی گئی۔ مقصود تھی پردہ پوشی ان بزرگ ذات نے اس میں خراش تراش اور وضع داری کو ایسا شامل کیا کہ کپڑوں نے اندرونِ[8] دل تک کا نفاق اُدھیڑ کر رکھ دیا۔ اب اُن کے حالات لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صورت بیں حالش مپرس

[1] بناؤ سنگار ۱۲ [2] انگلستان کا بڑا مشہور حکیم۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک کتے کو بہت عزیز رکھتا تھا کتے نے کاغذوں پر جلتی ہوئی بتی گرا دی اور نیوٹن کی برسوں کی محنت جل کر راکھ ہو گئی ۱۲ [3] اکڑ گئی ۱۲ [4] ہلکی قسم کا فالج ۱۲ [5] سانچا۔ جن لوگوں کو گول ٹوپی کی عادت ہوتی ہے شکن نکالنے کے لیے ٹوپی کو سانچے پر تان دیا کرتے ہیں ۱۲ [6] کھینچ تان ۱۲ [7] تاوقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے ہو کر نہ گزر جائے ۱۲ [8] یعنی دلی خیالات ظاہر کر دیے ۱۲

کلیم بھی ایک اسی طرح کا چھیلا تھا بد وضع آوارہ جس کے اطوار و عادات جا بجا لکھے جا چکے ہیں۔ اس خصوص میں نعیمہ تسرفا کی بہو بیٹیوں کی طرح کالدّرِّ المکنون[1] محفوظ و مصئون[2] تھی۔ اُس میں اور کلیم میں بے مبالغہ فرشتے اور شیطان کی نسبت سمجھنی چاہیئے۔ غرض نعیمہ کا رو براہ ہونا دشوار ضرور تھا مگر نہ کلیم کی طرح محال مشکل البتہ تھا لیکن نہ کلیم کے مانند متعذر۔ خالہ کے یہاں ڈولی سے اُتری تو جوں خالہ کی شکل دُور سے نظر پڑی کہ بھوں بھوں[3] رونا شروع کیا۔ دیہات کی مستورات کا تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی مہمان یا مسافر بہت دنوں کے بعد آتا ہے تو اُس سے مل کر رونے لگتے ہیں۔ اس واسطے کہ اُس وقت اُن کو مفارقت کی سختیاں اور تکلیفیں اور یادگاری و انتظار کی زحمتیں یاد آتی ہیں۔ مگر دہلی کا یہ دستور نہیں ہے۔ یہاں کی عورتیں اُسی حالت میں روتی ہیں جب کہ طرفین میں سے کسی کا کوئی عزیز و قریب ماں جُدائی میں مر گیا ہو ورنہ یوں مہمان و مسافر کے آنے پر رونا دلّی والیاں منحوس سمجھتی ہیں۔ گو خالہ کو دیکھ کر نعیمہ کے دل میں جوش پیدا ہوا تھا مگر اُس کو ضبط کرنا چاہیے تھا۔ لیکن نہ تو نعیمہ کو اتنی عقل تھی کہ اتنی بات سمجھتی اور شاید سمجھی بھی ہو تاہم وہ دل پر اُس قدر ضابطہ نہ تھی۔ خالہ نے جو اُس کو روتے دیکھا سخت تعجب کیا۔ بھانجی کی عادت سے واقف تھیں سمجھ تو گئیں کہ ماں سے روٹھ کر آئی ہے اُسی کا یہ رونا ہے۔ لیکن جلدی سے دوڑ بھانجی کو گلے لگا لیا اور پیار چمکار کر بہت کچھ تسلّی دی اور سمجھایا کہ اللہ رکھے بیٹے کی ماں ہوئیں اب تمھاری عمر بچوں کی طرح رونے کی نہیں ہے ہمسائے کی عورتیں سنیں گی تو کیا کہیں گی۔ جانے دو۔ بس کرو۔ طبیعت کو سنبھالو جی کو مضبوط رکھو۔ نعیمہ۔ اماں نے مجھے مارا۔ اوں اوں[4]۔ خالہ۔ مارا تو کیا ہوا ماں باپ ہزار بار دُلار[5] کرتے ہیں تو نصیحت کے واسطے مار بھی بیٹھتے ہیں۔ ماں باپ کی مار مار نہیں سنوار ہے۔ تمھاری نانی خدا جنّت نصیب کرے بڑی ہتھ چھٹ[6] تھیں۔ تم اس بات کو سچ ماننا کہ اب ہم ان کی مار کو ترستے ہیں۔ ماں باپ کی مار کیا ہر ایک کو نصیب ہوتی ہے جنھیں خدا کو بہتر کرنا منظور ہوتا ہے وہ ماں باپ کی مار کھاتے ہیں۔ بھلا اس بات کا خیال کیا ہوش میں آؤ۔ لو دیکھو تمھارا بیٹا بھی تمھارے رونے پر ہنستا ہے (ننھے بچے کی طرف مخاطب ہو کر کیوں جی ہیرے میاں تم کچھ اپنی اماں جان کو نہیں سمجھاتے۔ بچّہ۔ آغوں۔ خالہ۔ آغوں[7] غوٹے دودھ پی پی کر میاں ہوے موٹے۔ غرض خالہ نے نعیمہ کے رونے کو باتوں میں ٹال دیا

---

[1] احتیاط سے رکھا ہوا موتی ۱۲ [2] محفوظ اور مصئون ہم معنے ہیں [3] رونے کی آواز کی نقل ۱۲ [4] رونے کی نقل ہے ۱۲ [5] لاڈ۔ پیار ۱۲ [6] یعنے اُن کا ہاتھ مارنے پر خوب چھٹا ہوا تھا ۱۲ [7] چھوٹے بچے کے بولنے کی نقل اور غوٹے ایک مہمل لفظ۔ موٹے کا وزن ملانے کو لگا دیا ۱۲ منہ

چندے نعیمہ جھینپتی سی رہی مگر پھر تو ہنسی خوشی رہنے لگی۔ اگرچہ خالہ نے بھانجی سے رونے کا سبب مصلحۃً نہیں
دریافت کیا مگر موقع سے صالحہ کو الگ لے جا کر ساری حقیقت پوچھی اور جب اُسکو بہن کے گھر دینداری
کی چھیڑ چھاڑ[1] کا ہونا معلوم ہوا تو اُس کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی اور اُس نے مصمّم
ارادہ کر لیا کہ جب تک نعیمہ کو پکی دیندار نہ بنا دے گھر سے رخصت نہ کرے۔ خالہ کے گھر رہ کر نعیمہ کی عادتوں
کا خود بخود درست ہو جانا عمدہ مثال ہے اس کی کہ صحبت سے بڑھ کر تعلیم کا کوئی اچھا طریقہ نہیں۔ ماں کے
گھر چند خاص باتیں نعیمہ کی اصلاح میں خلل انداز تھیں۔ اول تو اس نے ماں اور تمام خاندان کو بے دینی
کی حالت میں مدتوں زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پس بالضرور اُن کی نصیحت کو وہ وقعت نہیں ہو سکتی
تھی جو یہاں خالہ کی باتوں کو تھی۔ دوسرے ماں کے گھر بھائی بہن نوکر چاکر پاس پڑوس والے کتنے لوگ
تھے جو نعیمہ کو ابتدائے عمر سے ایک طرز خاص پر دیکھ چکے تھے۔ نعیمہ کو اُن کے روبرو طرزِ جدید بھی کیسا
طرزِ سابق سے مخالف اختیار کرتے ہوئے عار آتی تھی۔ تیسرے ماں کے یہاں اتفاق سے اُس کو
ایک سختی بھی پیش آگئی تھی اور وہ سختی اُس کی حالت کے کسی طرح مناسب نہ تھی۔ چوتھے اس کو ماں پر بڑا
ناز تھا۔ یعنی اُن کی خدمت میں شدت سے گستاخ تھی اور اُن کے کہنے کی مطلق پروا نہیں کرتی تھی خالہ
کے یہاں آکر رہی تو کسی نے بھول کر بھی اُس سے تذکرہ نہ کیا کہ دینداری بھی کوئی چیز ہے یا خدا کی
پرستش بھی انسان کا ایک فرض ہے۔ مگر تھا کیا کہ چھوٹے بڑے ایک رنگ میں تھے صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ
مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً[2] اور اُن کے تمام حرکات و سکنات شانِ دینداری لیے ہوئے تھے۔ اُن کی نشست
برخاست۔ اُن کی رفتار و گفتار اُن کا قول و فعل اُن کی بات چیت اُن کا میل جول۔ اُن کا لڑائی جھگڑا
اُن کا کھانا پینا۔ اُن کی خوشی۔ اُن کا رنج کوئی ادا ہو وہ ایک نرالی دیندارانہ ادا تھی۔ نعیمہ کو خالہ کا گھر ایک
نئی دنیا معلوم ہوتا تھا اگرچہ ابتداءً وہ یہاں کے اوضاع کو حقارت سے دیکھتی تھی۔ لیکن جوں جوں وہ
ان دستورات سے مانوس ہوتی گئی اُن کی عمدگی اور بہتری اُسکے ذہن میں بیٹھتی گئی۔ آخر اُسکو ثابت ہوا
کہ بے دین زندگی محض ایک بے اطمینان بے سہارے زندگی ہے۔ اگر رنج و ایذا ہے تو کوئی وجہ تسلّی کوئی
ذریعہ تشفی نہیں۔ اور اگر آرام و خوشی ہے تو اُس کو ثبات[3] و قرار نہیں۔ فاقہ ہے تو صبر نہیں۔ کھانا ہے تو سیری[4]
نہیں۔ بدی کی سزا نہیں۔ نیکی کی جزا نہیں بے دین آدمی ایسا ہے جیسے بے نکیل کا اونٹ۔ بے ناتھ کا بیل

[1] چھیڑ چھاڑ ۱۲ [2] خدا کا رنگ اور اس کے رنگ سے کس کا بہتر ہوگا ۱۲ [3] ٹھیراؤ ۱۲ [4] پیٹ نہیں بھرتا ۱۲

بے لگام کا گھوڑا۔ بے ملّاح کی ناؤ۔ بے رگیولیٹر کی گھڑی۔ بے شوہر کی عورت۔ بے باپ کا بچہ بے تھیوے[1] کی انگوٹھی بے لالی کی منہدی بے خوشبو کا عطر۔ بے باس کا پھول۔ بے طبیب کا بیمار بے آئینے کا سنگھار۔ یعنی دین نہیں تو دنیا و مافیہا سب ہیچ اور عبث اور فضول و ریوچ اور لچر ہے۔ نعیمہ نے رفتہ رفتہ خود بخود خالہ کی تقلید[2] شروع کی وہ ہمیشہ پہر سوا پہر دن چڑھے سو کر اٹھتی تھی اور یہاں گھر بھر چھوٹے بڑے منہ اندھیرے ضرورتوں سے فارغ ہو عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے تھے۔ گھر بھر کا اُٹھنا اور وہ بھی نرا اُٹھنا اور چارپائیوں پر لدے بیٹھے رہنا نہیں بلکہ چلنا پھرنا کام کاج کرنا۔ ہر چند نعیمہ کی وجہ سے احتیاط کی جاتی تھی مگر کہاں تک کچھ نہ کچھ آہٹ آواز ہوتی ہی تھی۔ بعد چندے نعیمہ کی آنکھ بھی سب کے ساتھ کھلنے لگی اور جاگی تو ممکن نہ تھا کہ اُس کو اپنی حالت پر تنبہ[3] نہ ہو۔ اس واسطے کہ وہ اپنے تئیں دیکھتی تھی کہ بچے کی نجاست میں لتھڑی ہوئی پڑی انگڑائیاں لے رہی ہے سست اور داس مضمحل نیند کے خمار[4] سے کسل مند۔ اور دوسرے ہیں کہ چاق چوبند چست و چالاک تازہ دم پاک صاف خدا کی درگاہ میں شکر کے سجدے کر رہے ہیں کہ رات امن چین سے کٹی اور دعائیں مانگ رہے ہیں کہ بار الٰہا ہم کو روزی دے اتنی کہ فراغت سے کھائیں۔ رزق دے ایسا کہ دوسرے کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں حاجت نہ لے جائیں۔ بار خدایا بیماروں کو شفا۔ گمراہوں کو ہدایت۔ قیدیوں کو رہائی[5]۔ مسافروں کو امن۔ بھوکوں کو روزی۔ قحط زدوں کو ارزانی تشنہ کاموں[6] کو پانی۔ مایوسوں کو امید۔ ناکاموں کو کامیابی کی نوید۔ مفلسوں کو قناعت۔ تونگروں کو سخاوت۔ بے اولادوں کو اولاد۔ نامرادوں کو مراد۔ جاہلوں کو علم۔ عالموں کو عمل۔ زاہدوں کو اخلاص۔ حاکم وقت کو توفیق عدل[9] و داد۔ رعیت شاد۔ ملک آباد۔ کیا اپنے کیا غیر کل جہان کی خیر۔ تنبہ ہوئے پیچھے نعیمہ کی اصلاح ہوئی ہوا ئی تھی۔ تھوڑے دنوں میں وہ دیندار خدا پرست بن گئی نماز روزے کی پابند۔ وعظ و نصیحت کی دلدادہ۔ منکسر[11]۔ متواضع۔ ملنسار۔ صلح جو۔ نیک خو۔ شائستہ[12]۔ باوجودے کہ نعیمہ ایک آسودہ حال گھر کی بیٹی تھی اور اُس نے ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی اور ماں باپ کو اُس کی دلجوئی اور خاطرداری ہمیشہ

---

[1] نگین [2] پے روی ۱۲ [3] آگہی ۱۲ [4] نیند کے اثر کا بقیہ ۱۲ [5] خلاص ۱۲ [6] سستا سما ۱۲ [7] کام کے معنے تالو یعنی پیاسوں کو ۱۲ [8] ناامیدوں ۱۲ [9] انصاف ۱۲ [10] رنجگی ہونی ۱۲ [11] غریب۔ مسکین ۱۲ [12] مہذب بھلی مانس ۱۲ +

محظوظ رہتی تھی بایں ہمہ وہ اپنے مزاج اپنے عادات اپنے خیالات کے پیچھے سدا ناخوش رہا کرتی تھی۔ اور چونکہ طبیعت میں برداشت مطلق نہ تھی ذرا سی تکلیف کو وہ مصیبت کا پہاڑ بنا لیتی۔ اگر کسی نوکر نے مرضی کے مطابق کوئی چھوٹا سا کام نہ کیا۔ مثلاً کھانے میں نمک پھیکا یا تیز ہو گیا یا روٹی کو چتی لگ گئی یا کپڑے کی سلائی اس کی خاطر خواہ نہ ہوئی۔ یا بچہ کسی وقت رونے لگا ان میں سے ایک ایک بات کا سارے سارے دن اسکو جھگڑ لگ جاتا تھا اور جو کہیں خدانخواستہ خود اسکی طبیعت یوں ہی سی علیل ہو گئی یا اُسکو اپنی خانہ ویرانی کا کبھی خیال آ گیا تو ہفتوں گھر بھر کا عیش منغض ہوا۔ اب خیالاتِ دینداری کے ساتھ اُسکو عافیت اور اطمینان کامل اور دنیوی کوئی تکلیف نہ تھی جو اُسکو ایذا دیتی ہو۔ مگر ہاں ماں باپ کی ناراضمندی اسکے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور ایک ایک لمحہ اُس پر شاق تھا۔ اسی اثنا میں خدا نے اپنے فضل سے نعیمہ کی خانہ آبادی کی صورت بھی نکال دی۔ نعیمہ کا شوہر بڑا دیندار تھا اور اُسکو بی بی ملی نعیمہ جو اُن دنوں دین سے مطلق بے بہرہ اور خدا پرستی سے کلیتہً بے نصیب تھی۔ پھر خیر وہ نعیمہ کے حُسنِ صورت پر فریفتہ تھا مگر اختلافِ عادات اختلافِ عقائد ایک ایسا پردہ تھا کہ وہ دونو میں اتحاد پیدا ہونے کا مانع تھا۔ ساس نندیں میاں بی بی کی اتنی ناموافقت کا سہارا پاکر ایسی مرچ ہوئیں کہ نعیمہ کا رہنا دشوار کر دیا۔ اب نعیمہ کی تبدیلِ حالت کے تھوڑے ہی دن بعد صالحہ کے چچا کے گھر شادی کی تقریب پیش آئی۔ نعیمہ کو دوہرا بلاوا آیا ایک تو صالحہ کے رشتے سے۔ دوسرا سسرال کی طرف سے کہ صالحہ کی چچازاد بہن اور نعیمہ دیورانی اور جٹھانی بھی تھیں شادی کے مجمع میں اور عورتوں نے اپنی رات گیت گانے اور لاطائل باتیں بنانے میں ضائع کی اور نعیمہ نے نمازِ عشا سے فارغ ہو کر جو صلوٰۃ التسبیح کی نیت باندھی تو آدھی رات ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر سو کر تہجد پڑھنے کھڑی ہوئی تو صبح کر دی۔ نعیمہ کی شب بیداری اور تہجد گزاری کی خبر جب اس کے شوہر نے سُنی تو نہایت درجہ محظوظ ہوا۔ اور اگرچہ وہ کبھی کبھی سسرال آتا جاتا اور اپنی ذات سے بی بی کا بڑا خیال رکھتا تھا لیکن بی بی کے بے دین ہونے کی وجہ سے اُس کو اپنی ماں بہنوں کے مقابلے میں بی بی کی طرف داری کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اب جو اُس نے بی بی کا دیندار ہونا سُنا تو ڈولی لے کر دوڑا ہوا سسرال آیا۔ نعیمہ ماں کے رضامند کرنے کیلیے

لہ گذرا ۱۲ ؎ ناگوار ۱۲ ؎ بالکل ۱۲ ؎ بے کار ۱۲ ؎ صلوٰۃ التسبیح ایک قسم کی نمازِ نفل ہو جس میں قیام میں پندرہ بار اور باقی چھ جگہ رکوع۔ قومہ۔ سجدہ۔ بین السجدتین۔ سجدۂ ثانیہ۔ جلوس بعد سجدۂ ثانیہ۔ دس دس بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا ہوتا ہے بس چار رکعتیں ایسی گویا ایک ہفتہ میں مشکل سے پڑھی جاتی ہیں ۱۲ ؎ نمازِ نفل جو آدھی رات کے بعد پڑھی جاتی ہے ۱۲ ؎ خوش ۱۲ +

بے تاب تو تھی ہی شادی میں دونوں ایک جگہ جمع ہوئیں تو نعیمہ دور سے ماں کو دیکھ دوڑ کر قدموں پر گر پڑی اُدھر فہمیدہ با قتضائے مہر مادری من جانے کے لیے بہانہ ڈھونڈھتی تھی بیٹی کو جھکتے دیکھ جلدی سے اُٹھ[1] گلے لگا لیا۔ اور جب بہن اور بھانجی سے نعیمہ کا حال سُنا اور رات کے وقت اُسکو خشوع[2] و خضوع کے ساتھ عبادتِ الٰہی کرتے دیکھا تو اُس نے نہ صرف بیٹی کی خطا سے درگزر کی بلکہ پہلے سے زیادہ ریجھ ریجھ کر اُسکو پیار کیا۔ اور جب شادی کے مہمان رخصت ہوے تو بہن بھانجی کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے بیٹی کو اپنے ساتھ گھر لوا لائی اور محلے کی بیبیوں کو جمع کر کے ایک ایک سے اُسکو ملوایا۔ اِدھر نعیمہ ساری بیبیوں میں بہ کشادہ پیشانی اپنے قصور کا اظہار کر کے کبھی تو ماں کے پاؤں پر سر رکھ دیتی تھی اور کبھی حمیدہ کو گود میں لے کر پیار کرتی اور اُس کی پیشانی پر جہاں کیلی[3] کا داغ تھا بوسے دیتی تھی۔ کبھی بیدارا کو بُلا بُلا کر پاس بٹھاتی اور دُولتی کے بدلے دونوں ہاتھ اُس کے سامنے جوڑتی تھی۔ آج شام کو تو نعیمہ ماں کے گھر آئی اگلے دن بڑے سویرے اس کا میاں ڈولی لے آموجود ہوا۔ نعیمہ چند روز سسرال جا کر رہی تو نہ صرف میاں بلکہ ساس نندیں سارا کنبہ اُس کی نیکی کا مرید و معتقد تھا۔ نعیمہ تو ایک طرح سے دوسرا ہی مینا تھا کہ کلیم اُس حالت سے کہ اوپر بیان کی گئی بہن کے یہاں پہنچا۔ بھائی کی ایسی ردی حالت دیکھ کر بہن پر اور بہن بھی کیسی خدا ترس جو صدمہ ہوا قابل بیان نہیں۔ کلیم اُسی کیفیت سے بہن کے گھر رہا۔ ایک چھوڑ دو دو ڈاکٹر شہر کے نامی جراح مل کر اُس کا علاج کرتے تھے مگر اُس کے زخموں کا بگاڑ کم نہ ہوتا تھا۔ صبح و شام تھوڑی دیر کے لیے کبھی کبھی اُسکو ہوش آجاتا تھا اور ضرور اُس سے سمجھا ہوگا کہ کہاں ہوں اور کون لوگ اسکی تیمارداری[4] کر رہے ہیں لیکن اسکی ناتوانی اور نقاہت[5] دیکھ کر کوئی اُس سے کسی قسم کا تذکرہ نہیں کرتا تھا۔ باتیں کرتے تھے تو تسلی و تشفی کی یہاں تک کہ زخموں کا فساد انتہا کو پہنچ گیا اور اُسکی مدتِ حیات پوری ہو چکی۔ مرنے سے ایک دن پہلے اُسکی حالت یکایک ایسی بہتر ہو گئی کہ وہ اچھی خاصی طرح آپ سے آپ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور خلافِ عادت اُس نے فرمائش کر کے دو گوشت پلاؤ بکوایا اور تندرستوں کی طرح کھایا۔ وہ گھر والوں کے ساتھ بہت دیر تک پکار پکار کر باتیں کرتا رہا۔ اُس نے اپنے تمام حالات جب سے کہ وہ گھر سے نکلا اور جب تک کہ وہ مجروح ہو کر پھر دہلی آیا ذرا ذرا بیان کیے اور بھائی بہن ایک ایک کر کے سب کا حال پوچھا۔ اُسوقت وہ اپنے افعال پر تاسف کر کے اتنا رویا اتنا رویا کہ اُسکو غش آگیا۔

---

[1] عاجزی ۱۲ [2] نعیمہ نے حمیدہ کو نماز پڑھتی کو دھکیل دیا تھا اور تخت کی کیل لگ گئی تھی بہت سا خون نکلا تھا اُسی کا داغ تھا ۱۲ [3] تیمار کے معنے علاج پس تیماردار وہ لوگ جو مریض کو دوا بنا کر دیں اُس کی خدمت کریں ۱۲ [4] کمزوری ۱۲ [5] زخمی ۱۲ +

بڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا تو اُس نے ماں سے کہا کہ آج کی غیر معمولی توانائی جو تم مجھ میں دیکھتی ہو میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری توانائی ہی۔ خون جو مدارِ حیات ہی مطلق میرے بدن میں باقی نہیں رہا۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ شاید میری ہڈیوں کے اندر کا گودا بھی پگھل پگھل کر فنا ہو چکا ہی۔ گو تم لوگ میری تقویت کی نظر سے تسلّی اور تشفّی کی باتیں کرتے ہو مگر میں سمجھ چکا ہوں کہ میں اس مرض سے جانبر ہونیوالا نہیں۔ میں اپنے مرنے کو ترجیح دیتا ہوں اس نالائق زندگی پر جو میں نے بسر کی۔ اگرچہ میں نے اپنی زندگی خرابی اور رسوائی اور فضیحت۔ اور والدین کی نارضامندی۔ اور خدا کی نافرمانی میں کاٹی اور ایسی ایسی ہزاروں لاکھوں زندگیاں ہوں تو بھی اُس نقصان کی تلافی کی امید نہیں جو اس چند روزہ زندگی میں مجھ کو اپنی بدکرداری سے پہنچا۔ مگر مجھ کو تین طرح کی تسلی ہی۔ اوّل یہ کہ میں مرتا ہوں تائب تادم۔ خجل۔ پشیمان۔ متاسف۔ دوسری یہ کہ سفرِ عاقبت شروع کرتے وقت ایسے لوگوں میں ہوں جو اس راہ کے منزل شناس اور میرے دلسوز اور ہمدرد اور شفیق اور مہربان حال ہیں۔ تیسرے یہ کہ غالبًا میری زندگی دوسروں کے لیے نمونہ یا عبرت ہوگی کہ اس صورت میں گو اپنی زندگی سے میں خود مستفید نہیں ہوا لیکن اگر دوسروں کو کچھ نفع پہنچے تو میں ایسی زندگی کو رائگاں اور عبث نہیں کہہ سکتا۔ مصرع

من نہ کردم شما حذر بکنید +

اب مجھ کو دنیا میں سوا اس کے کوئی آرزو باقی نہیں کہ میں ابّا جان سے اپنا قصور معاف کرالوں۔ یہ کہکر اُس پر بڑے زور کی رقت طاری ہوئی۔ بے چارے کی طاقت تو مدتوں سے سلب ہو ہی چکی تھی رونا تھا کہ بیہوش ہو گیا اور اُسی بے ہوشی میں اُس کا سانس اُکھڑ گیا اور لگا ہاتھ پاؤں توڑنے نبضیں چھوٹ گئیں ہچکیاں لینے لگا ناک کا بانسا پھر گیا۔ عورتیں تو یہ حال دیکھ کر رونے پیٹنے لگیں۔ باہر مردانے سے نصوح دوڑا آیا اور عورتوں کو علیحدہ کر کے جزع فزع نامشروع سے منع کیا اور صبرِ جمیل کی تلقین کی اور بیٹے کے سرہانے بیٹھ کر یٰسین پڑھنی شروع کی۔ منہ میں شربت ٹپکایا اور اُسکو قبلہ رو لٹایا۔ کلمہ پڑھ کر سُنایا شربت کا حلق سے اترنا تھا کہ کلیم نے آنکھیں کھولیں اور باپ کو نگاہِ حسرت آلود سے دیکھ کر اُس نے ہاتھ جوڑے اور اسی حالت میں اُسنے جان بحق تسلیم کی مصرع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کلیم بچ جاتا تو وہ نیکی اور دینداری میں اپنے سب بھائی بہنوں

۱؎ بچنے والا ۱۲ ۲؎ ماں باپ ۱۲ ۳؎ معاف ۱۲ ۴؎ میں نے تو نہیں کیا مگر تم پرہیز کرو ڈرو ۱۲ ۵؎ یعنی زائل ہو چکی تھی ۱۲ ۶؎ بے قراری بے صبری ۱۲ ۷؎ وہ صبر جس پر ثواب ملتا ہی ۱۲ ۸؎ تعلیم ۱۲ ۹؎ یٰسین قرآن کی ایک صورت ہی اسکو مرنے کے سرہانے جان کنی کے وقت پڑھنے سے آسانی کے ساتھ جان نکلتی ہی ۱۲ ۱۰؎ حسرت کی بھری ہوئی یعنی اس کی آنکھوں سے حسرت ظاہر ہوتی تھی ۱۲ +

پر سبقت لے جاتا ۱؎ اُس نے مصیبتیں اُٹھا کر اپنی رائے کو بدلا تھا اور آفتیں جھیل کر تنبّہ حاصل کیا تھا۔ پس وہ مجتہد ۲؎ تھا اور دوسرے مقلد ۳؎ وہ محقق ۴؎ تھا اور دوسرے ناقل ۵؎ اس کا سا انجام خدا سب کو نصیب کرے

کلیم کا جوان مرنا ایک ایسی بھاری موت تھی کہ ماں باپ تو دونوں گویا اُس کے ساتھ زندہ درگور ہو گئے۔ بھائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ بہنوں کے سر سے ایک بڑا سرپرست اُٹھ گیا۔ لیکن بہ تقاضائے دینداری سب نے صبر جمیل کیا اور ہر شخص نے بجائے خود عبرت پکڑی۔ کلیم کے ساتھ نصوح کی وہ کوششیں بھی تمام ہوئیں جو اُس کو اصلاح خاندان کے لیے کرنی پڑتی تھیں کیونکہ کلیم مرحوم کے سوائے چھوٹے بڑے سب اُس کی رائے میں آ چکے تھے۔ یا تو ابتدائے علیم کے انٹرنس ۶؎ پاس کرنے کے لالے پڑے تھے یا اُس نے بی اے پاس کیا۔ ایک ایک عمدہ نوکری گھر بیٹھے اُس کے لیے چلی آتی تھی۔ مگر اُس نے نیک نہادی ۷؎ کی وجہ سے سررشتہ تعلیم کو یہ سمجھ کر پسند کیا کہ ہم وطنوں کو نفع پہونچانے کا قابو ملے۔ سلیم بڑا ہو کر طبیب ہوا تو کیسا حاذق ۸؎ کہ آج جو دلی کے بڑے نامی طبیب ہیں اسی کی بیاض کے نسخوں سے مطب کرتے ہیں۔ رہی ولیۃ مادرزاد حمیدہ قرآن اُس نے حفظ کیا حدیث اُس نے پڑھی اور اگر سچ پوچھئے تو شہر کی مستورات میں جو کہیں کہیں لکھنے پڑھنے کا چرچا ہے یا عورتیں خدا رسول کے نام سے واقف ہیں یہ سب بی حمیدہ کی بدولت ☙

جَزَاهَا اللّٰهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَا ۹؎

۱؎ یعنی آگے بڑھ جاتا ۱۲ ۲؎ جو دلیل کے ساتھ ایک بات کا قائل ہو ۱۲ ۳؎ بے دلیل دوسرے کی پیروی کرنے والا ۱۲ ۴؎ صاحب تحقیق ۱۲ ۵؎ نقل کرنیوالا ۱۲ ۶؎ انگریزی کا پہلا درجہ ۱۲ ۷؎ نیک ذاتی ۱۲ ۸؎ لائق جس کی تشخیص خطا نہ کرے ۱۲ ۹؎ خدا اُس کو ہم لوگوں کی طرف سے بہتر بدلہ دے ۱۲

خاتمۃ الطبع

والد مرحوم و مغفور کی زندگی میں اتنی مانگ اُن کی تصنیفات کی نہ تھی جتنی کہ اب ہے والد مرحوم کو اپنی کتب کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی لوگ اُن سے اجازت لے کر چھاپتے اور متمتع ہوتے تھے بعض اہل مطابع نے بلا اجازت بھی چھاپ لی۔ کچھ ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کتنے ایڈیشن اور کس تعداد میں نکلے۔ مطبع منشی نولکشور کی چھپی ہوئی ایک کتاب پر چودھواں ایڈیشن وہ بھی ساڑھے سات ہزار دیکھا جو لوگ محض تجارتی نقطۂ نظر سے چھاپتے تھے اُن کو اچھے بُرے سے کچھ مطلب نہ تھا وہ چاہتے تھے

کم سے کم دام تحصیلیں چنانچہ میں نے مراۃ العروس کا ایک ایڈیشن ڈھائی آنے کا بھی دیکھا ہے۔ اس پر سے سمجھ لیجیے کہ کیسا کاغذ ہوگا اور کیسی کتابت غرض ناقدردانوں نے دل بھر کے ستیا ناس کیا۔ جب سے میں ملازمت سے سبکدوش ہوا میں نے کتابوں کو اپنے قابو میں کیا۔ خود چھپواتا ہوں اور دل کھول کر روپیہ لگاتا ہوں کاغذ لکھائی چھپائی سب اعلیٰ درجے کی دیکھ لیجیے۔ پس ایسے نسخے کی قیمت بھی زیادہ ہونا چاہیے خصوصاً جب کہ کاغذ کا نرخ پنجگونا اور کتابت۔ صحت کا دگنا غرض ہر چیز گراں ہے۔ بہرحال جس پایہ کی کتاب ہے ویسی ہی چھپنی چاہیے۔ یہ کتاب فرط شہرت سے محتاج توصیف و تقریب نہیں اسکی مقبولیت کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سول سروس کے امتحان میں داخل ہے اور مدارس سرکاری میں بھی کلاً یا جزءً پڑھائی جاتی ہے یعنی بعض جگہ پوری اور بعض جگہ اس کا اقتباس۔ سول سروس کے امتحان کی وجہ سے نہ صرف اس کا ترجمہ انگریزی میں بنام "رپنٹس آف نصوح" ایم کمپسن صاحب سابق ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے کیا بلکہ صاحب موصوف ہی نے اس کی ایک مبسوط شرح حامل المتن بنام "کمنٹریز آن رپنٹنس آف نصوح" بھی لکھی۔ گجراتی اور مرہٹی زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ دینداری اور خدا پرستی پر اس سے بہتر کوئی کتاب اردو زبان میں دیکھنے میں نہیں آئی۔ مصنف کی زندگی کے ساتھ بالعموم اُس کی کتابوں کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے مگر مصنف مرحوم کی کتابیں آج بھی زندہ ہیں۔ گو اس کتاب کو ابتدائی مشروع سے آج چھیالیس برس ہوئے مگر خدا کی شان دیکھیے کہ آج بھی اس کے پڑھنے پڑھانے کا وہی ولولہ اور شوق ہے جیسے کہ ڈال کی ٹوٹی کسی نئی کتاب کا ہوتا ہے۔ فقط

خاکسار بشیر الدین احمد کان اللہ لہ ولوالدیہ

دہلی۔　　سنہ ۱۹۲۰ء